جھوٹی گواہی

مرزا امجد بیگ
(ایڈووکیٹ)

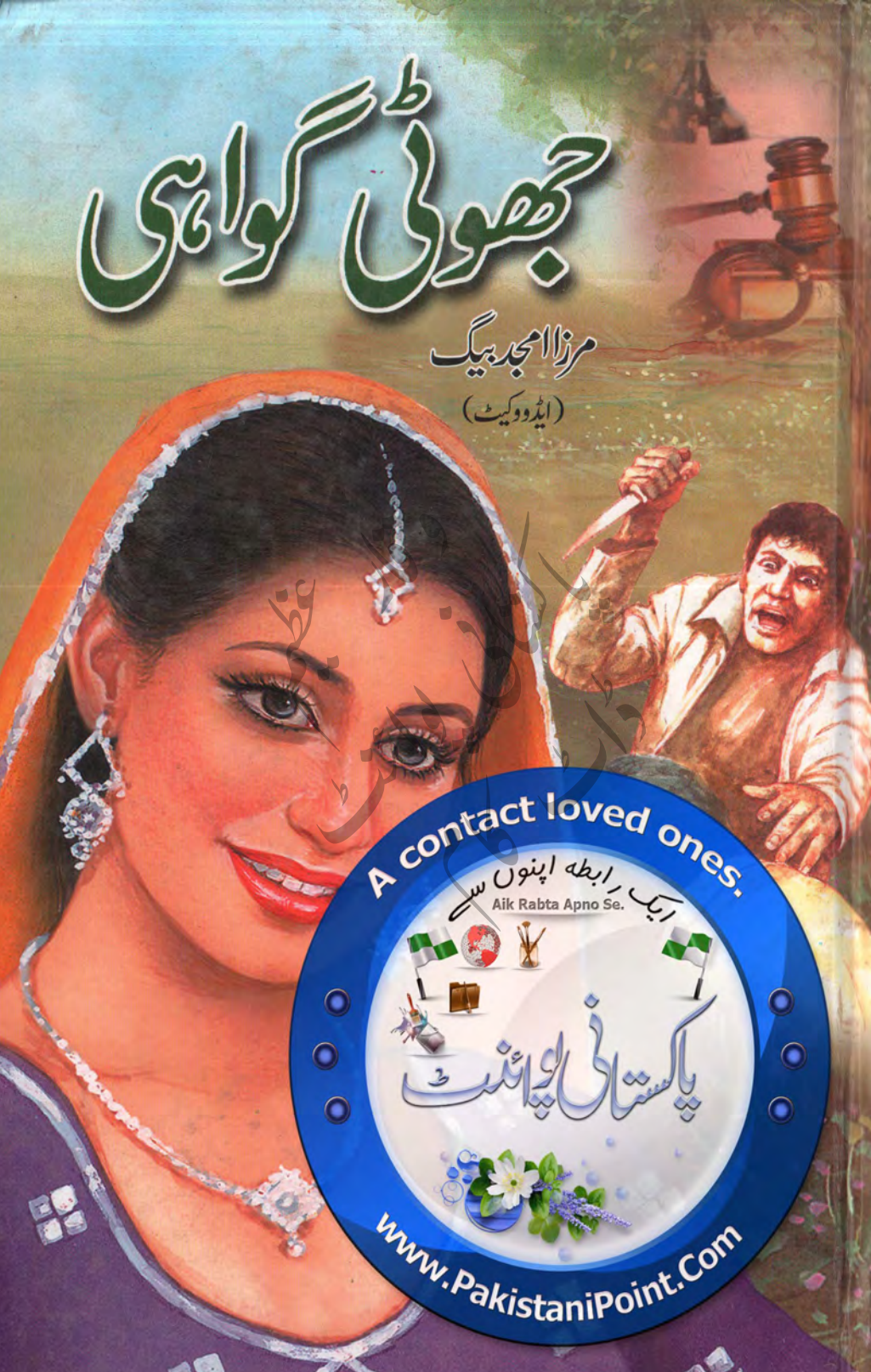

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

قانونی پیچیدگیاں، عدالتی کارروائی کے اہم رموز ونکات،
زن، زراورزمین کے تنازعوں میں جنم لینے والے مقدمات

جھوٹی گواہی

راوی: مرزا امجد بیگ (ایڈووکیٹ)

تحریر: حسام بٹ

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
فون: 042-37652546 , 042-37668958
www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

شریکِ سفر

آج میں آپ کی خدمت میں اپنی پیشہ وارانہ زندگی کے ایک ایسے کیس کی روداد پیش کروں گا جس میں قانونی موشگافیوں اور عدالتی قلابازیوں سے کہیں زیادہ انسانی نفسیات کی کرشمہ سازی اور اس کے روّیے کی حیرت آفرینی دیکھنے کو ملے گی۔ یہ میرے لیے ایک نہایت ہی ٹیڑھا کیس ثابت ہوا تھا جس نے اگر ایک جانب مجھے ناکوں چنے چبوائے تھے تو دوسری طرف دانتوں پسینا لانے کا بھی موجب بنا تھا۔ بہرحال، آپ کے لیے یہ بہت دلچسپ ثابت ہوگا۔

میرا تجربہ اور مشاہدہ تو یہی بتاتا ہے کہ انسان اگر کوئی سنگین قدم اٹھانے سے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے ارادے پر غور و فکر کر لے تو اس کی زندگی کے نوے فیصد مسائل خود بہ خود حل ہو جاتے ہیں۔ تھانوں میں روزانہ جتنے کیس رجسٹر ہوتے ہیں اور بعد ازاں عدالتی کارروائی اور قانونی چارہ جوئی کی شکل اختیار کرتے ہیں ان میں سے بیش تر کی بنیاد انسان کی جذباتیت، نامعقولیت اور جلد بازی ہی ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض لوگ بعد میں اپنی اس اضطراری غلطی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعض دوسروں کو الزام دینے کی روش پر کاربند رہتے ہیں لہٰذا اس ''فرق'' سے البتہ، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس تمہید کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

ایک روز میں اپنے دفتر میں موجود تھا کہ دو عورتیں مجھ سے ملاقات کے لیے آئیں۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر اور دوسری جوان تھی۔ سج دھج اور تیاری کے حساب سے انہوں نے ایک دوسرے کے بالعکس راہ اختیار کر رکھی تھی، یعنی جوان لڑکی اپنے لباس اور حلیے سے سادگی اپنائے ہوئے تھی جبکہ ادھیڑ عمر عورت نے خود کو جوان بنانے اور ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ بہرحال،

یہ تو اپنے اپنے رواج اور مزاج کی بات ہے۔

میں نے ان پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی، ان کے سلام کا جواب دیا اور اپنی میز کے آگے بچھی ہوئی وزیٹرز چیئرز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تشریف رکھیں.....!''

انہوں نے یکے بعد دیگرے تشریف رکھ دی۔

میں نے رسمی علیک سلیک کے بعد، سوالیہ نظر سے باری باری ان کا جائزہ لینے کے بعد پوچھا

''جی فرمائیں..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

ادھیڑ عمر عورت نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا اور اپنی ساتھی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''وکیل صاحب! میرا نام نادرہ خاتون ہے۔'' پھر پہلو میں بیٹھی لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے بتایا۔

''یہ میری بیٹی فائزہ ہے اور..... ہم ایک پریشانی کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے آئے ہیں.....''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کاغذ قلم سنبھالنے کے بعد گہری سنجیدگی سے کہا۔''جی، آپ ذرا اپنی پریشانی کی وضاحت کریں تاکہ آپ کو مشورہ دینے میں مجھے آسانی رہے۔'' پھر لمحے بھر کو رک کر میں نے اضافہ کیا۔

''غالباً آپ اپنی بیٹی فائزہ کا کوئی مسئلہ لے کر میرے پاس آئی ہیں؟''

''ہاں..... کسی حد تک کہہ سکتے ہیں!'' اس نے گول مول جواب دیا۔

میں نے فوراً کہا۔''میں کچھ سمجھا نہیں، نادرہ خاتون؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے وکیل صاحب.....'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔''ابھی میں نے جس مسئلے کی بات کی ہے نا، وہ تین افراد کا مسئلہ ہے، جن میں ایک فائزہ بھی ہے۔''

''باقی دو متاثرین کون ہیں؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے جواب دیا۔''دوسری میں ہوں اور تیسرا ہے میرا چھوٹا بیٹا عمران.....!''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے رف پیڈ پر قلم گھسیٹتے ہوئے کہا۔''اب ذرا لگے ہاتھوں اس پریشانی یا مسئلے کا بھی تعارف کروا دیں جس نے آپ ماں بیٹی کو ایک وکیل سے مشورہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے؟''

''اس بدبخت کا نام ہے یمنی.....!''

''یمنیٰ.....'' میں نے چونک کر نادرہ کی طرف دیکھا۔ ''یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ یمنیٰ نامی کسی عورت نے آپ تینوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں؟''

''وہ عورت نہیں، ایک خوب صورت بلا ہے وکیل صاحب.....!'' فائزہ نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''اس منحوس نے مجھ سے میرے بھائی جان اور میرے ابو کو چھین لیا ہے.....!''

اگرچہ ابھی تک ان کا مسئلہ کچھ بھی میرے پلے نہیں پڑا تھا لیکن یہ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ معاملہ خاصا گمبھیر ہے.....اور دلچسپ بھی۔ میں نے یکے بعد دیگرے ان کے چہروں کا جائزہ لیا اور صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ دونوں اس طرح گھما پھرا کر بات کر رہی ہیں کہ میں آپ کی پرابلم کو سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ بجائے پہیلیاں بجھوانے کے، آپ صاف اور سیدھے انداز میں مجھے صورت حال سے آگاہ کریں.....؟''

''ٹھہریں.....میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' نادرہ خاتون ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''وہ بات دراصل یہ ہے کہ.....'' تمہیدی انداز میں اس نے بولنا شروع کیا۔ ''ہمارے گھر میں کل چھ افراد ہیں۔ میں، میرا شوہر خلیل، عمران، فائزہ، میرا بڑا بیٹا آصف اور وہ.....آپ سمجھ رہے ہیں نا.....وہ کون؟''

''وہ.....یعنی یمنیٰ!'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''شاباش! اللہ آپ کا بھلا کرے!'' وہ توصیفی انداز سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آپ ایک ذہین اور تجربہ کار وکیل ہیں۔ فوراً بات کی تہ میں پہنچ گئے ہیں.....''

نادرہ کی عمر پچاس کے اریب قریب تھی تاہم جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ کوشش اس کی یہی تھی، اپنی بیٹی فائزہ کی بڑی بہن نظر آئے۔ میں نے اس کے تعریفی کلمات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور سوالیہ نظر سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ وہ کھنکار کر گلا صاف کرنے کے بعد بولی۔

''وکیل صاحب! یمنیٰ، آصف کی بیوی اور میری بہو ہے۔ اس نے میرے شوہر خلیل کو تو یہی لگتا ہے کہ اُلو کا گوشت چپکے سے کھلا دیا ہے۔ وہ یمنیٰ.....کے خلاف کوئی بات نہیں سنتا اور جہاں تک آصف کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں تو مجھے پکا یقین ہے، یمنیٰ نے اس پر کوئی سفلی وغیرہ کرا رکھا ہے.....مثلاً کوئی بندش وغیرہ.....وہ ہر وقت اپنی بیوی کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے، آصف بیوی ہو اور یمنیٰ اس کا شوہر۔ کچن میں تو آپ نے اکثر شوہروں کو اپنی بیویوں کا ''ہاتھ

بتاتے" ہوئے دیکھا اور سنا ہوگا۔ پتا ہے، آصف جورو کی غلامی میں کہاں تک پہنچا ہوا ہے......؟"

یہ سوال نادرہ خاتون نے کچھ ایسے سنسنی خیز انداز میں کیا تھا جیسے وہ تاریخ کا سب سے اہم اور عظیم الشان راز افشا کرنے جا رہی ہو۔ میں نے بڑی معصومیت سے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا۔

"نہیں...... مجھے بالکل نہیں پتا!"

"مجھ پر یقین نہ آئے تو فائزہ کو قسم دے کر آپ پوچھ سکتے ہیں۔" وہ اپنے لہجے کی سنسنی خیزی کو برقرار رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے اسے یمنیٰ کے میلے کپڑے بھی دھوتے ہوئے دیکھا ہے اور کپڑے بھی کیسے کیسے...... اللہ میری توبہ!" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"میں تو دیکھ کر بس یوں سمجھیں، زمین میں گڑ جاتی ہوں۔ نادرہ خاتون کا جوان بیٹا اور ایسے گندے گندے کام کرے، چھی چھی......! آصف شادی سے پہلے ایسا بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا، چھوٹے بہن بھائیوں سے بھی محبت کرتا تھا لیکن جب سے یہ یمنیٰ ہمارے گھر میں آئی ہے، گھر کا نقشہ ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے، اس کمینی نے میرے بیٹے پر بہت سخت کروایا ہوا ہے......!"

"عاملوں، کاملوں اور ناگی باداؤں کے پاس جانا...... جادو ٹونا کرانا تو یمنیٰ کے خاندان والوں کا وتیرہ ہے وکیل صاحب!" فائزہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "پتا نہیں، بھائی جان کو اس خوب صورت بلا میں کیا نظر آ گیا جو ہم سب کی مخالفت کے باوجود اس سے شادی کر کے ہی چھوڑی۔"

"خوب صورت بلا...... یہ نام اس کی شخصیت پر فٹ نظر آتا ہے۔" نادرہ خاتون نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھنے میں نہایت ہی حسین و جمیل ہے، جب ہی تو آصف اس کا بے دام کا غلام بنا ہوا ہے لیکن اس کے دلکش چہرے کے پیچھے ایک مکروہ چڑیل چھپی ہوئی ہے۔ مجھے تو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ سفاک عورت میرے لال کا کلیجا ہی نکال کر نہ کھا جائے......!" بات ختم کرتے ہی نادرہ نے بڑے خوف زدہ انداز میں ایک جھرجھری لی۔

فائزہ نے جلدی سے کہا۔ "امی! آپ پریشان نہ ہوں ہم بالکل ٹھیک جگہ پر آ گئے ہیں۔ بیگ صاحب ہمارے مسئلے کو چٹکی بجاتے میں حل کر دیں گے۔ یہ ہمیں کوئی ایسا زبردست مشورہ دیں گے کہ سانپ...... ناگن بھی مر جائے گی اور لاٹھی بھی محفوظ رہے گی۔ سلمٰی نے ان کی بہت تعریف کی ہے......!"

"کون سلمٰی......؟" میں نے چونک کر فائزہ کی طرف دیکھا۔

"یونیورسٹی کے زمانے میں سلمٰی میری کلاس فیلو اور اچھی دوست تھی...... بلکہ اچھی دوست ہے۔" اس نے بتایا۔ "ہم دونوں نے ایک ساتھ پچھلے سال ایم ایس سی کیا ہے۔ سلمٰی کے ڈیڈی کو آپ اچھی طرح جانتے ہوں گے بیگ صاحب......" وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی، ایک گہری سانس خارج کی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"سیف اللہ صاحب......وہ انکم ٹیکس آفیسر ہیں۔"

مجھے نام سنتے ہی فوراً یاد آ گیا کہ فائزہ کس شخص کا حوالہ دے رہی ہے۔ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... سیف اللہ سے تو میری کافی گہری دوستی ہے۔"

"سیف انکل آپ کی دوست ہیں اور سلمٰی سے میری دوستی ہے اور اسی سلمٰی نے مجھے آپ کے دفتر کی راہ دکھائی ہے لہٰذا...... آپ کو ہماری پریشانی تو دور کرنا ہی ہوگی!"

"سچی بات تو یہ ہے فائزہ!" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تک میں یہی طے نہیں کر پایا ہوں کہ آپ لوگوں کے اس گھریلو مسئلے کا ایک وکیل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے...... اور جب تک میرے ذہن میں یہ کلیئر نہیں ہوگا، میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔"

فائزہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا، نادرہ خاتون نے کہا۔ "آپ کا ذہن اس وقت کلیئر ہوگا وکیل صاحب، جب آپ میری پوری کہانی ترتیب وار سن لیں گے۔ مجھے یقین ہے، اس کہانی کے دوران ہی میں آپ کا قانونی دماغ ہمارے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال لے گا۔ بس، ہمیں آپ سے کوئی ایسا تیر بہ ہدف مشورہ نما نسخہ چاہیے کہ جس کو آزماتے ہی یمنٰی سے ہمیں نجات مل جائے اور جہاں تک آپ کی فیس کا تعلق ہے......" اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے میری آنکھوں میں دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہم آپ کی پوری فیس ادا کریں گے۔ سیف اللہ کا ریفرنس استعمال کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم فیس میں آپ سے کوئی رعایت چاہتے ہیں!"

"سلمٰی نے مجھے دوٹوک انداز میں بتا دیا تھا۔" فائزہ نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ "کہ فیس کے معاملے میں آپ بہت "سخت" ہیں اور انتہائی قریبی لوگوں سے بھی رعایت کے زیادہ قائل نہیں ہیں۔"

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔'' میں نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، یہ ضرور ہے کہ وکالت میرا پیشہ، میرا ذریعہ معاش ہے اور اس سلسلے میں، میں اس مقولے سے سو فیصد متفق ہوں کہ گھوڑا اگر گھاس سے دوستی کرلے گا تو کیا بھوکا مرے گا.....؟ بہر حال، تھوڑی بہت رعایت کی بات دوسری ہے۔''

''ہم آپ سے تھوڑی بہت رعایت بھی نہیں کرائیں گے۔'' نادرہ خاتون نے کہا۔ ''بس، آپ پوری توجہ سے ایک بار ہماری کہانی سن لیں.....''

اس روز میرے دفتر میں کلائنٹس کا زیادہ رش نہیں تھا۔ میں پچھلے ایک گھنٹے سے بالکل فارغ بیٹھا ہوا تھا لہٰذا نادرہ کی طویل داستان سننے میں مجھے کوئی قباحت نظر نہ آئی اور میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''نادرہ خاتون! میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔ آپ شروع ہو جائیں۔''

اور وہ شروع ہوگئی.....!

اس روز نادرہ خاتون کی زبانی تصویر کا جو ایک رخ مجھے دیکھنے کو ملا، میں اس میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ میرے ساتھ ہی آپ بھی اس کیس کے پیچیدہ پس منظر سے واقف ہو جائیں۔ البتہ اس میں توازن رکھنے کے لیے میں نے تصویر کے دوسرے رخ کی چند جھلکیاں بھی شامل کرلی ہیں جو اس کہانی کی ڈیمانڈ ہے۔

✠ ✠ ✠

نادرہ خاتون اپنی فیملی کے ساتھ، نارتھ ناظم آباد میں چار سو گز کے بنگلے میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر خلیل کچھ ہی عرصہ پہلے ریٹائر ہوا تھا اور اب اس کے روز و شب آرام کرنے میں گزر رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ شام میں، وہ اپنی ہی عمر کے ریٹائرڈ دوستوں سے میل ملاقات کے لیے چلا جاتا تھا۔ اگر گھر میں موجود ہوتا تو سودا سلف لانے کے کام آتا یا پھر اگر دیگر افراد خانہ کسی تقریب وغیرہ میں گئے ہوں تو اسے چوکیداری کے لیے گھر میں چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کارروائی میں گھر والوں سے زیادہ خود اس کی مرضی شامل ہوتی تھی کیونکہ اسے زیادہ ہلا گلا اور شور شرابا پسند نہیں تھا۔ اسے اپنے ہم مزاج اور بہت کم لوگوں میں زندگی گزارنا اچھا لگتا تھا اور جہاں تک عادات و مزاج کا تعلق ہے..... تو اس کی صرف آصف کے ساتھ بنتی تھی یا پھر یمنیٰ کے آجانے کے بعد وہ اسی کے ساتھ گھل مل گیا تھا اور خلیل کا یہی عمل نادرہ خاتون کے لیے جان کا عذاب بنا ہوا تھا۔ اس نے ایک معروف بینک میں اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد ریٹائرمنٹ لی تھی اور یہ بھی

سننے میں آیا تھا کہ خلیل کی اپنی بیوی یعنی نادرہ خاتون سے کبھی بھی نہیں بنی تھی۔ یہ الگ بات کہ فطری اور جبلی ضروریات کے سامنے وہ گاہے بہ گاہے مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی ایسی ہی ''مجبوری اور بے بسی'' کا جیتا جاگتا ثبوت آصف، فائزہ اور عمران کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ خلیل بنیادی طور پر ایک صلح جو اور امن پسند انسان تھا۔

چند کرداروں کا تفصیلی تعارف اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ ان کی نفسیات اور عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف ہو جائیں تا کہ یہ داستان پڑھنے کے دوران میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو اور آپ بھرپور استفادہ کرتے ہوئے تحریر کا اصل لطف اٹھا سکیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا مزہ کرکرا نہ ہو۔

نادرہ خاتون جیسا کہ آپ نے محسوس کر لیا ہوگا، بڑی تنک مزاج اور پھڈے باز قسم کی عورت تھی۔ وہ ساس کس درجے کی ہوگی، اس کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اسے خود کو چھوٹا یعنی خود کو کم عمر ثابت کرنے کا بھی خبط تھا۔ وہ بعض اوقات بڑے دھڑلے سے، اپنے سے کم عمر خواتین و حضرات کو بھی آنٹی، انکل کہہ دیا کرتی تھی۔ اس کے اسٹائل کے پیش نظر میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے ذوق وشوق کی تسکین کے لیے مجھے ادب سے ''امجد انکل'' نہیں کہہ دیا تھا۔

فائزہ کی عمر لگ بھگ پچیس سال تھی۔ اس نے حال ہی میں ایم ایس سی کیا تھا اور وہ بھی میتھ میں۔ عموماً لڑکیاں اس مضمون میں ماسٹرز کرنے سے گھبراتی ہیں۔ فائزہ کے ''کارنامے'' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیلنج قبول کرنے والی ایک نڈر لڑکی تھی لیکن دوسری جانب اس کی بے بسی اور جھنجلاہٹ کو دیکھتے ہوئے فی الحال تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ یمنیٰ کی شکل میں اسے میتھ سے بھی زیادہ مشکل اور ٹیڑھی بھابی ملی تھی۔ فائزہ ایک پستہ قامت، گوری چٹی اور خوب صورت لڑکی تھی۔

عمران کی عمر کم و بیش بائیس سال تھی۔ وہ بی ایس سی کر رہا تھا۔ وہ دبلا پتلا اور دراز قامت نوجوان تھا۔ مزاجاً عادتاً اسے کھلنڈرا اور لاابالی کہا جا سکتا تھا۔ اسے گھر کے معاملات سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی کیونکہ اس کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر کالج، کوچنگ، پلے گراؤنڈ اور دوستوں میں گزرتا تھا تاہم نہایت ہی غیر محسوس انداز میں نادرہ اور فائزہ نے، یمنیٰ کے خلاف اسے اپنا ہم خیال بنا رکھا تھا۔ عمران اوپنر بیٹسمین کی حیثیت سے بہت اچھی کرکٹ کھیلتا تھا۔

نادرہ کے بڑے بیٹے یعنی آصف نے ایم بی اے کر رکھا تھا اور ایک کیمیکل فرم میں وہ

مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ تھا۔ وہاں سے اسے خاصی ہینڈسم سیلری ملتی تھی۔ اس زمانے میں، آج کل کی طرح ایم بی اے کی ڈگری کی اتنی مٹی پلید نہیں ہوئی تھی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ آج کل کی طرح اس زمانے میں ہر تیسرا نوجوان ایم بی اے نہیں ہوا کرتا تھا۔ ہماری پریشانیوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم "بھیڑ چال" سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ دوسروں کی اندھی تقلید کا ایک رواج سا بن گیا ہے۔ کوئی ڈاکٹر بن گیا تو بس، اس کی دیکھا دیکھی اب سب ایم بی بی ایس کو اپنی معراج سمجھ رہے ہیں۔ یہی حال زندگی کے دیگر پیشہ ورانہ شعبوں کا بھی ہے۔

آصف کی آمدنی سے سارا گھر چل رہا تھا۔ خلیل کو ریٹائرمنٹ کے وقت جو کچھ ملا وہ ایک شاندار گھر کی تعمیر پر خرچ ہو گیا یا پھر ایک عدد کار خرید لی گئی جو زیادہ تر آصف کے استعمال میں رہتی تھی جس کی متعدد وجوہ تھیں۔ نمبر ایک، افراد خانہ میں سے صرف اس کو ڈرائیونگ آتی تھی۔ نمبر دو، یہ گاڑی خلیل احمد کی رقم سے خریدی گئی تھی اور آصف اس کا منظور نظر تھا۔ نمبر تین، گاڑی اس کی ضرورت بھی تھی کیونکہ وہ پورے گھر کی کفالت کر رہا تھا اور اس کی جاب کا تقاضا تھا کہ اس کے پاس کار ہو..... وغیرہ وغیرہ!

یہ ایک عام اور سیدھی سی بات ہے کہ جب مذکورہ کار زیادہ تر آصف کے استعمال میں رہتی تھی تو اس کی بیوی یمنیٰ کو دوسروں کی بہ نسبت گاڑی کی سواری کا زیادہ موقع ملتا تھا اور یہ بات نادرہ اور فائزہ کے دل پر بجلی بن کر گرتی تھی۔ اسی حسد اور جلاپے میں وہ دونوں ان دنوں ایک ڈرائیونگ اسکول سے ڈرائیونگ کا کورس کر رہی تھیں۔ عمران کے تصرف میں ایک بائیک رہتی تھی لہٰذا گاڑی اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ وہی بائیک تھی جو گاڑی گھر میں آنے سے پہلے آصف کے استعمال میں رہا کرتی تھی۔ عمران اس بائیک کے ساتھ خوش تھا۔

یمنیٰ اور آصف کی شادی کو کم و بیش ایک سال ہو گیا تھا اور یہ شادی بھی بڑی مشکلوں سے گزرنے کے بعد ہو پائی تھی اور جب سے ہوئی تھی، اس نے اپنے علاوہ گھر کے دیگر افراد کو بھی مشکلات میں ڈال رکھا تھا۔ اسی شادی کے سبب گھر کا امن و سکون تباہ و برباد ہو کر رہ گیا تھا۔ قصور چاہے کسی کا بھی ہو، البتہ وہ گھر نمونہ جہنم بن چکا تھا۔

یمنیٰ سے آصف کی پہلی ملاقات یمنیٰ ہی کے گھر میں ہوئی تھی۔ یمنیٰ اور فوزیہ صرف دو بہنیں تھیں اور فوزیہ یونیورسٹی میں آصف کی کلاس فیلو رہی تھی۔ نہ صرف کلاس فیلو بلکہ ان کے درمیان سنجیدہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بڑی شدت سے چاہنے لگے تھے۔

چنانچہ آصف کبھی کبھی فوزیہ کے گھر بھی اس سے ملنے چلا جایا کرتا تھا۔ان ملاقاتوں میں آصف کو اس لیے بھی بڑی آسانیاں میسر تھیں کہ فوزیہ اور یمنیٰ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کا والد عبدالواحد زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ان لوگوں کی رہائش گارڈن ویسٹ کی ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ میں تھی۔یہ ایک تین کمروں کا کشادہ فلیٹ تھا۔عبدالواحد کا واٹر ٹینکر کا بزنس تھا۔وہ صبح کا گیا رات ہی کو واپس لوٹتا تھا۔اس دوران میں فوزیہ اور یمنیٰ کے سوا گھر میں کوئی اور فرد موجود نہیں ہوتا تھا اور یمنیٰ .....اپنی باجی اور اس کے محبوب یعنی آصف کی ملاقاتوں کے لیے اپنا بھرپور تعاون پیش کرتی تھی .....اسی تعاون کے دوران میں، بڑے غیر محسوس طور پر اسے آصف سے محبت ہو گئی تاہم آصف کی چاہت کو اس نے ہمیشہ اپنے سینے میں چھپا کر رکھا تا کہ اس کی باجی فوزیہ کو برا نہ لگے پھر جب فوزیہ کی شادی عاصم سے ہو گئی تو یمنیٰ کی محبت کو جیسے کسی کال کوٹھری میں نکل کر سرپٹ دوڑنے کا موقع مل گیا تھا۔

فوزیہ کی شادی بھی بڑے ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے، عبدالواحد ایک کاروباری آدمی تھا اور کاروباری آدمی عموماً کاروباری نظر ہی سے ہر معاملے کو دیکھتا ہے۔اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی بڑی صاحبزادی نہ صرف یہ کہ کسی نوجوان کے عشق میں مبتلا ہے بلکہ چھوٹی صاحب زادی کے تعاون سے ان کی ملاقاتیں بھی جاری ہیں۔عبدالواحد کو اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق عاصم کی شکل میں ایک اچھا رشتہ نظر آیا اور اس نے فوزیہ کی شادی کی تیاری شروع کر دی۔اتفاق سے ان دنوں فوزیہ اور آصف میں شدید قسم کا جھگڑا چل رہا تھا۔وجہ اس تنازع کی کیا تھی، یہ یمنیٰ بھی نہیں جانتی تھی۔فوزیہ نے بڑے واضح الفاظ میں یمنیٰ کو باور کرا دیا تھا کہ وہ آصف سے ہر تعلق توڑ چکی ہے لہٰذا وہ بھی نہ تو آصف سے رابطہ کرے اور نہ ہی اسے فوزیہ اور عاصم کی شادی کے بارے میں بتائے۔یمنیٰ نے اپنی باجی کی بات ماننے کا وعدہ کر لیا۔

یمنیٰ اپنے طور پر محسوس کرتی تھی کہ اس سارے معاملے میں آصف کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، شاید اس کی یہ سوچ اس وجہ سے ہو کہ وہ آصف کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی۔ایسے معاملات میں انسان کی سوچ اس قسم کی ہو ہی جایا کرتی تھی۔

عاصم کی رہائش گارڈن ایسٹ میں تھی اور وہ گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا تھا یعنی استعمال شدہ گاڑیوں کی سیل پرچیز۔اس نے باقاعدہ کوئی شوروم وغیرہ نہیں بنا رکھا تھا بلکہ یہ کام وہ

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کرتا رہتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنے علاقے ہی میں موجود ایک ڈرائیونگ ٹریننگ سینٹر بھی چلا رہا تھا۔ عاصم ان کی اپنی کمیونٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ شاید میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا کہ یمنیٰ اس مخصوص کمیونٹی سے تعلق رکھتی تھی، جہاں لوگ عموماً اپنا بزنس کرنا ہی ٹھیک سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں ملازمت وغیرہ کا رجحان نہیں ہوتا اور شادیاں بھی زیادہ تر یہ لوگ اپنی کمیونٹی ہی میں کرتے ہیں لیکن یہ کوئی شرط یا فارمولا نہیں۔ وہ خود مسلمان ہیں اور کسی بھی مسلمان جماعت میں شادی ممنوع نہیں سمجھتے۔

قصہ مختصر یوں سمجھیں کہ عبدالواحد نے پتا نہیں، فوزیہ کو کیا پٹی پڑھائی کہ وہ بلا چوں و چرا اس شادی کے لیے رضامند ہوگئی.....اور پھر یہ شادی ہو بھی گئی۔

اس شادی سے ڈیڑھ، دو ماہ پہلے آصف نے ان کے گھر آنا جانا بند کر دیا تا۔ وہ کیا، اب تو اس کا فون بھی کبھی نہیں آیا تھا۔ یمنیٰ کا تو بہت دل چاہتا تھا کہ آصف سے رابطے کا کوئی وسیلہ پیدا ہو۔ اس کے پاس آصف کے آفس اور گھر کا نمبر موجود تھا لیکن وہ فوزیہ کی جانب سے عائد پابندی کے باعث دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔ وہ اپنی باجی کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی اگرچہ ان کی عمروں میں دو، تین سال سے زیادہ کا فرق نہیں تھا لیکن چونکہ وہ دونوں والدہ جیسی ٹھنڈی چھاؤں سے محروم تھیں لہٰذا وہ ایک دوسرے کو اپنا سہارا، اپنا نگہبان سمجھتی تھیں۔ یمنیٰ فوزیہ کا بے حد احترام کرتی تھی۔

فوزیہ کی شادی کو تین ماہ گزر گئے تو ایک دن یمنیٰ کے دل میں، آصف سے رابطہ کرنے کی خواہش جاگی۔ اسے فوزیہ کی ہدایت تو یاد تھی لیکن اس نے سوچا، محض بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ آصف اور فوزیہ میں تو اب کوئی تعلق واسطہ نہیں رہا لہٰذا فوزیہ کو بالکل پتا نہیں چل سکے گا کہ اس نے آصف کو فون کیا تھا۔ یمنیٰ دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی۔

وہ دن کا وقت تھا لہٰذا اس نے آصف کے آفس کا نمبر آزمایا۔ تیسری گھنٹی پر دوسری جانب فون ریسیو کر لیا گیا، اگلے ہی لمحے اس کی سماعت سے آصف کی مخصوص آواز ٹکرائی۔

''ہیلو.....!''

ایک لمحے کے لیے وہ سناٹے میں رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس ''ہیلو'' کے جواب میں کیا کہے۔ وہ شش و پنج میں مبتلا ہی تھی کہ آصف نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اللہ کے فضل سے میری یادداشت بڑی طاقتور ہے اور ٹیلی فون نمبر تو مجھے گویا حفظ ہو جاتے ہیں۔ یہ فون عبدالواحد صاحب واٹرٹینکر والے کے گھر سے کیا جا رہا ہے۔ اگر اگلے تین سیکنڈ میں فون

کرنے والے نے اپنا تعارف نہ کرایا تو میں یہ سمجھتے ہوئے ریسیور رکھ دوں گا کہ دوسری جانب فوزیہ ہے کیونکہ..... مجھے کسی بھی صورت میں اور کسی بھی قیمت پر فوزیہ سے بات نہیں کرنی۔''

آصف کا لہجہ ایسا اٹل اور قطعی تھا کہ یمنیٰ نے تین سیکنڈ کا بھی انتظار نہ کیا اور اضطراری انداز میں بولی۔

''یہ میں ہوں..... یمنیٰ!''

''اوہ یمنیٰ.....!'' آصف ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

یمنیٰ نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا۔ ''اب تو فون بند نہیں کرو گے نا.....؟''

''نن..... نہیں!'' وہ متاملانہ انداز میں بولا پھر پوچھا۔ ''کہو یمنیٰ کیسے فون کیا..... اتنے عرصے کے بعد میری یاد کیسے آ گئی.....؟''

اس کے من میں تو آئی کہ کہہ دے..... ''آصف! تمہاری یاد دل سے گئی کب تھی؟'' لیکن وہ اپنی زبان سے ان الفاظ کو ادا نہ کر سکی اور سرسری انداز میں بولی۔

''بس..... ایسے ہی۔ کیا تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

''آن..... یہ بات نہیں۔'' وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

''پھر..... پھر کیا بات ہے؟'' وہ ہمت کر کے مستفسر ہوئی۔

''دراصل.....'' وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جس گھر سے تعلق ختم ہو گیا ہو وہاں سے کوئی فون کرے تو بڑا عجیب سا لگتا ہے..... بالکل ناقابل یقین.....!''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا تعلق باجی کے علاوہ پورے گھر سے ہی تھا۔'' یمنیٰ نے مضبوط لہجے میں پوچھا۔ ''اور تمہارا جھگڑا بھی صرف باجی سے نہیں پورے گھر سے ہوا.....؟''

''تم کبھی کبھی بہت مشکل باتیں کرنے لگتی ہو۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔ ''جھگڑا تو صرف تمہاری باجی سے ہوا تھا اور وہ بھی ایسا کہ میں ساری زندگی اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔''

''تمہیں پتا ہے، باجی کی شادی ہو گئی ہے.....!'' یمنیٰ نے اپنی دانست میں بہت بڑا انکشاف کیا تھا۔

آصف کے جواب نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ ''ہاں، مجھے پتا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اس کی شادی کب، کہاں اور کس کے ساتھ ہوئی ہے، مجھے ایک ایک تفصیل معلوم ہے اور..... یہ بھی کہ اس کا اپنے شوہر عاصم سے پہلا باقاعدہ پھڈا بھی ہو چکا ہے..... چند دن پہلے جب وہ

ناراض ہو کر واپس آ گئی تھی۔"

"اوہ..... تم نے باجی پر کتنی گہری نظر رکھی ہوئی ہے۔" وہ حیرت بھرے لہجے میں بولی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا.....!"

"کس بات کا یقین نہیں آ رہا؟" آصف نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اس بات کا کہ فوزیہ کا اپنے شوہر سے جھگڑا نہیں ہوا یا اس بات کا کہ میں نے فوزیہ پر گہری نظر رکھی ہوئی ہے.....؟"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے کہ ان دونوں میں شدید قسم کا جھگڑا ہوا ہے۔" وہ معتدل انداز میں بولی۔ "مجھے حیرت تمہاری معلومات پر ہے۔ تم لوگوں نے تو ایک دوسرے سے تعلقات ختم کر لیے تھے نا؟"

"تعلقات تو ختم ہی ہیں جو کبھی بحال نہیں ہو سکتے!" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "فوزیہ نے مجھے جو زخم دیا ہے وہ اتنی آسانی سے بھرنے والا نہیں بہرحال....." وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں صرف دوستوں پر ہی نہیں، دشمنوں پر بھی گہری نگاہ رکھتا ہوں!"

"زخم دینے" والی بات نے یمنیٰ کو بری طرح چونکا دیا تھا۔ وہ فوزیہ کے ایسے کسی عمل سے واقف نہیں تھی، جسے آصف کے لیے زخم دینے والا کہا جا سکے۔ اس انکشاف نے اس کے رگ و پے میں تشویش دوڑا دی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ آصف سے مزید باتیں کرے۔

"کیا میں مزید چند منٹ تم سے بات کر سکتی ہوں۔" یمنیٰ نے آصف سے پوچھا۔"

تم بہت زیادہ مصروف تو نہیں ہو نا؟"

"نہیں..... میں اس وقت بالکل فری ہوں۔" وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"تم سے باتیں ہو سکتی ہیں، صرف یہ خیال رہے کہ وہ باتیں میرے زخموں پر نمک کا کردار ادا نہ کریں.....؟"

"نہیں..... ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" یمنیٰ نے بڑے وثوق سے کہا۔ "آصف! یقین کرو، مجھے بالکل معلوم نہیں کہ تم دونوں کے بیچ بگاڑ کا سبب کیا تھا۔ میں صرف اپنا ذہن صاف کرنا چاہتی ہوں۔ بتاؤ، وہ کون سا سنگین معاملہ تھا جس نے تم دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے اتنی شدید نفرت بھر دی تھی؟"

''کیا تم واقعی کچھ نہیں جانتی ہو؟'' آصف نے متاملانہ لہجے میں پوچھا۔

''بالکل نہیں!'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''چاہو تو قسم لے لو.....!''

''قسم کی ضرورت نہیں.....!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اگر واقعی تم کچھ نہیں جانتی ہو تو تمہیں ضرور جاننا چاہیے۔ میرے خیال میں تمہیں حقیقت کا علم ہونا چاہیے۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے احتیاطاً پوچھ لیا۔

''کیا فوزیہ نے تمہیں، ہمارے جھگڑے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ آصف سے اب اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ میں بھی کبھی آصف.....یعنی تم سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کروں۔''

''تو گویا تم مجھے فون کر کے اپنی باجی کی حکم عدولی کر رہی ہو.....؟''

''اب جو بھی ہو۔'' وہ سرسری انداز میں بولی۔ ''تم مجھے کسی ایسے واقعے کے بارے میں بتانے والے تھے جو تم دونوں کے جھگڑے کا سبب بنا تھا.....؟''

''آج کل انکل واحد کتنے بجے گھر آ رہے ہیں؟'' آصف نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ اس غیر متوقع سوال پر چونک اٹھی، بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ ''کیوں، تم یہ بات کس لیے پوچھ رہے ہو؟''

''بس.....ایسے ہی۔'' وہ بات کو گول کرتے ہوئے بولا۔

''وہ آٹھ بجے کے بعد.....''

وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اور اس وقت ابھی تین بجے ہیں.....اس کا مطلب ہے، ابھی انکل واحد کے آنے میں اچھا خاصا وقت پڑا ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

''کیا آج کل فوزیہ تو رہنے کے لیے نہیں آئی ہوئی.....؟''

''نہیں!'' وہ جلدی سے بولی پھر پوچھا۔ ''آصف! تم اتنے پراسرار انداز میں یہ سوالات کیوں کر رہے ہو.....خیریت تو ہے نا؟''

''بالکل خیریت ہے۔'' وہ بڑی رسان سے بولا۔ ''تم ایک اچھی لڑکی ہو یمنیٰ!''

''میں ایک اچھی لڑکی ہوں۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔ ''پھر.....؟''

''پھر یہ کہ.....میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، آج ہی.....!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''تم

گھر سے تھوڑی دیر کے لیے نکل سکتی ہو یا میں گھر پر آ جاؤں؟ میں کسی وقت بھی آفس سے اٹھ سکتا ہوں۔''

''آ.....آں.....!'' وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے، آصف نے کریدنے والے انداز میں پوچھ لیا۔

''کیا مجھ سے ملاقات میں کوئی قباحت ہے؟''

''نن.....نہیں!'' وہ جلدی سے بولی۔ ''ایسی بات نہیں.....''

''ایسی بات نہیں تو.....'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''پھر ہماری ملاقات کہاں ہو رہی ہے۔ تمہارے گھر میں یا.....گھر سے باہر کسی ریسٹورنٹ میں، کسی آئس کریم پارلر میں.....؟''

''آئس کریم پارلر زیادہ مناسب رہے گا!'' اس نے ہمت کر کے بے دھڑک کہہ دیا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ دونوں ایک ٹھنڈے ٹھار آئس کریم پارلر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد آصف نے کہا۔ ''ایک بات کا خیال رکھنا یمنیٰ، ہماری اس ملاقات کا تمہاری باجی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔ میرے لیے تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن تمہارے لیے کوئی مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔''

''میں خود بھی یہی چاہتی ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ایک باجی فوزیہ ہی نہیں بلکہ ہماری ملاقات کی کسی کو بھی خبر نہیں ہونا چاہیے۔''

''میری جانب سے تو تم بالکل مطمئن رہو۔'' وہ چٹانی لہجے میں بولا۔

یمنیٰ نے ایک پرسکون سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''دوسری باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ پہلے تم مجھے جھگڑے والی بات کے بارے میں بتاؤ.....؟''

''تم سنو گی تو یقین نہیں آئے گا کہ تمہاری باجی جان نے مجھے کتنی گہری چوٹ دی ہے۔'' وہ یمنیٰ کی آنکھوں میں بہت دور تک دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس بات کا فیصلہ تو میں تمہاری بات سننے کے بعد ہی کر سکوں گی!''

''کیا تم یہی سمجھتی ہو کہ میرے اور فوزیہ کے بیچ کوئی سنجیدہ تعلق تھا؟''

''ہاں، بالکل.....تم دونوں ایک دوسرے کو بڑی شدت سے چاہتے تھے۔''

''میں بھی ایک عرصے تک ایسا ہی سمجھتا تھا.....'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اور میں اس لیے ایسا سمجھ رہا تھا کہ میری محبت اور میری چاہت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔''

''تو کیا تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ باجی فوزیہ محبت کے معاملے میں سنجیدہ نہیں تھیں؟'' وہ آصف کو عجیب سی نظر سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں، یہی حقیقت ہے!'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔

''پتا نہیں، تم کیا کہہ رہے ہو۔'' یمنیٰ کی الجھن میں اضافہ ہو گیا۔ ''میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا آصف.....؟''

''سچی بات تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں بلکہ کھلواڑ کر رہی تھی۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں جسے محبت سمجھ رہا تھا وہ فوزیہ کی نظر میں ایک ڈرامائی کھیل تھا..... شرط جیتنے کی کوشش.....!''

''شرط..... کیسی شرط؟'' یمنیٰ کی الجھن میں حیرت بھی شامل ہو گئی۔

''فوزیہ نے سرمد سے شرط لگا رکھی تھی کہ وہ مجھے اُلو بنا کر دکھا سکتی ہے۔'' آصف نے گمبھیر لہجے میں بتایا۔ ''سرمد میرا یعنی ہمارا کلاس فیلو تھا۔ وہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ عجیب چھچھوری اور کمینی حرکتیں تھیں اس کی۔ ہم دونوں میں اکثر بحث و تکرار ہوتی رہتی تھی۔ میں اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اور اکثر و بیشتر اپنی رائے کا اظہار بھی کرتا رہتا تھا لہٰذا سرمد نے مجھے اذیت پہنچانے کے لیے فوزیہ کو استعمال کیا۔ وہ مجھ سے محبت کا ناٹک کرتی رہی اور میں اس کی ہر ادا کو محبت سمجھتا رہا..... اور یہی میری بے وقوفی تھی۔ افسوس..... میں محبت کی بازی ہار گیا یمنیٰ اور..... یہ سب کچھ تمہاری باجی فوزیہ کا کیا دھرا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ.....'' وہ سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''بتاؤ فوزیہ کے اس کردار کے بعد میں اس سے نفرت کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں؟''

''آصف! تم نے جو کہانی سنائی ہے وہ واقعی بڑی افسوس ناک ہے۔'' یمنیٰ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن کیا تم نے اس امر کی تصدیق کر لی تھی کہ اس سارے کھیل میں باجی قصوروار ہے۔ وہ سرمد کے ساتھ مل کر تمہیں بے وقوف بنا رہی تھی.....!''

''ہمارے تعلقات کے اختتام پر جب ایک روز سرمد نے مجھے فون کر کے حقیقت حال سے آگاہ کیا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ میں نے یہی سوچا کہ وہ میرا بدخواہ ہے لہٰذا یہ اس کی چال بھی ہو سکتی ہے۔'' آصف وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس سے کہا کہ وہ جو کچھ بھی بکواس کر رہا ہے

اس کا ثبوت ہے اس کے پاس.....؟ جانتی ہو، اس نے کیا جواب دیا....

''نہیں جانتی.....!'' یمنیٰ نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اس نے کہا کہ سب سے بڑا ثبوت تو خود فوزیہ ہے۔'' آصف اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میں چاہوں تو وہ تصدیق کے لیے فوزیہ سے میرا سامنا کرا سکتا ہے۔ میں نے نفرت سے کہا کہ میں اس ذلیل لڑکی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس پر وہ بولا کہ ٹھیک ہے، چلو شکل نہ دیکھو۔ فون پر ہی بات کر لو تا کہ تمہاری تسلی ہو جائے کہ فوزیہ نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ ایک فل ٹائم ڈراما تھا۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی لڑکی تم سے محبت کرے۔ زیادہ گلفام بننے والے تم جیسے اُلّو کے پٹھوں کا یہی انجام ہوتا ہے.....!''

''ذرا سوچو یمنیٰ!'' وہ اپنے دل کے پھپھولوں پر ٹھنڈی آئس کریم کا پھایا ''رکھتے'' ہوئے بولا۔ ''اس قسم کی باتیں اور..... وہ بھی سرمد کی زبانی سن کر میرا کیا حال ہوا ہوگا.....؟''

''میں تمہاری اذیت کو سمجھ سکتی ہوں آصف۔'' وہ ہمدردانہ نظر سے آصف کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''لیکن میں پھر یہی جاننا چاہوں گی کہ کیا تم نے باجی سے اس بات کی تصدیق کی کہ اس نے ایسا کیوں کیا.....؟''

''اس نے ایسا کیوں کیا..... اس سے مجھے کوئی مطلب ہے اور نہ ہی میں اس تحقیق میں پڑنا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''البتہ، میں نے اتمام حجت کے طور پر سرمد کی بات کی تصدیق ضروری جانی اور تمہاری باجی سے فون پر بات کرنے کی ہامی بھر لی۔ میری بات کے جواب میں سرمد نے جانتی ہو، کیا کہا تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم..... تم بتاؤ؟'' وہ سوالیہ نظر سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس نے بڑے فخر سے کہا تھا.....'' آصف نے بتایا۔ ''لو، کر لو بات..... فوزیہ اس وقت میرے پاس ہی بیٹھی ہوئی ہے۔''

''تو پھر تم نے فوزیہ سے بات کی؟'' یمنیٰ نے پوچھا۔

''بات کی تھی تو اس نتیجے پر پہنچا تھا نا.....!'' وہ جگر پاش نظر سے یمنیٰ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں کوئی اُلّو کا پٹھا نہیں ہوں کہ سرمد کی بات کا یقین کر کے فوزیہ کو غلط سمجھ لیتا۔ فوزیہ نے جب اقرار کیا کہ محبت کی وہ کہانی محض ایک ناٹک تھا تو مجھے یقین آ گیا کہ فوزیہ ایک گھٹیا، کمینی اور کم ظرف لڑکی ہے اور..... ایسی لڑکی سے صرف نفرت ہی کی جا سکتی ہے۔''

''آصف! ایسا نہیں ہے کہ مجھے تمہاری بات کا اعتبار نہ ہو۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔
''تم پر جو بیتی ہے وہی تم بیان کر رہے ہو لیکن میں ایک نکتے کو بالکل نہیں سمجھ پائی ہوں۔''
''کون سا نکتہ؟'' آصف الجھن زدہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔
''یہی کہ باجی نے آخر ایسی حرکت کیوں کی؟''
''تمہاری باجی کی، اس حرکت کا ایک سبب ہے یمنیٰ.....!''
''کیا سبب؟''
''کیا تم نے سرمد کو دیکھا ہے؟''
''نہیں۔'' یمنیٰ نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''صرف نام سنا ہے اور وہ بھی تمہاری زبانی..... ابھی۔''
''وہ بنا بنایا یونانی دیوتا ہے۔'' آصف صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''دراز قامت، چوڑے شانے، باڈی بلڈرز جیسے بازو اور سینہ، نیلی آنکھیں، گھنگھریالے بال..... الغرض، اس میں وہ ہر خصوصیت موجود ہے جس کا کوئی لڑکی خواب دیکھ سکتی ہے۔ علاوہ ازیں صاحب ثروت ہونے کے باعث وہ خوش لباس بھی ہے۔ یونیورسٹی کے زمانے میں ہر لڑکی اس کی دیوانی تھی لیکن وہ دوستیاں سب سے کرتا تھا مگر کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے اس نے تمہاری باجی کو استعمال کر لیا۔'' وہ لمحے بھر کے لیے تھما، ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔
''دوسری لڑکیوں کی طرح ظاہر ہے، فوزیہ بھی سرمد میں دلچسپی رکھتی تھی۔ جب سرمد نے مجھے ذلیل کرنے کے لیے فوزیہ پر ہاتھ رکھا تو وہ یہی سمجھی کہ سرمد اس کے ساتھ سنجیدہ ہے۔ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرنے لگی لیکن پھر اس کا خواب چکنا چور ہو گیا.....''
''خواب چکنا چور ہو گیا..... کیا مطلب؟'' یمنیٰ نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔
''جس روز سرمد نے فوزیہ سے ٹیلی فون پر میری بات کرائی تھی، وہ دن ان کی دوستی کا آخری دن تھا۔'' آصف وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ 'سرمد کا کام نکل گیا تو وہ رفتہ رفتہ فوزیہ سے جان چھڑانے لگا پھر چند روز بعد ہی فوزیہ کو بڑی شدت سے یہ احساس ہوا کہ سرمد نے اسے کسی ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا ہے۔ ظاہر ہے، اس واقعے نے اس کے دل و دماغ کو بری طرح متاثر کیا ہوگا۔ وہ تنہائی میں چھپ چھپ کر روئی بھی ہوگی۔ اس نے میرے ساتھ جو

سلوک کیا تھا اس کے بعد واپسی کا..... تو کوئی راستہ بچا نہیں تھا۔ لہٰذا جب تمہارے ابو نے ایک ٹرک ڈرائیور کا رشتہ لگایا تو فوزیہ نے مین میخ نکالنے کے بجائے فوراً بسم اللہ کہا.....!''

آصف نے اپنی بات مکمل کی تو یمنیٰ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ ''ٹرک ڈرائیور..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں عاصم کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ سرسری انداز میں بولا۔ ''تمہارے بہنوئی صاحب!''

''لیکن عاصم تو کوئی ٹرک نہیں چلاتا۔'' اس کی حیرت دوچند ہوگئی۔ ''تم نے اسے ٹرک ڈرائیور کیوں کہا.....؟''

''ارے بابا..... میں جانتا ہوں، وہ پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک ڈرائیونگ سکول بھی چلاتا ہے۔'' آصف نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن سرمد کے مقابلے میں تو وہ ایک ٹرک ڈرائیور ہی ہوا نا..... میں وجاہت اور رکھ رکھاؤ کی بات کر رہا ہوں، ویسے ایک بات ہے.....'' وہ بڑے ڈرامائی انداز میں متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''فوزیہ تھی اسی لائق کہ اسے عاصم جیسا شوہر ملے۔ جو لات جوتا بھی کرے اور سسرال کے مال پر بھی دانت تیز کرتا رہے۔''

''تم ایک کے بعد ایک انکشاف کر رہے ہو آصف۔'' یمنیٰ نے بے چین لہجے میں کہا۔ ''یہ سسرال کے مال پر دانت تیز کرنے کا کیا معاملہ ہے؟''

''میرا ایک دوست ہے، کریم.....!'' آصف نے بتایا۔ ''وہ بھی تم لوگوں کی کمیونٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ میں نے کریم کے ذریعے عاصم کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی ہیں۔ کریم کے مطابق عاصم ایک لالچی اور چالباز قسم کا شخص ہے اور سامنے والے کو اپنے شیشے میں اتارنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ تمہارے ابو چونکہ اس پر اندھا اعتماد کرتے ہیں لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ وہ اندھیرے میں رہ کر کوئی بہت بڑا دھوکا نہ کھا لیں.....!''

''یہ بات تو میرے تجربے میں بھی آ چکی ہے کہ عاصم خود غرض اور لالچی ہے۔ وہ اجڈ اور جنگلی بھی ہے۔ باجی کے ساتھ وہ بعض اوقات جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتا ہے لیکن.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی پھر متذبذب لہجے میں بولی۔

''وہ ابو کو کون سا نقصان پہنچانے والا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی.....!''

''بہت جلد سمجھ میں آ جائے گی۔ ابھی میں بھی اس سلسلے میں تمہاری طرح خالی الذہن ہوں

لیکن.....'' وہ پرسوچ انداز میں لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''انشاءاللہ! اگلی ملاقات میں تمہیں تفصیل سے آگاہ کروں گا۔ میں نے کریم کو اس معاملے کی ٹوہ کے لیے لگایا ہوا ہے۔ اس نے ابھی صرف اتنا بتایا ہے کہ کسی پلاٹ وغیرہ کا چکر ہے.....!''

''پلاٹ کا چکر.....!'' یمنیٰ نے بھویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

''تم ابھی سے خود کو سوچ میں مت ڈالو یمنیٰ!'' وہ تھوڑا آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''تمہارے خوب صورت چہرے پر فکر کی لکیریں اچھی نہیں لگتیں.....''

وہ آصف کی نظر کی تاب نہ لاتے ہوئے جز بز ہو کر رہ گئی۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں نے کریم کو اس مشن پر لگا رکھا ہے نا۔ وہ بہت جلد مجھے خبر دے گا اور پھر میں تمہیں بتا دوں گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔''

یمنیٰ کو اپنی باجی سے بہت محبت تھی۔ فوزیہ کے حوالے سے آصف کی باتوں نے اسے تکلیف پہنچائی تھی لیکن وہ چونکہ حقیقت بیانی کر رہا تھا لہٰذا اس نے برا ماننے کی کوشش نہیں کی۔ اسے یہ سب سن کر آصف سے دلی ہمدردی ہو گئی تھی۔ اس بے چارے کے ساتھ واقعی بڑی زیادتی بلکہ ظلم ہوا تھا۔ وہ اپنی دل میں آصف کو چاہنے لگی تھی۔ محبت، چاہت اور ہمدردی نے مل کر ایسا جادو چلایا کہ وہ دل و جان سے آصف کی ہو گئی۔ آج اس نے آصف کی آنکھوں میں بھی اپنے لیے چاہت کے جذبات دیکھ لیے تھے۔ اسے بڑی شدت سے احساس ہونے لگا کہ وقت، محبت کی کوئی اور داستان رقم کرنے جا رہا ہے۔''

آئندہ ملاقات میں آصف نے یمنیٰ کے سامنے عاصم کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔ یہ ملاقات ان کے باہمی اعتماد اور محبت کے لیے وہائٹ سیمنٹ اور پلاسٹر آف پیرس کا ملاپ ثابت ہوئی تھی اور انہیں اپنی اپنی جگہ بڑی شدت سے یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اس وقت وہ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

رسمی کلمات کے بعد آصف نے پوچھا۔ ''میں نے تمہیں اپنے دوست کریم کے بارے میں بتایا تھا نا..... جو گارڈن ایسٹ کے علاقے میں باربی کیو کا ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتا ہے.....؟''

''ہاں، مجھے یاد ہے۔'' یمنیٰ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اور کریم کے ساتھ ہی کسی پلاٹ وغیرہ کا بھی ذکر آیا تھا.....!''

''میں نے کریم کے ذریعے پلاٹ اور عاصم کی کہانی معلوم کر لی ہے۔'' آصف نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''تمہاری باجی اور عاصم میں جو جھگڑا ہوا تھا نا، اس کے پیچھے بھی یہی پلاٹ کار فرما تھا۔ عاصم نے بہت دور تک پلاننگ کر رکھی ہے۔''

''لیکن یہ پلاٹ کا کیا چکر ہے؟'' یمنیٰ نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے یقین ہے کہ تمہارے علم میں یہ بات ہوگی اور اگر تمہیں اس بارے میں کچھ پتا نہیں تو تمہیں جاننے کی کوشش کرنا چاہیے کیونکہ فوزیہ کی شادی کے بعد اپنے ابو کے مفادات کی حفاظت اور نگرانی کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔'' آصف ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ ''اگر تم نے اس معاملے میں دلچسپی نہ لی تو عاصم چپکے سے اپنا کام دکھا دے گا اور تم لوگ ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

''آصف! تمہاری باتیں سن کر تو میرے دماغ میں درد ہونے لگا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے بولی۔ ''پلیز..... تفصیل ختم کرو اور اس پلاٹ کے بارے میں بتاؤ جو مستقبل قریب میں ہمارے لیے وبال جان بننے والا ہے۔''

آصف چند لمحات تک سوچتی ہوئی نظر سے یمنیٰ کو دیکھتا رہا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تمہارے ابو سے چھوٹے دو بھائی ہیں۔ عبدالاحد اور عبداللہ۔ ان تینوں بھائیوں کی مشترکہ ملکیت ایک پلاٹ ہے جس کے کاغذات تمہارے ابو کے پاس رکھے ہیں۔ چھوٹے بھائیوں خصوصاً عبداللہ کی یہ خواہش اور کوشش رہی ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت کر کے رقم تینوں میں برابر تقسیم کر لی جائے لیکن تمہارے ابو مذکورہ پلاٹ بیچنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ عبداللہ نے خود سے بڑے بھائی عبدالاحد کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تاکہ وہ دونوں باہمی طور پر عبدالواحد کو پلاٹ کی فروخت کے لیے آمادہ کر سکیں لیکن عبدالاحد نے عبداللہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اس معاملے میں عبدالاحد کا موقف بڑا واضح ہے، یعنی اس نے بڑے صاف الفاظ میں عبداللہ سے کہہ دیا ہے کہ بھائی جان (تمہارے ابو) جب چاہیں گے جب ہی وہ پلاٹ فروخت کیا جائے گا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں یمنیٰ.....؟'' یہاں تک پہنچنے کے بعد وہ سوالیہ نظر سے یمنیٰ کو دیکھنے لگا۔

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''تم نے جس پلاٹ کا ذکر کیا ہے، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ بہت ہی قیمتی پلاٹ ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق، اس پلاٹ کی کم از کم قیمت بھی پچاس لاکھ ہے اور پلاٹ کی فروخت کے سلسلے میں ابو کا اپنا ایک اسٹینڈ ہے.....'' وہ لمحے بھر کے لیے سانس لینے کو رکی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''ابو چاہتے ہیں کہ مذکورہ پلاٹ تینوں بھائیوں میں سے کسی ایک کی ملکیت رہے۔ اگر فروخت کرنا ناگزیر ہو جائے تو انہی تینوں میں سے کسی ایک کو خرید لینا چاہیے کیونکہ دو، تین سال میں اس پلاٹ کی قیمت لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں میں چلی جائے گی۔ پلاٹ چونکہ مین روڈ پر واقع ہے اس لیے بہت سے بلڈرز کی بھی اس پر نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔ وہاں پر ایک شاندار شاپنگ مال کھڑا کیا جا سکتا ہے یا گراؤنڈ اور میزانائن پر شاپنگ سینٹر بنانے کے بعد اوپر چار پانچ فلور تک سپر لگژری اپارٹمنٹس تعمیر کیے جا سکتے ہیں۔ مستقبل میں اس پلاٹ کی کیا قدر و قیمت ہے، یہ ابو کو اچھی طرح پتا ہے اور کسی حد تک انکل عبدالاحد بھی اس حقیقت سے واقف ہیں اس لیے وہ ابو کی ہاں میں ہاں ملا کر خاموش ہوئے بیٹھے ہیں۔''

''لیکن ایک اور آدمی بھی اس پلاٹ کا قدرداں ہے۔'' آصف نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''اور وہ خاموش ہو کر بیٹھنے کو تیار نہیں.....!''

''انکل عبداللہ.....!'' یمنیٰ نے اضطراری انداز میں کہا۔

''بالکل نہیں!'' آصف نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''تمہارا اندازہ غلط ہے۔''

''پھر؟'' یمنیٰ حیرت بھری نظر سے اسے تکنے لگی۔

''اس شخص کا نام ہے عاصم.....!'' آصف نے انکشاف انگیز انداز میں بتایا۔

''عاصم.....وہ کیسے؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''وہ ایسے کہ.....!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بتانے لگا۔ ''عاصم خاصا تیز طرار اور چلتا پرزہ قسم کا بندہ ہے۔ گاڑیوں کی سیل پرچیز ہما شما کے بس کا کھیل تو ہے نہیں۔ یہ تو تمہیں بھی اندازہ ہوگا کہ وہ کس قدر کائیاں اور شاطر دماغ ہے.....!''

آصف نے لمحاتی توقف کر کے سوالیہ نظر سے یمنیٰ کو دیکھا۔ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ہاں بخوبی اندازہ ہے مجھے.....!''

''عاصم کی یہ تمام تر خوبیاں تمہارے چھوٹے چچا عبداللہ سے چھپی نہیں رہ سکیں۔'' آصف نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ عبداللہ انکل خود بھی کچھ کم چالاک نہیں ہیں۔ عبداللہ نے وقت ضائع کیے بغیر عاصم سے گٹھ جوڑ کر لیا اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ وہ فوزیہ کو استعمال کر کے کسی طرح اس قیمتی پلاٹ کے کاغذات والی فائل حاصل کر لے پھر وہ دونوں کوئی چکر چلا کر پلاٹ کو فروخت کر دیں گے اور اس کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے۔

عاصم اور فوزیہ کے درمیان ہونے والا پھڈا اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ عاصم نے عبداللہ انکل سے تعاون کی ہامی بھر لی لیکن عبداللہ انکل کو یہ نہیں معلوم کہ بقول شخصے، عاصم اس قسم کے کاموں میں ان کا بھی باپ ہے.....'' وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری سانس خارج کی اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''عاصم، عبداللہ انکل پر یہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ فوزیہ کے ذریعے مذکورہ فائل حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن در پردہ اس نے کوئی اور ہی منصوبہ بنا رکھا ہے۔''

''کیسا منصوبہ؟'' یمنیٰ نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

''عاصم کا بزنس کچھ اس نوعیت کا ہے کہ اسے ڈاکومینٹیشن وغیرہ سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔'' آصف مزید وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''بعض لاوارث اور چوری کی گاڑیوں کے کاغذات کی تیاری کے لیے اس نے اس فیلڈ کے ایک چیتا صفت شخص سے دوستانہ گانٹھ رکھا ہے۔ مذکورہ بندے کا نام اکبر لاکھانی ہے۔ نقل بہ مطابق اصل نوعیت کے دستخط اور دیگر دستاویزات تیار کرنا اور کرانا اکبر لاکھانی کے لیے بچوں کے کھیل کی حیثیت رکھتا ہے اور عاصم نے اسی اکبر سے پلاٹ کے کاغذات کے بارے میں بات کی ہے۔ اکبر نے اس سے کہا ہے کہ وہ فائل اڑا لائے۔ باقی کے سارے کام اس پر چھوڑ دے۔ تینوں بھائیوں کے دستخط، پاور آف اٹارنی اور دیگر ہر قسم کے قانونی تقاضوں سے وہ خود نمٹ لے گا۔ وہ اس قسم کی ہیرا پھیری والی جائیداد کی خرید و فروخت کا ماہر ہے۔ اس پلاٹ کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوگی اسے وہ برابر بانٹ لیں گے۔''

''اوہ..... مائی گاڈ!'' یمنیٰ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ''عاصم کتنا خطرناک کھیل کھیلنے والا ہے اور ابو کو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔''

''ایک بات کان کھول کر سن لو یمنیٰ!'' آصف نے تنبیہی انداز میں کہا۔ ''اس پلاٹ کو ہتھیانے کے حوالے سے تمہارے انکل عبداللہ اتنے خطرناک انسان نہیں ہیں جتنا کہ یہ عاصم۔ اگر پلاٹ کے کاغذات والی فائل عاصم کے ہتھے چڑھ گئی تو اکبر لاکھانی ایک سو ایک فیصد اس پلاٹ کو خاموشی سے ''ٹھکانے'' لگا دے گا۔ میں نے بتایا ہے نا، وہ اس قسم کے کاموں کا وسیع تجربہ اور مہارت رکھتا ہے۔''

''مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے آصف؟'' یمنیٰ نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے جو کچھ بتایا ہے اگر عین یہی صورت حال ہے تو پھر ابو کے لیے کوئی بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہونے والا

ہے.....!''

''صورت حال تو یہی ہے یمنیٰ!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔''اور میری نظر میں اپنے ابو کو بچانے کے لیے تمہارے پاس دو راستے ہیں۔''

''مثلاً؟'' وہ آصف کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔''کون سے دو راستے؟''

''نمبر ایک.....'' وہ لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔''تم ان تشویش ناک حالات کے بارے میں من وعن اپنے ابو کو بتا دو۔ وہ پلاٹ کے کاغذات والی فائل کا خود ہی کوئی محفوظ بندوبست کر دیں گے۔ نمبر دو.....'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا۔ پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''تم اس فائل تک رسائی حاصل کر کے اس میں سے اصل کاغذات غائب کر دو اور ان کی جگہ کاغذات کی ادھوری فوٹو کاپی ایک ساتھ نتھی کر کے رکھ دو تاکہ اگر عاصم کسی بھی طرح فوزیہ کے ذریعے وہ فائل چرانے میں کامیاب ہو جائے تو اسی اصل مقصد میں ہرگز ہرگز کامیابی حاصل نہ ہو۔''

''مجھے تو پہلا راستہ اپیل کر رہا ہے۔'' یمنیٰ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''یہ بالکل سیدھا راستہ ہے۔ نہ کوئی جھنجٹ اور نہ ہی کوئی ہیر پھیر..... میں ابو کو صورت حال سے آگاہ کر دیتی ہوں۔ وہ خود ہی مذکورہ فائل کی حفاظت کا انتظام کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے.....!'' آصف نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

دونوں میں تھوڑی دیر تک مزید کچھ باتیں ہوئیں پھر وہ ریسٹورنٹ سے اٹھ گئے۔

چند روز بعد وہ ایک مقامی پارک میں ملے۔ اس بار یمنیٰ کے پاس بتانے اور کہنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ کولڈ ڈرنکس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے یمنیٰ نے انکشاف انگیز انداز میں بتایا۔

''آصف! ابو اتنے بھی سیدھے نہیں ہیں جیسے وہ نظر آتے ہیں۔''

''تم نے انکل کا کون سا ٹیڑھا پن دیکھ لیا ہے؟'' آصف نے مذاق کے رنگ میں پوچھا۔

''میں نے ان سے پلاٹ کے کاغذات والا معاملہ ڈسکس کیا تھا!'' یمنیٰ نے بتایا۔

''اچھا.....!'' آصف پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔''پھر انہوں نے کیا کہا؟''

''وہ ہماری توقعات سے زیادہ محتاط اور تیز ثابت ہو رہے ہیں۔'' یمنیٰ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔''میں نے جب ان سے پلاٹ کے کاغذات کے بارے میں گفتگو شروع کی تو انہوں نے کہا

کہ وہ اس حوالے سے ہونے والی پراسرار سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ایک روز انہوں نے فوزیہ کو اس کمرے میں، بڑے مشکوک انداز میں چکراتے اور ٹٹول کرتے دیکھ لیا تھا، جہاں پلاٹ کے کاغذات والی فائل رکھی ہے۔ انہیں چھٹی حس نے بتایا کہ باجی فوزیہ اسی فائل کے چکر میں ہے۔ انہوں نے باجی سے باز پرس نہیں کی اور غیر محسوس انداز میں، اس معاملے کی ٹوہ میں لگ گئے۔ جلد ہی انہیں اس بات کا پتا چل گیا کہ اس فتنے کے پیچھے عاصم کا شیطانی دماغ کام کر رہا ہے۔ وہ خود بھی عاصم کی منفی صلاحیتوں سے واقف ہو چکے ہیں لہٰذا انہوں نے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ کاغذات والی فائل کی حفاظت کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب تو.....!''

''کیا بندوبست کر دیا ہے؟'' آصف قطع کلامی کرتے ہوئے مستفسر ہوا۔

''ابو کے ذہن نے بھی تمہارے ہی انداز میں سوچا ہے آصف!'' یمنیٰ نے جوشیلے لہجے میں بتایا۔ ''انہوں نے فائل میں سے اصل کاغذات غائب کر دیے ہیں اور ان کی جگہ زمین و جائیداد ہی سے متعلق چند نقلی اور ناکارہ کاغذات رکھ دیے ہیں۔ وہ دراصل فوزیہ باجی کو رنگے ہاتھوں فائل چراتے ہوئے پکڑنا چاہتے ہیں تاکہ اسے کڑی سرزنش کر سکیں۔ انہیں اس بات کا بڑا دکھ ہے کہ فوزیہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر انہیں دھوکا دینے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ پتا نہیں، عاصم نے اس کام کے لیے آمادہ کرنے کے لیے باجی کو کیا پٹی پڑھائی ہے۔''

''وہ پٹیاں پڑھانے اور ڈاکومینٹس بنانے کا ماہر ہے۔'' آصف نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''خیر، یہ اچھا ہوا کہ تمہارے ابو نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کاغذات والی فائل کو کہیں محفوظ کر دیا ہے۔ اب ان لوگوں کی سازش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔''

''ایک خاص بات بتاؤں آصف!'' یمنیٰ نے اس کی طرف دیکھا۔

''ابو تم سے ملنا چاہتے ہیں.....!''

''مجھ سے..... کیوں بھئی؟'' آصف نے متذبذب انداز میں کہا۔

''میں نے انہیں تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے.....!'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

آصف نے ٹٹولنے والی نظر سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''سب کچھ..... کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ.....'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''تم میرے بہت اچھے دوست اور خیر خواہ ہو۔ تمہی نے مجھے پلاٹ کے کاغذات والی فائل کے بارے میں بتایا ہے۔ تم ابو کو کوئی نقصان پہنچتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے اور یہ کہ..... باجی نے تمہارے ساتھ کون سا کھیل کھیلا تھا۔''

''اوہ مائی گاڈ.....کیا یہ بھی بتادیا.....؟'' آصف پریشانی کے عالم میں یمنیٰ کو دیکھتا چلا گیا۔ ''یہ تم نے کیا غضب کردیا یمنیٰ.....؟''

''کوئی غضب نہیں کیا.....'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''بلکہ یہ اچھا ہی ہوا کہ انہیں حالات کی حقیقت کا علم ہوگیا۔''

''اس میں ''اچھا ہونے'' والی کون سی بات ہے؟'' وہ متعجب انداز میں بولا۔

''باجی کے مزاج اور عادات سے ابو کو اچھی طرح واقفیت ہے۔'' یمنیٰ نے کہا۔ ''وہ تم سے مل کر ایک تو شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں کہ تم نے ان کی خیر خواہی میں سوچا۔ دوسرے وہ فوزیہ باجی کے رویّے کے لیے معذرت کرنا چاہتے ہیں۔''

''معذرت وغیرہ کی تو قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔'' آصف نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''البتہ، شکریہ وصول کرنے کے لیے کبھی ان سے ملاقات کرلوں گا۔''

چند روز بعد آصف اور عبدالواحد کی ملاقات ہوگئی۔ اس سے پہلے آصف اور یمنیٰ کی متعدد ملاقاتیں ہو چکی تھیں جس کے نتیجے میں وہ ذہنی اور قلبی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے جس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ ایک دوسرے کی چاہت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ دوسری جانب عبدالواحد کو بھی اپنی بیٹی فوزیہ کے تیور کا بہ خوبی احساس ہوگیا تھا۔ وہ اسی خیال سے، آصف سے ملاقات کرنے کا خواہاں تھا کہ اسے دیکھ بھال اور پرکھ کر یہ اندازہ قائم کرسکے کہ وہ یمنیٰ کے لیے کس قدر موزوں رہے گا۔

دو گھنٹے کی اس تفصیلی ملاقات میں عبدالواحد واٹر ٹینکر والے نے آصف کو یمنیٰ کے لیے پاس کر دیا۔ اس کے بعد کے مراحل آسانی سے تو نہیں البتہ مختلف جھگڑوں پھڈوں کے بعد بالآخر طے ہو ہی گئے۔ سب سے زیادہ مسئلہ نادرہ خاتون کا تھا۔

نادرہ کا چھوٹا بھائی محمود سعودیہ میں انجینئر تھا۔ محمود کی بیٹی شائستہ ڈاکٹری کے آخری سال میں تھی۔ وہ اپنی بھتیجی کو بیاہ کر لانا چاہتی تھی۔ علاوہ ازیں یہاں کراچی میں بھی آصف کے کئی رشتے لگے ہوئے تھے۔ وہ ہینڈسم اور اسمارٹ تھا، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور ایک معروف کمپنی میں باعزت پوسٹ پر کام کررہا تھا۔ اس کے لئے بھلا رشتوں کی کیا کمی ہوسکتی تھی لہٰذا جب نادرہ خاتون کو پتا چلا کہ وہ کسی غیر کمیونٹی میں شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے ایک نیا تنازع کھڑا کردیا۔

''ہم علی گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ ہمارا ایک خاندانی پس منظر ہے، ایک تہذیب ہے۔'' اس

نے اپنے شوہر نامدار سے کہا۔ ''ہمیں لکھنؤ، دلی، الہ آباد..... فیض آباد..... سے تعلق رکھنے والے کسی خاندان وغیرہ کی کوئی لڑکی دیکھنا چاہیے۔ یہ بے وقوف کہاں پھنسنے جا رہا ہے۔ یہ لوگ تو ہماری کلچر سے بہت مختلف ہیں۔ میں اپنے خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ ہر کوئی یہی پوچھے گا..... نادرہ! کیا اپنے خاندان میں اچھی لڑکیوں کا..... کال پڑ گیا ہے جو تم دوسری کمیونٹی سے بہو بیاہ کر لائی ہو..... نا بابا نا۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

''میں یہ کام ہرگز نہیں ہونے دوں گی.....!''

خلیل احمد ہمیشہ سے اپنے بیٹے آصف کا حمایتی رہا تھا۔ اس معاملے میں آصف نے اپنے والد کو اعتماد میں لے کر یمنیٰ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور حتمی انداز میں یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بڑی شدت سے چاہتے ہیں۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شادی کرے گا تو یمنیٰ سے ورنہ ساری زندگی یونہی کنوارا بیٹھا رہے گا۔

خلیل احمد نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ دل چھوٹا نہ کرے۔ وہ اس کی حمایت میں گھر کے ہر محاذ پر جنگ کرے گا اور بالآخر اس کی خواہش کو پورا کر کے دکھا دے گا اور وہ بالکل یہی کر رہا تھا۔ بیوی کے منہ نہ لگنے والا اور کٹا کٹا رہنے والا خلیل اس وقت نادرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہا تھا اور خاصا..... بڑھ چڑھ کو بول رہا تھا۔

''میری بات سنو نادرہ!'' اس نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''تم کہاں کی رہنے والی ہو؟''

''علی گڑھ.....!'' نادرہ نے جواب دیا۔

''اور میں؟'' خلیل نے سوال کیا۔

''علی گڑھ!'' وہ بے ساختہ بولی۔ ''لیکن اس سے تم مجھے کیا بتانا چاہ رہے ہو؟''

''میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا ہوں نادرہ.....!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''ہم دونوں کا کلچر ایک، تہذیب ایک، زبان اور بولی ٹھولی ایک، رہن سہن ایک، رسم و رواج ایک..... ہمیں تو اس دنیا کی ایک ''آئیڈیل'' جوڑی ہونا چاہیے تھا نا..... ہونا چاہیے تھا یا نہیں؟''

اس نے لمحاتی توقف کر کے سوالیہ نظر سے اپنی بیوی کو گھورا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولی، بس آنکھیں پٹ پٹا کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات چمک رہے تھے۔

خلیل نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''لیکن بدقسمتی سے ایسا بالکل نہیں۔ آئیڈیل جوڑی ہونا تو بہت

دور کی بات ہے، ہمیں تو ایورتج میاں بیوی کی فہرست میں بھی شامل نہیں کیا جا سکتا۔ بتیس سالہ ازدواجی زندگی کے دوران میں مجھے نہیں یاد کہ ہم نے دل و جان سے ایک دوسرے کے ساتھ چند لمحات بھی بتائے ہوں..... یہ کیسی ''ہم آہنگی'' ہے نادرہ.....!'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

چند لمحات کے خاموشی کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا، اس کا لہجہ زخمی تھا اور آواز میں نمی تھی ''سنا ہے، بارہ سال کے بعد کوڑے کے دن بھی پھر جاتے ہیں..... بتیس سال کے بعد بھی ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے ہم نے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا تھا..... اگر تم میں ذرا سی عقل ہے تو میری بات پر دھیان دو۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے تھما پھر سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''کمیونٹی اور خاندان کے چکر سے باہر نکل آؤ نادرہ..... صرف یہ دیکھو کہ وہ لوگ مسلمان ہیں۔ اسی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں جن کو ہم مانتے ہیں..... بس یہی کافی ہے۔ آصف اور یمنیٰ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے، ان کی زندگی بہت اچھی گزرے گی۔ تم خوامخواہ کی مخالفت اور پنگے بازی چھوڑ دو۔''

خلیل کی باتیں نادرہ کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھیں لہٰذا مخالفت اور مخاصمت کا عمل جاری رہا۔ نادرہ نے اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کرنے کے لیے فائزہ اور عمران کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ دوسری جانب وہ باپ بیٹا یک جان دو قالب کی تصویر بنے نظر آتے تھے۔ اس پر دلچسپ بات یہ ہوگئی کہ یمنیٰ کے باپ اور آصف کے باپ کی آپس میں اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی لہٰذا اس ٹیم میں بھی تین کھلاڑی ہو گئے۔ دونوں طرف طاقت (عددی قوت) کا توازن قائم ہوا تو باقاعدہ ایک مقابلے کا آغاز ہوگیا۔ الغرض، چھ ماہ کی رسا کشی کے بعد آصف کی ٹیم جیت گئی۔

مختلف نوعیت کی سماجی رسوم سے گزرنے کے بعد آصف اور یمنیٰ کی شادی ہوگئی۔ اس پروسس میں نادرہ کی انا بری طرح کچلی گئی تھی۔ اسے اس محاذ پر شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تھا لہٰذا پہلے ہی دن سے اس نے یمنیٰ کو اپنا دشمن اول مان کر ساسوں والی مخصوص کارروائیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ پچھلے ایک سال میں، اس گھر میں کیا کیا کھیل تماشے نہیں ہوئے ہوں گے، اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ یہ ساری تفصیل بتانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آپ اس الجھی ہوئی کہانی کے پس منظر سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں۔

نادرہ نے تو مجھے ون سائیڈ اسٹوری سنائی تھی جس میں اس کا تن اجلا اور یمنیٰ کا چہرہ بھیانک نظر آتا تھا لیکن بعد ازاں جو حقائق میرے علم میں آئے ان کی بنیاد پر میری سوچ میں خاصی تبدیلی رونما

ہوئی تھی، چنانچہ میں نے فریق مخالف (یمنیٰ +عبدالواحد) کا بھی مختصر احوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے تا کہ ایک توازن قائم ہو سکے۔

نادرہ کی طولانی داستان سننے کے بعد، میں نے فیس وصول کی اور اسے تین روز بعد آ کر ملنے کا کہہ کر میں نے اپنے دفتر سے رخصت کر دیا۔ اس وقت تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا کہ اس سلسلے میں نادرہ خاتون کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ میں نادرہ کی فراہم کردہ معلومات پر یمنیٰ کے خلاف عدالت میں کیس کر دیتا۔ میں نے اس کیس کو اسی لیے پیچیدہ اور عجیب وغریب قرار دیا ہے کہ بظاہر اس میں میرا فعال کردار کہیں نظر نہیں آتا لیکن میں نے چونکہ اپنی پوری فیس وصول کی تھی لہٰذا میرا یہ اخلاقی فرض بنتا تھا کہ میں اسے کوئی ایسا مشورہ دوں، اس کے مسائل کا کوئی ایسا حل بتاؤں کہ حالات کی الجھی ہوئی یہ ڈور ایک دم سلجھ جائے۔ میں نے تین دن اسی سوچ بچار کے لیے، لیے تھے کہ نادرہ خاتون اور اس کے کیس کو ڈیل کرنے کے لیے کوئی موثر لائحہ عمل ترتیب دے سکوں۔

میں نے احتیاطاً نادرہ خاتون سے اس کے گھر کا اور آصف کے آفس کا ٹیلی فون نمبر لے لیا تھا تا کہ بہ وقت ضرورت کام آئے۔ اسی طرح اس نے مجھے، بن پوچھے عبدالواحد کے گھر کا نمبر بھی دے دیا تھا اور آخر میں کہا تھا۔ ''بیگ صاحب! آپ نے میرا اور آصف کا نام تو نوٹ کر لیا ہے۔ یمنیٰ کا نام بھی آپ کے ریکارڈ میں آ چکا ہے۔ ایک نام آپ اور لکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔''

''کون سا نام؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''زبیدہ!'' وہ اس لفظ کو چبا کر بولی۔

''یہ زبیدہ کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''زبیدہ، یمنیٰ کی ماں ہے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

اس وقت تک نہ تو مجھے یمنیٰ کی ماں کا نام معلوم تھا اور نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ زبیدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں نے نادرہ کے جواب میں سوال کیا۔

''میں زبیدہ کا نام اپنے پاس نوٹ کر کے کیا کروں گا؟''

''آپ نے آصف کا نام مع والدہ نوٹ کیا ہے نا.....'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''اسی طرح آپ کو یمنیٰ کا نام مع والدہ کی بھی ضرورت پیش آئے گی.....!''

اس کی بات سن کر میرا قہقہہ لگانے کو جی چاہا لیکن میں نے خود کو بڑی مشکل سے روکتے ہوئے

صرف اتنا کہا۔

''نادرہ خاتون! میں ایک ایڈووکیٹ ہوں، کوئی ''بولتا جادو ناگی باوا'' نہیں ہوں۔ نام مع والدہ کی ضرورت عاملوں کو پیش آتی ہے۔ میرے پیشے میں ایسی کوئی کہانی نہیں ہے۔''

''امی چھوڑیں نا.....!'' فائزہ جلدی سے صورت حال کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ ''بیگ صاحب کو اپنے طریقے سے کام کرنے دیں۔ ہمیں صرف اپنے مقصد پر نظر رکھنا چاہیے۔''

''ہاں، یہ بات تم نے پتے کی، کی ہے۔'' وہ تائیدی نظر سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے بولی پھر روئے سخن میری جانب موڑتے ہوئے اضافہ کیا۔

''فائزہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ مجھے بھی صرف اپنے مقصد سے غرض ہے اور آپ نے اس طویل کہانی سے یہ تو اندازہ لگا ہی لیا ہوگا کہ میں کیا چاہتی ہوں.....؟'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی پھر اپنے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے بولی۔

''میں اب اپنے گھر میں یمنیٰ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ کوئی ایسا چکر چلائیں کہ یا تو یمنیٰ، آصف کو چھوڑ کر اپنے میکے چلی جائے یا آصف خود ہی اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دے۔ میں یمنیٰ کو ذلیل وخوار ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

بات کے اختتام پر اس کے اعصاب تن گئے تھے، چہرے پر غیظ وغضب کے آثار تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر اسے موقع فراہم کر دیا جائے تو وہ یمنیٰ کو کچا چبا ڈالنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی گوارا نہیں کرے گی۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''دیکھتا ہوں..... کچھ کرتا ہوں۔ آپ مطمئن ہو کر جائیں۔ میں آپ کے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تین دن کے بعد جب آپ دوبارہ میرے پاس آئیں گی تو صورت حال خاصی بدلی ہوئی ہوگی۔''

ماں بیٹی نے امید بھری نظروں سے مجھے دیکھا، بڑے ادب سے سلام کیا۔ ہمارے درمیان الوداعی کلمات کا تبادلہ ہوا پھر وہ میرے دفتر سے رخصت ہو گئیں۔

✠ ✠ ✠

اگلے روز میں نے غور وفکر کر کے نادرہ کے مسئلے کا حل تلاش کر لیا۔ یہ حل دراصل نادرہ فائزہ کے مسئلے کے بارے میں نہیں تھا بلکہ آصف اور یمنیٰ کے مسائل کے بارے میں تھا۔ کان کو سیدھے ہاتھ سے پکڑیں یا بازو گھما کر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے

پر، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر دو صورت میں ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے یعنی خربوزہ کٹ جاتا ہے۔ میں نے بھی اس کھیل میں کچھ اسی انداز کی پالیسی اپنائی تھی کہ نادرہ خاتون مجھے اپنا وکیل، اپنا حمایتی اور اپنا خیر خواہ سمجھتی رہے اور میں اس کے اعتماد کی چھتری کے نیچے ایک ایسا کھیل کھیلوں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی محفوظ رہے یعنی..... وہ سب لوگ ایک ہی گھر میں راضی خوشی رہنے لگیں..... اللہ اللہ، خیر سلا!

اس روز عدالت میں میرا کوئی کیس زیر سماعت نہیں تھا لہٰذا میں گھر سے تیار ہو کر دفتر پہنچا اور پھر تھوڑی دیر وہاں رکنے کے بعد آصف کے آفس کی طرف نکل گیا۔ میں چونکہ اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنا چکا تھا لہٰذا اب عملی اقدام کی ضرورت تھی۔ میں آپ کو اپنے پروگرام سے آگاہ نہیں کروں گا کیونکہ پھر سسپنس ختم ہو جائے گا اور آپ سسپنس کے قاری ہیں لہٰذا رفتہ رفتہ یہ کہانی آپ پر کھلنا چاہیے۔

آصف کے آفس کا رخ کرنے سے پہلے میں نے یہ تسلی کر لی تھی کہ وہ اپنی سیٹ پر موجود ہے۔ میں اس کے کمرے میں پہنچا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور رسمی علیک سلیک کے بعد سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا، مقصد یہ تھا کہ میں اپنا تعارف کرواؤں۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے اور وہ ہماری پہلی ملاقات تھی لیکن مجھے یہ ایڈوانٹیج حاصل تھا کہ میں اس کے بارے میں کافی کچھ جانتا تھا جبکہ وہ میرے حوالے سے بالکل کورا تھا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آصف صاحب! میرا نام مرزا امجد بیگ ہے اور میں ایک وکیل ہوں۔''

''وکیل'' کا لفظ سنتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''جی بیگ صاحب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''خدمت تو میں آپ کی کرنے آیا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور اس کام کی میں نے باقاعدہ فیس بھی وصول کی ہے!''

''جی..... کیا مطلب؟'' وہ چوکنا نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

آصف کی عمر تیس کے آس پاس تھی۔ وہ ایک ہینڈسم مرد تھا۔ رنگت گندمی اور خوش لباس۔ اس نے ایم بی اے کر رکھا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔

''میں اپنی بات کا مطلب آپ کو تفصیلاً سمجھا دوں گا۔ پہلے یہ بتائیں کہ آپ کے آفس میں بیٹھ کر اطمینان سے بات ہو سکتی ہے یا کسی پرسکون، پرفضا ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھیں؟''

''اس زحمت کی ضرورت نہیں۔'' آصف نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا کمرہ گفتگو کے لیے محفوظ ہے۔ آپ کو جو بھی کہنا ہے، مطمئن ہو کر یہاں کہہ سکتے ہیں۔ میں دفتر سے اٹھ کر کہیں باہر نہیں جاسکوں گا۔ دو گھنٹے کے بعد ایک اہم پارٹی مجھ سے ملنے آ رہی ہے لہٰذا میرا دفتر میں موجود رہنا بہت ضروری ہے۔''

''دو گھنٹے کے بعد.....'' میں نے خود کلامی والے انداز میں کہا۔ ''اور ان دو گھنٹوں میں، آفس میں آپ کی مصروفیت کا احوال کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ وقت میرے پاس تقریباً فری ہے۔'' آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اگر کوئی چھوٹا موٹا کام ہوا بھی تو یہیں دفتر کے اندر ہوگا۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ اس کا انداز سوالیہ تھا۔

''آپ کہیں، میری کیا خدمت کرنے آئے ہیں اور اس کام کے لیے آپ نے کس سے فیس وصول کی ہے؟''

''فیس دینے والی شخصیت کا نام ہے نادرہ خاتون..... یعنی آپ کی والدہ محترمہ۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''وہ میرے ذریعے آپ کی بیوی یمنیٰ کو ذلیل و خوار کروانا چاہتی ہیں۔''

آصف کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہوئے۔ بے حد الجھن زدہ لہجے میں اس نے کہا۔ ''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟''

''جب تک میں آپ کو تفصیل نہیں بتاؤں گا، میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آسکے گی۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت ہی سنجیدہ معاملہ ہے آصف صاحب.....!''

اس نے پیون کو اچھی سی چائے بنا کر لانے کو کہا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ ''بیگ صاحب! میں پوری توجہ سے آپ کی بات سن رہا ہوں۔ آپ بولتے جائیں۔''

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے نادرہ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے پورے انہماک سے میری بات سنی اور اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا رہا تاہم اس نے کراس کوئسچن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں نے بڑی تسلی سے اپنی

بات مکمل کر لی۔ اس دوران میں چائے آ گئی تھی۔ آصف نے مجھے چائے پیش کرنے کے بعد پوچھا۔

''بیگ صاحب! فیس آپ نے امی سے لی ہے۔ وکیل بھی آپ انہی کے ہیں پھر آپ کی ہمدردی مجھ سے کیوں ہے؟''

''میں صرف اس لیے آپ کا خیر خواہ ہوں کہ اس سارے جھمیلے میں آپ، آپ کی بیوی اور آپ کے والد صاحب مجھے بے گناہ اور بے قصور نظر آ رہے ہیں.....!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''امی کو پتا نہیں، کیا ہو گیا ہے.....!'' وہ بے بسی کے عالم میں بولا۔ ''میں صرف اس لیے برداشت کرتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کا بہت بڑا درجہ بیان کیا ہے ورنہ'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا، ایک بوجھل سانس خارج کی پھر سر کو جھٹکتے ہوئے اضافہ کیا۔

''خیر چھوڑیں..... یہ بتائیں، آپ کے ذہن میں کیا پلان ہے؟''

''میرا پلان اسی صورت میں مؤثر ہو سکتا ہے اگر آپ مجھ سے مکمل تعاون کریں۔'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔

''جناب! میں بھلا آپ سے تعاون کیوں نہیں کروں گا۔'' وہ تشکرانہ لہجے میں بولا۔ ''آپ جیسے نیک آدمی کی تو جتنی بھی قدر کی جائے، کم ہے..... آپ تو کسی فرشتے کے سے انداز میں میری ..... بلکہ ہماری مدد کرنے آئے ہیں۔''

''میں ایک عام سا انسان ہوں، مجھے فرشتوں سے ملانے کی کوشش نہ کریں آصف صاحب!'' میں نے لجاجت آمیز انداز میں کہا۔ ''میں تو صرف اپنی فیس حلال کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کا گھر امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔''

''امی کی موجودگی میں یہ کام بہت مشکل ..... بلکہ ناممکن ہے وکیل صاحب!'' وہ قدرے مایوسی سے بولا۔

''دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا آصف صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہر کام کو بروئے کار لانے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں وہ تقاضے پورے کر دیے جائیں تو کام ہو جاتا ہے.....'' میں نے ذرا دیر کو رک کر ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ لوگ بھی میری ہدایات پر عمل کرتے رہے تو یہ کام بھی دیکھتے ہی دیکھتے پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔''

''ہم لوگ.....!'' آصف نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''کیا مطلب، بیگ صاحب؟''

''ہم لوگ میں..... آپ، آپ کے والد صاحب اور آپ کے سسر صاحب شامل ہیں۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''کسی حد تک یمنیٰ کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہوگا لیکن اس کا رول بہت مختصر ہوگا۔ آپ مجھے اپنے والد اور سسر سے ملوائیں گے۔ میں آپ لوگوں کو آپ کا کردار اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ تھوڑی بہت ہدایات یمنیٰ کو بھی دینا ہوں گی۔'' میں لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو تین بار میرے آفس آنے کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔ پہلے آپ اپنی بیوی یمنیٰ کو لے کر آئیں گے، دوسرے چکر میں آپ کے والد خلیل احمد آپ کے ساتھ ہوں گے اور آخری پھیرے میں آپ کے ہمراہ عبدالواحد صاحب ہوں گے۔ عبدالواحد اپنی بیٹی کے تازہ ترین حالات سے واقف تو ہیں نا؟''

''جی ہاں بالکل واقف ہیں بلکہ وہ ان حالات سے سخت نالاں ہیں۔'' وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ ''انکل واحد میرے منہ کو دیکھتے ہیں ورنہ اگر میری جگہ کوئی اور شخص ان کا داماد ہوتا تو شاید وہ بیٹی کو آزاد کرانے کی تگ و دو میں مصروف نظر آتے۔''

''وہ آپ کے منہ کو اس لیے دیکھتے ہیں کہ آپ نے ان کی بیٹی کا بڑا خیال رکھا ہوا ہے۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''آپ کو یمنیٰ سے سچی محبت ہے اور خراب ترین حالات میں بھی آپ اس کا ساتھ دیتے ہیں..... ویسے عبدالواحد صاحب کے حوالے سے آپ نے جو سچویشن بتائی ہے وہ میرے کھیل کے لیے انتہائی موزوں ہے۔''

میں بات کو مکمل کر کے سوچ میں ڈوب گیا تو آصف نے جلدی سے پوچھا۔ ''آپ آخر کرنا کیا چاہتے ہیں۔ کچھ مجھے بھی تو پتا چلے.....؟''

''یہ چند سین کا ایک چھوٹا سا ڈراما ہوگا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''جس کا رائٹر اور ڈائریکٹر میں خود ہوں۔ میری ہدایات کے مطابق آپ لوگ اپنا اپنا رول ادا کریں گے۔ مجھے امید ہے، اس ڈرامے کے اختتام پر بہت مفید نتائج برآمد ہوں گے اور سب لوگ سکھ چین سے زندگی بسر کرنے لگیں گے۔''

''اس سارے کھیل تماشے میں امی کو تو کچھ نہیں ہوگا؟'' وہ فکرمندی سے مجھے دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔

اپنی ماں کے لیے اس کی تشویش نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔

''آصف! تم اپنی والدہ کی طرف سے بالکل مطمئن رہو۔'' تھوڑی بے تکلفی کے بعد میں ''آپ'' سے ''تم'' پر آ گیا تھا۔ ''میں ان کا دشمن نہیں ہوں، یہ سارا ڈراما ہم انہی کی اصلاح کے لیے رچا رہے ہیں۔ انشاءاللہ! ہمیں اپنے مقصد میں ضرور کامیابی ملے گی۔''

''انشاءاللہ.....!'' اس نے تہ دل سے کہا۔

میں نے اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا اور اپنے دفتر کا پتا وغیرہ سمجھانے کے بعد ٹائمنگ سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ وہ میرے وزیٹنگ کارڈ کو گھر لے کر نہ جائے۔ اگر نادرہ کی نظر پڑ گئی تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے وعدہ کیا کہ اس معاملے میں وہ پوری احتیاط برتے گا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔

''بیگ صاحب! میں یمنیٰ کے ساتھ کب آپ کے آفس آؤں؟''

''پرسوں تمہاری والدہ ماجدہ تشریف لائیں گی میرے پاس۔'' میں نے بتایا۔ ''اس سے اگلے روز آپ آ جاؤ.....''

''ٹھیک ہے!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور سوال کیا۔ ''آپ امی کو کیا مشورہ دیں گے، میرا مطلب ہے کہ ان کے مسئلے کے حل کے لیے کیا تجویز کریں گے؟''

''اس بارے میں، میں آج سوچ لوں گا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ان کے مزاج اور نفسیات کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ انہیں ہینڈل کرنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوگی.....!''

آصف نے میرا بے حد شکریہ ادا کیا اور میں اس سے پرجوش مصافحہ کرنے کے بعد واپس آ گیا۔ میرے خیال میں، آصف سے ہونے والی ملاقات بڑی کامیاب رہی تھی۔

✠ ✠ ✠

منظر میرے ہی چیمبر کا تھا!

نادرہ خاتون اپنی دختر نیک اختر فائزہ کے ساتھ میرے سامنے، میز کی دوسری جانب بیٹھی تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد نادرہ نے امید بھری نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ

نے ہمارے مسئلے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''میں نے آپ کے مسئلے کے بارے میں نہ صرف سوچا ہے بلکہ اس کا ایک شرطیہ حل بھی نکال لیا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔''

''جی ارشاد.....!'' وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

فائزہ نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ تو بہت سسپنس پیدا کر رہے ہیں۔ پلیز، جلدی سے بتائیے نا..... آپ نے کیا پلان کیا ہے؟''

میں نے باری باری گہری نظر سے ان دونوں کو دیکھا پھر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ ''آپ کو آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گننے کا شوق بھی ہے؟''

''آم اگر میٹھے اور خوش ذائقہ ہوں تو کوئی احمق ہی پیڑ شماری کے چکر میں پڑے گا۔'' وہ اپنے جوش کو دباتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں بولی۔

''آم میٹھے ہیں اور خوش ذائقہ بھی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں تصدیق کی۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے!'' نادرہ خاتون نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''بھئی..... آپ لوگ پہیلیوں اور اشاروں کنایوں میں کیوں باتیں کر رہے ہیں۔'' فائزہ نے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا..... یہ آم اور پیڑ کا کیا قصہ ہے.....!''

''میں سمجھاتا ہوں۔'' میں نے فائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں تمہاری امی کی عقل اور دانش کو تو مان گیا ہوں۔ میں.....!''

''آم اور پیڑ کے ذکر سے امی کی ذہانت اور عقل مندی کا کیا تعلق ہے؟'' فائزہ نے میری بات قطع کرتے ہوئے کسی ریاضی داں کے سے انداز میں پوچھا۔

''تمہاری امی کی لیاقت اور سمجھداری کا ثبوت میں بعد میں پیش کروں گا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''پہلے تسلسل کی بات ہو جائے!''

وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کہا۔ ''آپ لوگوں کا مسئلہ کچھ ایسی نوعیت کا ہے کہ اگر اسے باقاعدہ ایک کیس کی صورت میں عدالت میں لگایا جائے تو ایک تو جگ ہنسائی ہوگی، دوسرے اس میں کامیابی کے امکانات بھی محدود ہو کر رہ جائیں گے۔''

''پھر.....؟'' فائزہ کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔

نادرہ خاموش نظر سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔

''پھر یہ کہ.....'' میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''میں نے آپ کے تمام تر مسائل کو عدالت کے باہر ہی حل کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور.....وہ بھی کسی اضافی خرچے کے بغیر۔ آپ نے جو فیس مجھے دے دی ہے، بس وہی کافی ہے۔''

''بیگ صاحب!'' نادرہ خاتون نے اضطراری لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔''آپ یہ کام کس طرح کریں گے، ہمیں بھی تو اس بارے میں کچھ بتائیں۔''

''میں آپ کا یہ کام اپنے کزن مرزا مظفر بیگ کی مدد سے کروں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''وہ کل پڑوسی ملک سے واپس آ رہا ہے۔ میں نے اسے لڑکی اور لڑکے کے نام مع والدہ لکھوا دیے ہیں، سمجھیں۔ آپ کا کام ہو گیا.....!''

نادرہ خاتون نے چونک کر مجھے دیکھا اور سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔''بیگ صاحب! کیا آپ کا کزن کوئی عامل کامل ہے؟''

''مظفر خود تو عامل کامل نہیں لیکن پڑوسی ملک میں ایک ایسے ہی تجربہ کار اور سفلی علوم کے ماہر سے اس کی گہری دوستی ہے۔ مظفر کا جب بھی سرحد پار جانا ہوتا ہے، وہ اپنے دوست ''گولورام'' سے بھی ملنے جاتا ہے۔ ایک دن پہلے میری ٹیلی فون پر مظفر سے بات ہوئی تھی۔ وہ لگ بھگ ایک ماہ سے پڑوسی ملک میں ہے۔ جب اس نے گولورام کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کا کیس فوراً میرے ذہن میں تازہ ہو گیا۔ میں نے آصف اور یمنیٰ کے نام مع والدہ مظفر کو لکھوا کر آپ کے مقصد سے آگاہ کیا اور کہا کہ وہ گولورام سے کوئی ایسی بندش بنوا کر لائے کہ مہینوں کا ہوتا کام، دنوں میں انجام پائے۔ مظفر نے گولورام سے ایک زبردست کام کروایا ہے۔ مظفر کل پاکستان پہنچے گا۔ میں پرسوں وہ بندش آپ کے حوالے کر دوں گا۔ پھر دیکھیے گا، اس منحوس یمنیٰ کا کیسا حشر ہوتا ہے.....!''

نادرہ خاتون کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ فائزہ کی آنکھوں میں بھی عجیب سے ولولے انگڑائیاں لے رہے تھے۔ میں نے یمنیٰ کے لیے جو ''منحوس'' کا لفظ استعمال کیا تھا نا، وہ چونکہ ان دونوں کے دلوں کی آواز تھا لہٰذا انہیں بے حد پسند آیا تھا۔ میں نے فائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''فائزہ! تھوڑی دیر پہلے میں نے تمہاری امی کی عقل مندی اور سمجھ داری کی بات کی تھی

نا.....وہ ''نام مع والدہ'' والا قصہ تھا۔ اگر انہوں نے پچھلی ملاقات میں یمنیٰ کی ماں کا نام میرے پاس نوٹ نہ کرایا ہوتا تو یہ کام ہو نہیں سکتا تھا۔''

میرا نہ تو کوئی کزن مرزا مظفر بیگ تھا اور نہ ہی وہ پڑوسی ملک گیا ہوا تھا اور تو اور..... میں کسی گولورام ہندو ماہر عملیات سے بھی واقف نہیں تھا۔ یہ سارا کھٹ راگ میں نے نادرہ خاتون کی ذہنیت کے پیش نظر پھیلایا تھا۔ میں اس عورت کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا لہٰذا مجھے سو فیصد یقین تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو کھیل، کھیل رہا تھا، وہ حیرت انگیز اور بڑے زبردست نتائج دے گا۔ بہ شرط یہ کہ..... آصف اور یمنیٰ نے میرے اسکرپٹ اور ڈائریکشن کے عین مطابق اداکاری کی تو.....!

نادرہ خاتون نے بڑی توجہ سے میری بات سنی پھر سنسنی خیز لہجے میں بولی۔ ''بیگ صاحب! میں نے ہندو اور بنگالی عاملوں اور جوگیوں کی بڑی شہرت سنی ہے۔ یہ لوگ بڑا اپکا کام کرتے ہیں۔''

''کوئی ایسا ویسا پکا.....!'' میں نے اس کے بیان پر ایلفی ٹپکاتے ہوئے کہا۔ ''بالکل پرفیکٹ..... چٹانی اور طوفانی!''

''یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آپ کے پاس اپنا مسئلہ اٹھا لائے۔'' نادرہ نے تشکرانہ انداز میں کہا۔ ''اور آپ کے توسط سے ہمیں پڑوسی ملک میں بیٹھے ہوئے ایک تجربہ کار کامل عامل سے فیض حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے۔''

اس کی بات سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا۔ وہ احمق عورت، سفلیات کے ماہر ایک ہندو عامل سے فیض حاصل کرنے کو بڑی سعادت اور خوش قسمتی کی بات سمجھ رہی تھی جبکہ یہ سیدھا سیدھا گناہ کبیرہ تھا۔ اس پر کوئی سنگین نوعیت کا فتویٰ آ سکتا تھا۔ میں بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ ہم (بشمول میں) صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ ورنہ ہمارے کام تو زیادہ تر غیر مسلمانوں والے ہیں۔ رسوم روایات میں ہم ہندوؤں کی پیروی کرنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ ترقی کی بات ہو تو ہم یہود و نصاریٰ کو اپنا قبلہ ماننے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ میں کوئی مولوی یا مبلغ دین نہیں ہوں۔ بس، نادرہ خاتون کی واہیات بات سن کر مجھے جوش سا آ گیا تھا تاہم نادرہ کے ساتھ، ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجھے..... ایک ڈراما کرنا تھا لہٰذا اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کی بات مجھے کتنی بری لگی

ہے.....!

وہ مجھ سے پوچھ بیٹھی۔ ''بیگ صاحب! یہ گولورام کچھ عجیب سا نام نہیں ہے؟''

''مثلاً.....اس میں کیا عجیب ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''آں.....'' وہ الجھ گئی پھر جلدی سے بولی۔ ''میں نے پہلے کبھی ایسا نام سنا نہیں۔''

''رام نام تو ہندوؤں میں خاصا مستعمل ہے۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''شاید آپ ''گولو'' کی وجہ سے کچھ کنفیوژ ہو رہی ہیں۔''

''شاید نہیں، یقیناً!'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

''میں نے بھی جب پہلی مرتبہ یہ نام سنا تھا تو چونک گیا تھا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور اس بارے میں مظفر سے استفسار بھی کیا تھا۔ پھر اس کے جواب نے میری تسلی کر دی۔''

''آپ کے کزن نے کیا جواب دیا تھا؟'' فائزہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''گولورام'' میں ''گولو'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ہندو پستہ قامت اور موٹا تازہ ہے، خصوصاً اس کی توند کسی کنگ سائز فٹ بال کے مانند نہ صرف پھولی ہوئی ہے بلکہ باہر کو بھی نکلی ہوئی ہے۔ وہ دور سے گول مٹول اور فٹ بال ہی کی طرح کا دکھائی دیتا ہے لہٰذا اسی گولائی کے سبب اس کا نام ''گولورام'' پڑ گیا ہے۔''

نادرہ نے پراشتیاق نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ کا کزن، گولورام کی تعریف تو بہت کرتا ہوگا؟''

''ایسی ویسی تعریف۔'' میں نے جلتی پر پیٹرول چھڑکتے ہوئے کہا۔ ''وہ جب گولورام کے عملیات کے قصے سنانے بیٹھتا ہے تو سمجھو، زمین آسمان ایک ہو جاتے ہیں.....''

نادرہ کی بے تابی ساتویں آسمان کو چھونے لگی۔ اضطراری لہجے میں پوچھنے لگی۔ ''آپ کا کزن کل کس وقت کراچی پہنچ رہا ہے؟''

''وہ رات ہی کو یہاں پہنچے گا.....!'' میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

وہ قدرے مایوس ہو گئی پھر معتدل انداز میں کہا۔ ''پھر تو مجھے آپ کے پاس پرسوں ہی آنا ہو گا.....!''

''جی ظاہر ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں کل رات کو کسی وقت مظفر سے آپ کی ''امانت'' لے لوں گا۔ آپ پرسوں دن میں مجھ سے لے لینا پھر سمجھو کہ.....ساتوں بیڑے پار۔

اللہ اللہ، خیر سلا!''

میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ اگر میں اپنے مفروضہ کزن کی آمد کی اطلاع دن کے کسی وقت کی دیتا تو وہ پرسوں کا انتظار نہ کرتی اور کل ہی میرے پاس پہنچ جاتی۔ اس نے ایک طویل سانس خارج کی اور کہا۔

''بہت بہت شکریہ بیگ صاحب! آپ نے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔''

میں نے انہیں رخصت کرنے سے پہلے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''نادرہ خاتون! ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ آپ کے کیس میں مجھے صرف سروس چارجز کے علاوہ کچھ نہیں ملا ہے۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھنا کہ میں نے بہت کما لیا ہے۔ مظفر بیگ نے گولورام کو ایک تگڑی رقم دے کر وہ بندش بنوائی ہے۔ یہ ہندو اور بنگالی عامل پیسا تو بہت لیتے ہیں لیکن کام پکا کرتے ہیں۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''یہ لوگ یہاں پاکستان میں بھی کہیں بیٹھے دھندا کر رہے ہیں۔ ان کے ریٹ سن کر ہی دماغ گھوم جاتا ہے لیکن بیگ صاحب! وہی بات ہے نا.....'' اس نے ذرا رک کر ایک گہری سانس لی پھر وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

''جس کا کام پھنسا ہوتا ہے، وہ کہیں نہ کہیں سے رقم کا بندوبست بھی کر ہی لیتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں، اگر آپ کو ہمارے کیس میں بچت نہیں ہوئی تو میں کام ہو جانے کے بعد آپ کی کچھ اور خدمت کر دوں گی۔ میرا نام نادرہ خاتون ہے۔ اس بخت ماری یمنیٰ سے نجات مل جائے تو میں آپ کو منہ مانگا دوں گی۔''

ویسے نادرہ تھی بڑی کائیاں عورت۔ اس نے مزید خدمت کے لیے ''کام ہونے'' کی شرط عائد کر دی تھی۔ مجھے چونکہ اس قسم کی خدمت شدمت کا شوق نہیں تھا لہٰذا دوٹوک الفاظ میں، میں نے کہہ دیا۔

''نہیں نادرہ خاتون! میں آپ سے مزید ایک پائی بھی نہیں لوں گا۔ کمانے کے لیے اور بہت سی پارٹیاں ہیں۔ آپ نے میری فیس ادا کر دی، بس یہی کافی ہے۔ ہاں..... اگر یہ کیس عدالت میں جاتا اور مجھے قانونی محاذ پر، وکیل مخالف سے زبردست مقابلہ کرنا پڑتا تو دوسری بات ہوتی.....!''

اس نے تہ دل سے میرا شکریہ ادا کیا اور اپنی بیٹی کے ساتھ رخصت ہو گئی۔

✠ ✠ ✠

یمنیٰ ایک دلکش، خوبصورت اور طرح دار عورت تھی۔ اس کی شادی کو لگ بھگ ایک سال ہونے کو آ رہا تھا تاہم اس کو دیکھ کر لگتا نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ وہ کالج گرل نظر آتی تھی۔ اس وقت وہ اپنے شوہر آصف کے ساتھ میرے دفتر میں بیٹھی ہوئی تھی۔

آصف نے یہاں لانے سے پہلے اسے اس ملاقات کے حوالے سے مختصراً بریف کر دیا تھا لہٰذا اس کی آنکھوں اور چہرے پر الجھن کے آثار نہیں تھے تاہم رسمی علیک سلیک کے بعد وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ وہ دیکھ آصف کی طرف رہی تھی لیکن سوال مجھ سے کر رہی تھی۔

''وکیل صاحب! اس کھیل میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''یہی بتانے اور سمجھانے کے لیے تو بیگ صاحب نے ہمیں اپنے پاس بلایا ہے۔'' آصف ہی نے اسے جواب بھی دیا۔ ''ابھی سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

بات ختم کرتے ہی وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کچھ زیادہ نہیں کرنا۔ بس تھوڑی ایکٹنگ ہے..... عمدہ اور منجھی ہوئی اداکاری۔ نادرہ خاتون، فائزہ یا عمران کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ تم لوگ ایکٹنگ کر رہے ہو، سب کچھ نیچرل وے میں ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب!'' وہ یکے بعد دیگرے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے پھر بیک زبان ہو کر کہا۔ ''ہم آپ کی ہدایات پر سو فیصد عمل کریں گے۔''

میں نے یمنیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہو؟''

''جی..... اللہ کا شکر ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میں ان کے ساتھ خوش نہ ہوتی تو کب کا یہ گھر چھوڑ کر اپنے میکے جا چکی ہوتی۔ آصف میرا اتنا زیادہ خیال رکھتا ہے کہ میں اس کے ساتھ جہنم میں بھی سکھی رہ سکتی ہوں۔''

''بہت خوب.....!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن اب تم نے اس کے برعکس ظاہر کرنا ہے اور اپنی ساس کو باور کرانا ہے کہ تم شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہو اور بہ حالت مجبوری یہ رشتہ نبھا رہی ہو۔ اس کھیل کا آغاز ایک دن چھوڑ کر ہوگا یعنی..... پرسوں سے تم لوگوں کی اداکاری شروع۔ کل دن میں نادرہ بیگم مجھ سے ملنے آئے گی، میں اس کو کیا پٹی پڑھاتا ہوں، یہ جاننا تم لوگوں

کے لیے ضروری نہیں ہے۔ بس یوں سمجھیں، پرسوں صبح سے تمہاری شوٹنگ شروع ہوگی۔ شیڈول کچھ اس طرح ہوگا.....'' میں سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پرسوں صبح آفس جانے سے پہلے تم اپنی بیوی سے تلخ کلامی کرو گے۔'' میں نے آصف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آواز اتنی بلند ہونا چاہیے کہ نادرہ یا فائزہ کے کانوں تک ضرور رسائی حاصل کرلے۔ تم تھوڑی دیر کے بعد برا سا منہ بنا کر آفس کے لیے روانہ ہو جاؤ گے۔'' پھر میں نے یمنیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔

''دن بھر تمہارا موڈ آف رہے گا۔ تم کچن، واش روم، ڈرائنگ روم، بیڈ روم..... الغرض جہاں بھی جاؤ گی، تمہارے ہاتھ سے کوئی نہ کوئی شے خود بخود گرتی رہے گی۔ اس طرح بعض برتن وغیرہ ٹوٹنے سے نقصان بھی ہوسکتا ہے لیکن کسی بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے چھوٹا موٹا نقصان برداشت کرنا ہی پڑتا ہے.....''

''آپ فکر نہ کریں بیگ صاحب۔'' آصف میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''یمنیٰ اور میں بہ آسانی یہ کرلیں گے۔''

''اس بات کے امکانات ہیں کہ تمہاری اس بیزاری اور موڈ کی خرابی پر ساس اور نند خاموش رہیں۔'' میں نے یمنیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر وہ خاموش رہیں تو کم از کم تین دن تک یہی ''کارروائی'' دہرائی جائے لیکن ذرا مختلف انداز میں مثلاً.....'' میں نے ایک مختصر سا توقف کیا پھر اپنے منصوبے کی تفصیل سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''مثلاً پہلے روز جب آصف آفس سے واپس آئے گا تو اس کے پاس گاڑی نہیں ہوگی۔ وہ گاڑی کو آفس میں، کسی گیراج میں یا اپنے کسی دوست کی ہاں کھڑی کرسکتا ہے۔ گاڑی کے بغیر گھر آنا ایک ایسا واقعہ ہوگا کہ گھر کا ہر فرد پوچھے گا..... گاڑی کہاں ہے؟''

''بالکل..... یہ تو ہنڈریڈ پرسنٹ ہے۔'' آصف ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے جوشیلے لہجے میں بولا پھر پوچھا۔ ''میں ان کے اس سوال کا کیا جواب دوں گا؟''

''تم بڑے بجھے ہوئے دل اور افسردہ لہجے میں انہیں بتاؤ گے کہ صبح آفس جاتے ہوئے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ گاڑی کو موٹر مکینک کے پاس چھوڑا ہے۔ دو، ایک دن میں ٹھیک ہو کر آجائے گی۔'' میں نے آصف کو اس کا کردار سمجھانے کے بعد یمنیٰ کی طرف

دیکھا اور کہا۔

''اس روز رات کو بھی تم لوگوں کے بیڈ روم میں سے اس نوعیت کے سگنل ملتے رہنا چاہیے کہ تم دونوں میں شدید قسم کی ان بن ہو گئی ہے۔ آصف اس قدر ٹینس ہے کہ صبح ایکسیڈنٹ کر بیٹھا، ورنہ آج تک اس کا معمولی سا بھی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا تھا کجا یہ کہ گاڑی دو دن کے لیے گیراج میں پہنچ گئی۔ نادرہ اور فائزہ کو یہی تاثر ملنا چاہیے کہ آصف تمہاری وجہ سے پریشان ہے۔ تم نے اپنے شوہر کا جینا حرام کر دیا ہے۔ اگلے روز صبح آصف ناشتا کیے بغیر آفس چلا جائے گا اور تم سارا دن اپنے بیڈ روم میں پڑی سوئی رہو گی۔ خورونوش کی مختلف اشیا کو پہلے ہی بیڈ روم میں پہنچا دینا تاکہ بے چارے معدے کے ساتھ کوئی ظلم نہ ہو۔ ممکن ہے، ساس یا نند میں سے کوئی تمہاری خیریت پوچھنے آ جائے۔ اگر کوئی بیڈ روم میں جھانک کر نہیں دیکھتا تو کوئی بات نہیں..... اگر کوئی پوچھتا ہے تو تم خرابی طبیعت کا بہانہ بنا سکتی ہو۔ کمر یا سر میں درد بتا سکتی ہو وغیرہ وغیرہ..... اگر کھانے کے لیے کہا جائے تو ''بھوک نہیں ہے'' کہہ کر ٹال سکتی ہو۔''

میں ایک مرتبہ پھر آصف کی طرف متوجہ ہوا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ پراسس لگاتار تین دن تک چلے گا، ایک آدھ دن کا اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کام کو اس وقت تک روکا نہیں جا سکتا جب تک نادرہ خاتون کھل کر اس معاملے میں نہ کود جائے۔ یہ مرحلہ پہلے، دوسرے دن بھی آ سکتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک ہفتہ بھی لگ سکتا ہے.....''

''اور جب آصف کی امی اس معاملے میں، بقول آپ کے کود جائیں تو اس موقع پر مجھے کیا کرنا ہو گا؟'' یمنیٰ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''اس مرحلے پر تمہیں اپنے دل کا غبار دھونا ہو گا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ ''کیا مطلب بیگ صاحب؟''

یمنیٰ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں نے آصف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یار آصف، تم کسی بات کا برا نہیں منانا۔ تمہاری امی جان ہم سب کے لیے لائق احترام ہیں لیکن یہ سب کچھ انہی کی اصلاح کے لیے کیا جا رہا ہے.....'' پھر میں نے روئے سخن دوبارہ یمنیٰ کی جانب موڑا اور کہا۔

''اس موقع پر تمہیں اس طرح اپنا دل کا غبار نکالنا ہے کہ پورے سال کی کسر نکل جائے۔ تم نے غضب ناک انداز میں اپنی ساس کو آڑے ہاتھوں لینا ہے۔ کسی بات کی کوئی پروا نہیں کرنی۔ چیخ

چیخ کر اور چلا چلا کر نادرہ خاتون کو کھری کھری سنا نا ہیں، چاہے پورا محلہ کیوں نہ جمع ہو جائے۔ تمہارا موقف یہ ہونا چاہیے کہ اس ساری خرابی کی جڑ تمہاری ساس ہے۔ وہی اپنے بیٹے یعنی آصف کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی ہے جس کے نتیجے میں آصف تم سے جھگڑا کرتا ہے۔ تمہاری زندگی پچھلے کچھ عرصے سے جہنم کا نمونہ بن کر رہ گئی ہے۔ آج فیصلہ ہو کر رہے گا کہ..... اس گھر میں نادرہ رہتی ہے یا میں..... وغیرہ وغیرہ.....!'' میں نے لمحاتی توقف کر کے یمنیٰ کی آنکھوں میں دیکھا پھر پوچھا۔

''تم ایسا کر لوگی نا.....؟''

''آں.....!'' آصف نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن چپ ہو گیا۔

یمنیٰ نے کہا۔ ''میں ایسا کر تو لوں گی لیکن اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟''

''نتیجہ تمہاری توقع سے بھی بڑھ کر برآمد ہوگا.....!'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا پھر آصف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مسٹر آصف! تم نے ''آں'' کے بعد چپ کیوں سادھ لی تھی۔ کوئی پرابلم؟''

''وہ دراصل بیگ صاحب!'' وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''یمنیٰ کے ساتھ ایک اور مسئلہ بھی تو ہے نا.....!''

''کیسا مسئلہ؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''یمنیٰ امید سے ہے۔'' وہ شرماتے ہوئے بولا۔ ''یہ راز صرف ہم میاں بیوی کے بیچ ہے۔ ہم نے ابھی تک کسی کو بتایا نہیں۔ سمجھیں کہ یہ معاملہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے آصف۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اور تم اسے مسئلہ کہہ رہے ہو.....؟''

''وہ..... میں یہ کہہ رہا تھا کہ یمنیٰ کی دھواں دھار اداکاری سے کہیں ہمارے آنے والے بچے پر کوئی منفی اثر تو نہیں پڑے گا نا.....؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے پورے یقین سے کہا۔ ''دراصل، ماں کی حقیقی سوچ بچے پر اثر انداز ہوتی ہے جبکہ یہاں تو اول آخر ڈراما ہو رہا ہے۔ یمنیٰ کو بخوبی اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ محض اداکاری کر رہی ہے لہٰذا اس کی پرفارمنس کسی بھی طور بچے کو متاثر نہیں کرے گی۔''

''تھینک یو بیگ صاحب.....!'' یمنیٰ نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ نے تسلی دے کر تو ہمارے ذہن کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔''

''ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اب ذرا حالات حاضرہ کی طرف آتے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر آصف کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''آصف! اس روز جب تم آفس سے واپس آؤ گے تو گھر کو میدان جنگ میں بدلا ہوا پاؤ گے۔ دونوں پارٹیاں بڑے جوش وخروش کے ساتھ تمہیں رپورٹ پیش کریں گی۔ ایک طرف تمہاری امی دباؤ ڈالیں گی کہ بہو نے ان کے ساتھ بڑی بدتمیزی کی ہے لہٰذا تم اپنی بیوی کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دو..... دوسری جانب، یمنیٰ تمہاری کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوگی۔ اس کا موقف یہ ہوگا کہ تمہاری امی نے اس کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اسی موقف پر ڈٹ کر وہ تم سے مطالبہ کرے گی کہ فوراً اس کے ابو کو بلایا جائے۔ وہ اب اس گھر میں ایک سیکنڈ بھی نہیں رکے گی۔ بس بہت ہو گئی.....!''

''تو کیا مجھے واحد انکل کو بلانا ہوگا؟'' آصف نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''بالکل بلانا ہوگا.....'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اسکرپٹ کے مطابق اگر تم نہیں بلاؤ گے تو یمنیٰ خود فون کر کے اپنے ابو کو صورت حال سے آگاہ کرے گی۔ واحد انکل دوڑے دوڑے آئیں گے اور دھواں دھار بحث ومباحثے کے بعد وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے جائیں گے..... یہ سب تو ہونا ہے لیکن ذرا مختلف ترتیب کے ساتھ۔'' میں ایک مرتبہ پھر تھوڑی دیر کے لیے تھما۔ ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد باری باری ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لیا اور وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''ہم واپس اپنے سین پر آتے ہیں۔ اسٹوری لائن یہ ہے کہ یمنیٰ اچھل اچھل کر (محاورتاً) اپنے ابو کو بلوانے کا مطالبہ کر رہی ہے لیکن تم اسے بڑے آرام سے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم ابھی تک طیش میں نہیں آئے۔ ظاہر ہے، تمہارا یہ شرافت بھرا طرز عمل نادرہ خاتون کو بالکل پسند نہیں آئے گا۔ وہ اپنی کڑوی اور نکیلی باتوں سے تمہیں یمنیٰ کے خلاف غصہ دلانے کی تگ ودو کریں گی اور ایک موقع پر تم ریلیش ہو جاؤ گے..... اداکاری کی حد تک۔ تم یمنیٰ کو کھری کھری سنانے کے بعد کہو گے کہ اگر اسے زیادہ ہی میکے جانے کا شوق ہے تو خود اپنے ابو کو فون کر کے بلائے اور فوراً تمہارے گھر سے دفع ہو جائے۔ تمہاری زبان سے اس قسم کے الفاظ سن کر نادرہ خاتون کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ وہ تمہیں لائق فائق اور قابل بیٹا تسلیم کر لیں گی، جس نے بیوی کے مقابلے میں ماں کا ساتھ دے کر فرماں برداری کا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا۔'' میں نے تھوڑا وقفہ کر کے ان دونوں کے

چہروں پر ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لیا پھر اپنی بات کو اختتامی موڑ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

''میں عبدالواحد کو اچھی طرح سمجھا دوں گا کہ اس موقع پر اور اس کے بعد اسے کس نوعیت کا کردار ادا کرنا ہے۔''

''تو کیا ہمارے ساتھ ساتھ ابو بھی اس ڈرامے میں اداکاری کریں گے؟'' یمنیٰ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''نہ صرف تمہارے ابو..... بلکہ آصف کے ابو بھی!'' میں نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔

''اس ڈرامے میں سب کا اپنا اپنا کردار ہے، جو اس طے شدہ لوکیشن پر ادا کرنا ہے بلکہ اس کھیل میں دو مہمان، ان جان اداکار بھی شامل ہیں جو کسی سین میں موجود نہیں ہوں گے لیکن ان کا ذکر کئی سینز میں ہوتا رہے گا۔''

''وہ دونوں کون ہیں؟'' یمنیٰ نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''ایک کا نام مرزا مظفر بیگ اور دوسرے کا نام گولو رام ہے۔'' میں نے تجسس بھرے انداز میں کہا۔ ''ان لوگوں کے بارے میں، میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا.....''

یمنیٰ نے پوچھا۔ ''آصف کے ابو کا کیا کردار ہے؟''

''بھئی، میں ایک اداکار کا کردار کسی دوسرے کو نہیں بتا سکتا۔'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔ ''تم دونوں کو تمہارے رولز سمجھا دیئے۔ تمہارے بعد عبدالواحد کی اداکاری کا نمبر ہے اور اس کے بعد خلیل احمد اداکاری کے کمالات دکھائیں گے۔ یہ دونوں حضرات جو کچھ بھی کریں گے، آپ لوگوں کے سامنے آجائے گا۔''

وہ مزید پندرہ منٹ تک گھما پھرا کر مختلف زاویوں سے سوالات کرتے رہے۔ میں نے ایسے جوابات دیئے جن سے ان کی تسلی ہوگئی۔ پھر وہ میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہوگئے۔

میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر خود کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''مرزا امجد بیگ صاحب! آپ کن چکروں میں پڑ گئے ہیں؟''

میرے اندر ہی سے اس سوال کا جواب بھی ابھر کر سامنے آ گیا۔ ''بیگ صاحب! کبھی کبھی ایسے چکروں میں بھی پڑ جانا چاہیے۔ عدالت کے اندر تو اپنی وکالت دکھانے کا اکثر موقع ملتا ہی رہتا ہے، کبھی عدالت کے باہر بھی تو ذہن کے گھوڑوں کو زحمت دینا چاہیے..... اور اب تو اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے، موسلوں کا کیا ڈر..... بیگ صاحب! آپ نے نارہ بیگم سے اپنی مکمل فیس وصول کی

ہے۔اس گھر کے امن وسکون کو واپس لانے کی ذمے داری اب آپ پر عائد ہوتی ہے۔''

میں نے سوچ کی نگری سے باہر نکل کر خود کلامی کی۔''ہاں، یہ تو ہے.....اب تو یہ معاملہ نمٹانا ہی ہوگا۔میں اگر اپنے کلائنٹس سے تگڑی فیس لیتا ہوں تو اسے حلال بھی کرتا ہوں۔''

✠ ✠ ✠

میں نے ایک سیاہ کاغذ کے چوکور ٹکڑے پر وائٹو (سفیدہ) سے مختلف خانے بنا کر ان کے اندر ہندی اور اردو کے مختلف حروف اور ہندسے بھر دیئے تھے۔میں تعویذ یا بندش وغیرہ بنانا تو نہیں جانتا لیکن مختلف نوعیت کے تعویذ گنڈوں، فلیتوں اور بندشوں کو دیکھنے کا موقع ضرور ملا ہے لہٰذا میں نے اپنی یادداشت کے زور پر نادرہ بیگم کے لیے ایک بندش تیار کر لی تھی۔کالے رنگ کا کاغذ استعمال کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ نادرہ خاتون اس کو کوئی نہایت ہی سخت قسم کا کالا جادو سمجھ کر مطمئن ہو جائے۔

اور وہ کچھ حد سے زیادہ ہی مطمئن ہو گئی تھی.....!

اس روز وہ اکیلی ہی میرے دفتر پہنچی تھی۔رسمی علیک سلیک کے بعد وہ مطلب کی بات پر آ گئی اور اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''بیگ صاحب! آپ کی اپنے کزن سے بات ہوگئی.....؟''

''ہاں، بات ہوگئی اور ملاقات بھی ہوگئی۔''میں نے اس کی بے تابی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''انہوں نے وہ بندش آپ کو دے دی ہوگی؟''اس نے پوچھا۔''وہ جو ہندو عامل گولو رام نے ہمارے لیے تیار کی ہے۔''

''جی بالکل.....!''میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی پھر اپنی میز کی دراز میں سے مذکورہ ''بندش'' نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔''یہ لیں.....آپ کی امانت آ گئی۔''

اس بدعقیدہ، پڑھی لکھی جاہل عورت نے نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ وہ بندش وصول کی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔''کیا میں اسے کھول کر دیکھ سکتی ہوں.....؟''

میں نے قطعی انداز میں کہا۔''ہرگز نہیں!''

ایسی بات نہیں تھی کہ اس فضول قسم کے تہ شدہ کاغذ کو کھول کر دیکھنے پر کوئی قیامت برپا ہو جاتی۔

یہ میں نے اس کے یقین کو مزید پختہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ عاملین، اور کاملین (ماہرین سفلیات) کے ہاں اس نوعیت کے تعویذات کو کھول کر دیکھنے کی ممانعت ہوتی ہے۔

نادرہ خاتون کی اندھی عقیدت کو دیکھ کر مجھے شدید غصہ آ رہا تھا۔ کاش! اس عاقبت نا اندیش عورت نے اس سے آدھی سنجیدگی اور عقیدت کے ساتھ بھی، اپنے اردگرد بسنے والے لوگوں کے جذبات اور احساسات کو دیانت داری سے سمجھنے کی کوشش، بہ الفاظ دیگر زحمت کی ہوتی تو آج صورت حال بہت مختلف ہوتی، بہت ہی پرسکون اور خوشگوار.....!

وہ منتظر نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''گولورام نے یہ بندش دیتے ہوئے مظفر بیگ کو تاکید کی تھی کہ کسی بھی صورت میں اسے کھول کر نہیں دیکھنا ورنہ اس کا اثر زائل ہو جائے گا، ویسے آپ کی مرضی ہے!''

''نہیں نہیں.....'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ''میں ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گی..... میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں۔''

اس کے آخری جملے پر میں نے بڑے افسوس ناک انداز میں اسے دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔ ''ہاں بھئی، یہ بھی ٹھیک ہے۔ اگر تم پاگل نہیں ہو تو پھر پتا نہیں، پاگلوں کی کوالیفکیشن کیا ہوگی، پھر زبان سے کہا۔ ''ظاہر ہے، آپ کو ایسی غلطی کرنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ تو بہت ہی نازک معاملہ ہے۔ گولورام نے تو مظفر بیگ کو ایک اور بھی ہدایت کی تھی.....!'' میں نے جاتے جاتے ایک اور پھلجھڑی چھوڑ دی تھی۔

''وہ کیا.....؟'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوئی۔

میں نے گہری سنجیدگی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ یہ کہ بندش والے معاملے کو سب سے چھپا کر رکھنا ہے۔ کسی کو اس راز کی خبر نہیں ہونا چاہیے۔ گولورام نے نام مع والدہ کے حساب سے بڑی زبردست پڑھائی کی ہے۔ بس، اب اس تعویذ کو کسی طرح یمنیٰ کے کمرے میں چھپا کر رکھ دینا ہے۔ گولورام کا دعویٰ ہے کہ تعویذ دبانے کے بعد دس دن کے اندر کام بڑے تسلی بخش انداز میں ہو جائے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں بیگ صاحب!'' وہ سہمے ہوئے انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ ''یہ راز میرے اور فائزہ کے بیچ ہی رہے گا۔''

''مجھے تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''اس میں میرے

نقصان والی کوئی بات نہیں۔ گناہ وثواب سب آپ کے ذمے ہے۔''

''میں خیال رکھوں گی جی.....'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ ''اس کام میں ناکامی مجھے منظور نہیں.....''

وہ مزید پندرہ منٹ تک میرے پاس بیٹھی رہی پھر رخصت ہونے سے پہلے پوچھا۔ ''بیگ صاحب! مجھے دوبارہ کب آنا ہے؟''

''جیسے ہی یہ بندش کوئی اثر دکھلانے لگے، آپ فوراً مجھے اس کی رپورٹ دینا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''انشاءاللہ! بہت جلد ہماری ملاقات ہوگی۔''

''انشاءاللہ!'' وہ تہ دل سے بولی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

✠ ✠ ✠

عبدالواحد کی عمر پچپن کے قریب ہوگی۔ وہ ایک دراز قامت اور صحت مند شخص تھا۔ رنگت سانولی اور چہرے پر داڑھی۔ وہ سر پر ایک مخصوص طرز کی ٹوپی لگاتا تھا۔ آصف اسے بنیادی باتوں سے آگاہ کرنے کے بعد میرے پاس لایا تھا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں یمنیٰ اور آصف کے رول کو واضح کرنے کے بعد کہا۔

''واحد صاحب! جب یمنیٰ کی سسرال میں سے یمنیٰ یا گھر کا کوئی بھی فرد آپ کو فون کر کے آنے کے لیے کہے تو آپ غصے میں آگ بگولا بن کر وہاں پہنچیں گے۔ یمنیٰ رو رو کر آپ کو اپنی داستان غم سنائے گی۔ آپ کی شفقت پدری انگڑائی لے کر بیدار ہو جائے گی اور آپ یمنیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آ جائیں گے۔ اس مرحلے پر اگرچہ امید تو نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر کسی نے آپ کو روکنے کی کوشش کی تو آپ کسی کی نہیں سنیں گے۔ بس، آپ کی ایک ہی رٹ ہوگی.....اس جہنم نما گھر میں آپ کی بیٹی ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی.....'' پھر میں نے رک کر آصف کی طرف دیکھا اور کہا۔

''اور کوئی روکے یا نہ روکے لیکن تم یہ کوشش ضرور کرو گے۔ واحد صاحب تمہاری کسی بات پر دھیان نہیں دیں گے اور تمہارا ہاتھ جھٹک کر اپنی بیٹی کو لے جائیں گے۔ اس موقعے پر تمہارے چہرے پر غم، غصہ، افسوس اور رنجیدگی کے ملے جلے تاثرات ہوں گے۔ ٹھیک ہے.....؟''

''جی بیگ صاحب! بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

میں عبدالواحد کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''واحد صاحب! یمنیٰ کو اپنے گھر لے جانے کے بعد آپ

کوایک چھوٹی سی قربانی دینا ہوگی۔''

''کیسی قربانی وکیل صاحب؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''یمنیٰ کو ابھی ایک دو دن آپ کے پاس آئے ہوئے ہوں گے کہ آصف آپ کے گھر کے چکر لگانا شروع کر دے گا۔''

''میں.....؟'' آصف نے حیرت بھرے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''ہاں تم!'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا پھر وضاحت کر دی۔ ''جب واحد صاحب اپنی بیٹی کو تمہارے گھر سے لے جائیں گے تو ایک آدھ گھنٹا تو تم صدمے کی سی کیفیت میں بیٹھے رہو گے، پھر تم پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگے گی۔ یہی جھنجلاہٹ رفتہ رفتہ غصے میں بدل جائے گی اور تم گھر کے افراد پر چیخنا چلانا شروع کر دو گے اور بڑے کھلے الفاظ میں کہو گے کہ یمنیٰ کے چلے جانے میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہے۔ اسی موقعے پر تم یہ انکشاف بھی کرو گے کہ یمنیٰ کے پیٹ میں تمہارا بچہ پل رہا ہے۔ یہ انکشاف تمہارے لیے ایک نیا راستہ کھول دے گا'' میں لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''یمنیٰ کے گھر چکر لگانے کا راستہ..... وہ تمہارے بچے کی ماں ہوگی لہٰذا اگلے دن سے جب تم اس سے ملنے واحد صاحب کے گھر کا رخ کرو گے تو کسی کو نہ تو حیرت ہوگی اور نہ ہی معیوب لگے گا۔''

میں نے دوبارہ روئے سخن واحد کی جانب موڑا اور کہا۔ ''واحد صاحب! میں نے تھوڑی دیر پہلے کسی ''قربانی'' کا ذکر کیا تھا.....!''

''جی جی.....'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''لیکن آپ نے قربانی کی وضاحت نہیں کی تھی؟''

''اس قربانی کی وضاحت یہ ہے کہ.....'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جب آصف کو آپ کے گھر چکر لگاتے دو تین دن ہو جائیں تو آپ اپنے گھر کے قریب ہی کوئی چھوٹا موٹا فلیٹ کرائے پر لے کر ان دونوں کے رہنے سہنے کا بندوبست کر دیں گے۔ آصف گھر میں اپنے والد صاحب کو یہ بتا کر آئے گا کہ وہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کہیں الگ تھلگ رہے گا وغیرہ وغیرہ..... آپ واحد صاحب! اس موقعے پر اپنی بیٹی اور داماد کو ہر قسم کی مالی، اخلاقی اور معاشرتی مدد دیں گے۔''

''آپ بالکل فکر نہ کریں وکیل صاحب!'' وہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ بولا۔ ''یہ سب

کچھ ایک نیکی کے جذبے کے تحت کیا جا رہا ہے۔ مقصد صرف اور صرف نادرہ بہن کی اصلاح ہے۔ اس کام کی تکمیل کے لیے اگر اداکاری کے ساتھ ساتھ مجھے لاکھ دو لاکھ خرچ بھی کرنا پڑیں تو پروا نہیں ہے۔ اگر نادرہ بہن سدھر جائیں گی تو وہ گھر میری بیٹی کے لیے جنت بن جائے گا۔ میں یمنیٰ کی خوشی کے لیے ہر نقصان برداشت کر سکتا ہوں۔ لاکھ، دو لاکھ کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''سمجھیں کہ یہ کام تو ہو گیا۔ آصف جیسے ہی گھر چھوڑے گا، خلیل احمد کا کردار شروع ہو جائے گا۔''

''ابو کی انٹری سب سے آخر میں.....!'' آصف نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''آخر وہ کریں گے کیا؟''

''بھئی، ان کا رول سب سے زیادہ اہم ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ اس ڈرامے کا وائنڈ اپ کریں گے۔ نادرہ خاتون نے مجھے بتایا تھا کہ تم لوگ جس گھر میں رہ رہے ہو، وہ خلیل احمد کے نام ہے.....؟''

''ہاں.....گھر تو ابو ہی کے نام ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن.....؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے جملہ نامکمل چھوڑا تو میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن.....کے بارے میں اس وقت بتاؤں گا جب تم اپنے ابو کو ساتھ لے کر میرے پاس پہنچو گے.....!''

اس کے بعد آصف نے کوئی سوال نہیں کیا۔ اتنے دنوں میں وہ میرے مزاج اور اسٹائل کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ میں نے مزید چند ہدایات دینے کے بعد رخصت کر دیا۔

✠ ✠ ✠

اگلے روز خلیل احمد اپنے بیٹے کے ساتھ میرے پاس آیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے خلیل احمد کو اپنی اب تک کی کارگزاری اور مختلف کرداروں کے رولز کے بارے میں بتایا پھر کہا۔

''خلیل صاحب! آپ کی انٹری اس کھیل میں اس وقت ہو گی جب آصف گھر چھوڑ کر یمنیٰ کے ساتھ رہنے چلا جائے گا۔''

''لیکن مجھے کرنا کیا ہو گا؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''اداکاری۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بہت منجھی ہوئی اداکاری.....!''

''ذرا وضاحت کریں وکیل صاحب؟'' اس نے متاملانہ انداز میں پوچھا۔

خلیل احمد کی عمر ساٹھ کے اریب قریب تھی۔ وہ ایک ریٹائرڈ بینکر تھا۔ متناسب بدن، قد پستہ اور چہرے پر ہلکی سی سیاہ داڑھی۔ داڑھی کے بالوں کی ''سیاہی'' ہیئر کلر کی رہین منت تھی۔ وہ اپنی وضع قطع، رکھ رکھاؤ، چہرے کے تاثرات اور بات چیت سے ایک معقول اور شریف النفس انسان لگتا تھا۔ میں نے اس کی الجھن کے جواب میں کہا۔

''خلیل صاحب! آپ اس مکان کے مالک ہیں، جہاں پر سارا فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ جیسے ہی آصف گھر چھوڑ کر جائے گا، آپ ایک عظیم الشان ہنگامہ برپا کریں گے۔ آپ کی تنقید، لعن طعن اور غم و غصے کا نشانہ صرف اور صرف نادرہ خاتون ہوگی۔ ظاہر ہے وہ آپ کی تلخ اور ترش باتوں کے جواب میں بہت اچھلے کودے گی کیونکہ آپ عمومی زندگی میں اس قسم کے روّیے کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ وہ آپ کی طرف سے ایسے جارحانہ اور بہادرانہ اقدام کی ہرگز توقع نہیں رکھتی ہوگی لہٰذا اس موقعے پر وہ جو بھی کر لے، کم ہے۔ آپ کو کیا کرنا ہے.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو یہ کرنا ہے کہ..... ایک مضبوط اور طاقتور مرد کی طرح تحکمانہ انداز میں، گھر کے افراد کے سامنے اپنے اس فیصلے کا اعلان کرنا ہے..... میں اس گھر کو فروخت کر رہا ہوں۔ آپ لوگ اپنی رہائش کا بندوبست کر لیں۔''

''بندوبست کر لیں.....!'' نادرہ بیگم پوچھے گی۔ ''ہم کیا بندوبست کریں، تم جہاں کہیں بھی جا کر رہو گے، ہم تینوں بھی تمہارے ساتھ ہی رہیں گے۔''

''نہیں۔'' آپ قطعی انداز میں کہیں گے۔ ''نادرہ بیگم! تمہاری مہربانیاں بہت ہو چکیں۔ کسی شے کی کوئی حد بھی ہوتی ہے..... میرا فیصلہ کسی بھی صورت بدلنے والا نہیں۔ میں اس گھر کو فروخت کر کے سیدھا عمرے کے لیے جاؤں گا اور پھر کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ ساری زندگی اللہ کے گھر کے قرب و جوار میں کہیں گزار دوں گا۔ میری آرزو ہے کہ مجھے موت بھی وہیں آئے۔''

''یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن.....''

''آپ کی بات سن کر نادرہ خاتون بوکھلا جائے گی۔ اس کا متوقع ردعمل یہ ہوگا۔ ''آپ .....ضرور جائیں عمرے پر..... یہ تو بڑی سعادت کی بات ہے لیکن اس فریضے سے فارغ ہونے کے بعد آپ واپس گھر آئیں گے..... ہاں!''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہو گے۔ ''نہ تو میں واپس آؤں گا اور

نہ ہی کوئی مجھے اس گھر کو فروخت کرنے سے روک سکتا ہے۔ اس گھر کی فروخت سے جو رقم ملے گی اس میں سے کچھ تو عمرے کے لیے اپنے پاس رکھ لوں گا اور باقی ضرورت مندوں میں بانٹ دوں گا لیکن تم تینوں کو ایک پائی نہیں ملے گی۔''

''ہمارا کیا ہوگا؟'' نادرہ بے حد سہمے ہوئے لہجے میں کہہ سکتی ہے۔ ''آصف کے گھر چھوڑنے سے آمدنی کا ذریعہ جاتا رہا۔ میں تو یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی کہ اب گھر کے خرچے کا کیا ہوگا اور اب تو آپ..... ہمارے سر کے اوپر سے چھت بھی چھین رہے ہیں، ہمارا کیا ہوگا، ہم کہاں جائیں گے۔ عمران تو ابھی پڑھ رہا ہے۔''

''یہ ساری باتیں تو آصف اور یمنیٰ سے جھگڑا کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھیں۔'' آپ چٹانی لہجے میں کہیں گے۔ ''اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ آصف اور یمنیٰ چلے گئے، میں بھی جا رہا ہوں، آپ جانو اور آپ کا..... فسادی ذہن.....!''

اس موقعے پر نادرہ خاتون مختلف حیلوں بہانوں سے آپ کو روکنے اور فیصلے بدلنے کے لیے کہیں گی لیکن اس کی کسی بھی پیشکش کے نتیجے میں آپ کو..... ٹس سے مس نہیں ہونا۔ ہر محاذ پر ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد وہ بال کو آپ کی کورٹ میں پھینک دے گی اور یہی وقت ہوگا ایک طاقتور ..... سپر شاٹ کھیلنے کا.....!''

اس نے چونک کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا، میں نے کہا۔

''نادرہ پوچھے گی، آپ ہی بتا دیں، کیا چاہتے ہیں، وہ کون سی راہ ہے جس کے ذریعے آپ گھر نہ بیچنے اور ہمیں چھوڑ کر نہ جانے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں؟''

آپ کہیں گے۔ ''بس..... ایک ہی راہ ہے.....!''

''کون سی؟'' نادرہ پوچھے گی۔

اس مرحلے پر آپ کی اداکاری کا امتحان ہوگا۔ بڑے نپے تلے الفاظ میں آپ نادرہ سے کہیں گے۔

''وہ راہ یہ ہے کہ آصف اور یمنیٰ امن و امان سے اس گھر میں واپس آ جائیں اور سب لوگ انسانوں کی طرح پیار محبت سے ہنسی خوشی رہنے لگیں۔ میں اس گھر کو آصف اور یمنیٰ کے نام کر دوں گا۔ یہ ان دونوں کی مشترکہ پراپرٹی بن جائے گی۔ جب تم لوگ اس کام کے لیے تیار ہو جاؤ گے اور آصف یمنیٰ کو لے کر یہاں آ جائے گا تو پھر میں بڑے اطمینان کے ساتھ عمرے کے لیے روانہ ہو

جاؤں گا اور واپس بھی آؤں گا کیونکہ واپس آ کر ہی تو مجھے اس مکان کو آصف اور یمنیٰ کے نام منتقل کرنا ہے۔''

''ویل ڈن!'' خلیل احمد نے ستائشی نظر سے مجھے دیکھا۔ ''وکیل صاحب! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ وکالت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

''مطلب یہ کہ.....'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کوئی اسکرپٹ ڈیزائنر ہیں، کوئی زبردست اسٹوری رائٹر..... آپ نے جس انداز میں ہمارے گھر کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے یہ پروگرام ڈیزائن کیا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہوگی۔''

میں نے اپنی اور اپنے منصوبے کی تعریف پر خلیل احمد کا شکریہ ادا کیا۔ وہ باپ بیٹا مزید تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھنے کے بعد رخصت ہو گئے۔

✠ ✠ ✠

آئندہ دس پندرہ دن یکے بعد دیگرے ان تمام کرداروں کے فون میرے پاس آتے رہے۔ میں نے نادرہ خاتون سمیت سب ہی کو تاکید کر دی تھی کہ وہ میرے دفتر آنے کی کوشش نہ کریں۔ ان کی اداکاری سے اچھے برے جو بھی نتائج برآمد ہوں، وہ مجھے فون پر بتاتے رہیں اور وہ یہی کام کر رہے تھے۔ اس کھیل کے نتائج میری توقعات سے کہیں بڑھ کر تھے۔ یہی سبب تھا کہ ٹھیک سولہویں دن آصف نے مجھے فون کیا۔

''بیگ صاحب! سب نمٹ گیا، سب سمٹ گیا.....!''

''کیا مطلب؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کے سکرپٹ نے جادو کی طرح اثر دکھایا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں یمنیٰ کے ساتھ واپس گھر آ چکا ہوں اور..... اور امی بھی بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں۔''

''ٹھیک ہو گئی ہیں.....!'' میں نے اسی کے الفاظ دہرائے۔ ''یعنی وہ سدھر گئی ہیں؟''

''جی..... جی ہاں، میرا یہی مطلب تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''بھئی..... بہت بہت مبارک ہو!'' میں نے تہ دل سے کہا، پھر پوچھا۔ ''مٹھائی کب آ رہی ہے.....؟''

''جب آپ کا حکم ہو.....!'' وہ جلدی سے بولا۔

''اچھا تو اب مٹھائی کے لیے بھی مجھے ہی حکم دینا ہوگا؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تمہیں خود کوئی احساس نہیں ہے.....!''

''سوری بیگ صاحب.....!'' وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں رواداری میں بول گیا تھا۔ میں یمنیٰ کے ساتھ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مٹھائی پیش کروں گا۔''

''یمنیٰ کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت خوش ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ اس کامیابی کا ذمے دار آپ کو ٹھہرا رہی ہے۔ آپ کے بنائے ہوئے پلان نے نہ صرف یہ کہ ہمارے گھر کو ٹوٹنے سے بچالیا بلکہ اس گھر کی رونقیں بھی واپس آ گئی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ امی کا رویہ یمنیٰ کے ساتھ بالکل نارمل ہو گیا ہے۔ میں نے ان کے اندر بہت ہی نمایاں اور مثبت تبدیلی محسوس کی ہے۔''

''بے شک یہ پلان میرا ہی تھا۔ میں ہی اس ڈرامے کا رائٹر، ڈائریکٹر تھا لیکن آپ لوگوں نے میرے اسکرپٹ کے مطابق اداکاری کر کے اس کھیل میں جان ڈال دی تھی خصوصاً یمنیٰ کی پرفارمنس لاجواب رہی.....''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''یمنیٰ اس کھیل کا مرکزی کردار تھی۔ اگر اس کی پرفارمنس میں ذرا سی بھی اونچ نیچ ہو جاتی تو بنا بنایا کام بگڑ کر رہ جاتا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی اسٹرونگ ایکٹنگ کر پائے گی۔ مجھے اس کے کردار پر فخر ہے.....''

''دراصل یمنیٰ کا کردار دو حصوں پر مشتمل تھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور دونوں ہی حصوں میں اس نے بڑی جان مار کر اپنے کردار کو نبھایا ہے۔ اگر تمہیں اس پر فخر ہے تو یہ اس کا حق بھی بنتا ہے۔ اب ایسی مثالی بیویاں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں ایسی ساتھ نبھانے والی شریک سفر ملی ہے۔''

''مجھے آپ کی بات سے مکمل اتفاق ہے۔'' وہ اثبات میں زبان ہلاتے ہوئے بولا، پھر پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ نے یمنیٰ کے کردار کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ذرا اس کی وضاحت کریں گے..... میرا ذہن الجھ رہا ہے.....؟''

''دیکھو بھئی!'' میں نے بڑی رسان سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''تم دونوں کی شادی کو سال، سوا سال ہوا ہے اور میری انٹری بہ مشکل بیس بائیس دن پہلے کی ہے۔ آپ لوگوں کی زندگی میں میری آمد کے بعد جو کچھ پیش آیا، وہ یمنیٰ کی پرفارمنس کا دوسرا حصہ ہے جس میں یقیناً اس نے

اپنی لاجواب اداکاری سے اس کھیل کو کامیاب بنایا ہے۔ اس کی پرفارمنس کا پہلا حصہ ایک سال کے عرصے پر محیط ہے جب میں آپ لوگوں کے حالات میں داخل نہیں ہوا تھا.....''

''اس حصے میں یمنیٰ نے کون سی اداکاری کی تھی؟'' آصف نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ایک مثالی بہو کی اداکاری!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یمنیٰ کے لیے نادرہ خاتون نے جس قسم کے حالات پیدا کر دیئے تھے، اس کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ لڑ جھگڑ کر، کب کا تمہیں چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔''

''واقعی بیگ صاحب!'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''یمنیٰ نے بڑی ہمت، جرأت اور ثابت قدمی سے نامساعد حالات کا مقابلہ کیا تھا۔''

''اللہ تم دونوں کو سلامت رکھے، نظر بد سے بچائے اور مزید اتفاق پیدا کرے!'' میں نے دعائیہ انداز میں کہا۔ ''اس قدر اہم ''شریک سفر'' کا بہت خیال رکھنا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد تم لوگ دو سے تین ہونے والے ہو.....اور ہاں۔''

''کون سی بات بیگ صاحب؟'' وہ میرا بیان مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''نادرہ خاتون کو کبھی، کسی بھی مرحلے پر یہ راز معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی اصلاح اور سدھار کے لیے ہم نے ایک سنسنی خیز ڈراما رچایا تھا۔''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ مطمئن ہو جائیں۔ اس سلسلے میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

دو چار مزید باتوں کے بعد ہمارے درمیان قائم ٹیلی فونک گفتگو کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

جھوٹی گواہی

غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے، فرشتے سے نہیں!

انسان کو کبھی فرشتہ بننے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہیے۔ اس کوشش میں وہ اپنے مرتبے کو گھٹا کر خالق کائنات کو ناراض کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ پاک پروردگار نے انسان کو فرشتے سے افضل پیدا کیا ہے۔ فرشتہ اگر عبادت گزار ہے، اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی، وہ گناہ سے مبرا ہے تو اس میں اس کا کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ ''لوازمات'' ہی نہیں رکھے جو غلطی اور گناہ کا موجب بنتے ہیں۔ فرشتے کو بھوک لگتی ہے، نہ ہی پیاس محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی اسے نیند آتی ہے۔ اس کی کوئی بیوی ہوتی ہے اور نہ ہی بچے ہوتے ہیں۔ وہ گھر اور گھر داری کی ذمے داریوں سے بھی بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کے وجود کے اندر جنس کے دیو کو بھی متحرک کر کے من مانی کرنے کے لیے نہیں چھوڑا گیا، جبکہ انسان کو ان تمام تر بشری کمزوریوں کے ساتھ، ایک کڑی آزمائش کے لیے اس دنیا میں اتارا گیا ہے۔

لہٰذا..... انسان سے غلطی کا سرزد ہونا اس بات کی پہچان ہے..... کہ وہ انسان ہے!

اس طویل تمہید کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ میں آفس سے اٹھنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ مجھے عموماً آفس میں دس تو بج ہی جایا کرتے تھے لیکن موسم سرما میں یہی وقت گھٹ کر ساڑھے آٹھ اور نو بجے تک آ جاتا تھا۔ وہ ماہ فروری کے ابتدائی ایام تھے۔ موسم کی شدت تو ٹوٹ چکی تھی البتہ رات میں اچھی خاصی خنکی ہو جایا کرتی تھی۔ موسم کا یہ احوال میں کراچی کے اعتبار سے بتا رہا ہوں جو ہمیشہ پورے ملک سے جدا ہی ہوا کرتا ہے۔

میں نے ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگایا اور ماؤتھ پیس میں دھیرے سے کہا۔ ''ہیلو.....!''

''ہیلو بیگ صاحب!'' ایک جانی پہچانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''جی چغتائی صاحب۔ کیا حال ہیں آپ کے؟''

''اللہ کا کرم ہے بیگ صاحب!'' نوید چغتائی نے جواب میں بتایا پھر پوچھا۔ ''آپ آفس میں اور کتنی دیر بیٹھے ہیں۔''

''بس میں تو نکلنے ہی والا تھا کہ آپ کا فون آ گیا' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''خیریت تو ہے نا.....؟''

''جی ہاں..... بالکل خیریت ہے۔'' وہ سرسری لہجے میں بولا۔ ''ایک پریشان حال نوجوان کو آپ سے ملوانے کے لیے لا رہا ہوں۔ اسے آپ سے قانونی مدد لینا ہے اور.....''

''چغتائی صاحب!'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''آپ کو کلفٹن سے یہاں پہنچنے میں آدھا، پونا گھنٹا تو لگ ہی جائے گا۔ آپ اس ملاقات کو کل کے لیے رکھ لیں تو.....!''

''میں گھر سے تھوڑی آ رہا ہوں.....!'' اس مرتبہ چغتائی نے قطع کلامی کی۔

''گھر سے نہیں تو پھر اسٹوڈیوز سے آ رہے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''شارع فیصل، بلوچ کالونی سے بھی یہاں آنے میں کم و بیش اتنا ہی وقت لگے گا۔''

''یار بیگ صاحب!'' وہ قدرے جھنجلا کر بولا۔ ''آپ توجہ سے میری بات تو سنیں۔''

''جی ارشاد.....!'' میں یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

اس نے کہا۔ ''میں اس وقت آپ کے آفس کے بہت قریب ہوں۔ بولٹن مارکیٹ سے مجھے آرٹ کا کچھ سامان لینا تھا۔ میں اسی دکان سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔ آپ اگر دس پندرہ منٹ مزید رک جائیں تو میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا.....''

''تب تو ٹھیک ہے چغتائی صاحب!'' میں نے سکون کی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ آ جائیں، میں انتظار کر رہا ہوں۔''

فون بند کر کے میں نے اپنی سیکرٹری سے کہا۔ ''ملیحہ! تم اگر چاہو تو نکل جاؤ مجھے آدھا گھنٹا اور لگ جائے گا۔ ایک دوست کسی مسئلے کے سلسلے میں ملنے آ رہا ہے۔''

''سر! اگر آدھے گھنٹے کی بات ہے تو میں رک جاتی ہوں۔'' ملیحہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''میں اگر اکیلی بھی جاؤں گی تو آدھا گھنٹے سے زیادہ لگ جائے گا۔''

ملیحہ کا گھر میرے راستے میں پڑتا تھا اور وہ روزانہ میری کار میں جایا کرتی تھی۔ میں اسے ڈراپ کرتے ہوئے آگے نکل جاتا تھا۔ ویسے ملیحہ کا یہ کہنا بالکل درست تھا کہ اگر وہ بس وغیرہ پکڑ کر جاتی تو آدھا کیا، پونا گھنٹے سے بھی زیادہ لگ سکتا تھا۔

نوید چغتائی بین الاقوامی شہرت کا حامل آرٹسٹ تھا۔ بلوچ کالونی کے نزدیک شارع فیصل پر اس نے اپنا اسٹوڈیوز بنا رکھا تھا جس کی حیثیت کسی اکیڈمی سے کم نہیں تھی۔ وہ اپنے اسٹوڈیوز میں منتخب دو تین لڑکے لڑکیوں کو آرٹ کی تعلیم بھی دیتا تھا۔ ہماری دوستی کی عمر پندرہ سال سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

اس زمانے میں نہ تو سیل فون مارکیٹ میں آیا تھا اور نہ ہی لینڈ لائن پر سی ایل آئی کی سہولت فراہم ہوتی تھی۔ جب ہی مجھے پتا نہیں چل سکا تھا کہ چغتائی نے مجھے گھر سے فون کیا تھا، اسٹوڈیوز سے یا پھر کسی اور جگہ سے۔

واقعی، ٹھیک دس منٹ کے بعد نوید چغتائی میرے چیمبر میں موجود تھا۔ وہ اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ پچیس چھبیس سالہ ایک جوان بھی تھا۔ شاید فون پر بات کرتے ہوئے اسی شخص کے بارے میں اس نے ''پریشان حال نوجوان'' کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ وہ ایک دراز قامت اور صحت مند شخص تھا تاہم حلیے اور وضع قطع سے وہ واقعتاً الجھن زدہ اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''جی چغتائی صاحب! بلاتکلف بتائیں..... چائے چلے گی یا کافی؟''

''اگر تکلف برطرف پوچھتے ہیں تو..... کچھ بھی نہیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے آرٹ میٹریل شاپ پر چائے پی ہے۔''

''ٹھیک ہے، جیسے آپ کی خوشی!'' میں نے بھی زیادہ اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

چغتائی فوراً مطلب کی بات پر آ گیا اور اپنے ہمراہ آنے والے جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعارف کرانے والے انداز میں بولا۔

''یہ عرفان ہے، میرے اسٹوڈیوز میں آرٹ سیکھ رہا ہے۔ بڑی جان ہے اس کے اسٹروکس میں۔ میں اس سے اور اس کے کام سے بہت پرامید ہوں۔''

''لیکن یہ اس وقت خاصا نا امید نظر آ رہا ہے۔'' میں نے عرفان کی کیفیت مجموعی پر تبصرہ کرتے

ہوئے کہا۔

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے بیگ صاحب!'' چغتائی نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اسی لیے تو میں اسے آپ کے پاس لے کر آیا ہوں۔ اس کا علاج آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آپ اسے کوئی ایسا ''انجکشن'' لگائیں کہ اس کی ناامیدی، امید اور امنگ میں بدل جائے.....''

''ضرور..... کیوں نہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''لیکن اس کے لیے مرض کی تشخیص ضروری ہے۔ علاج سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عرفان کی ناامیدی اور پریشانی کا سبب کیا ہے.....!''

میرے اور چغتائی کے بیچ اشاروں، کنایوں میں جو گفتگو ہو رہی تھی اسے سمجھنے کے لیے کسی اسپیشل عقل کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ اللہ کا بندہ جس کے متعلق ہم بات کر رہے تھے، وہ خاموش بیٹھا ہوا ہمیں تک رہا تھا۔ ابھی تک اس نے زبان سے ایک لفظ ادا نہیں کیا تھا..... اس کا اسٹائل واقعی روایتی آرٹسٹوں جیسا تھا۔

نوید چغتائی نے پہلے ایک بھرپور نظر عرفان پر ڈالی پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''بیگ صاحب! دراصل عرفان اپنے والد کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔''

''اس کے والد کو کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''عرفان کے والد کو دو دن پہلے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔'' چغتائی نے بتایا۔

''کس جرم میں؟''

''اس پر اپنی بیوی کے قتل کا الزام ہے۔'' چغتائی نے جواب دیا۔ ''یعنی عرفان کی والدہ لبنیٰ کے قتل کا الزام!''

''کیا مقتولہ لبنیٰ عرفان کی سگی والدہ تھی؟'' میں نے رف پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں، بالکل سگی والدہ۔'' چغتائی نے اثبات میں گردن ہلائی اور بتایا۔ ''عرفان لبنیٰ اور حسن کی اکلوتی اولاد ہے۔''

''تو گویا عرفان کی پریشانی کا سبب یہ ہے کہ یہ اپنے والد کو بے گناہ سمجھتا ہے؟'' میں نے عرفان کا جائزہ لیتے ہوئے چغتائی سے سوال کیا۔ ''جب ہی یہ اپنے والد کی باعزت رہائی کے لیے میری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے.....!''

''جی ہاں، صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔'' چغتائی تائیدی انداز میں بولا۔ ''عرفان کی نظر

میں حسن بے قصور ہے۔ اس کی والدہ کی موت ایک اتفاقی حادثہ ہے لیکن لبنیٰ کے ایک بھائی امین الدین اس حادثے کو قتل کی واردات ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ انہی کے اشاروں پر پولیس حرکت میں آئی اور اب حسن سات دن کے ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''عرفان چونکہ میرے پاس آرٹ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس لیے اس نے مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں بتایا اور میں اسے آپ کے پاس لے آیا ہوں۔ میرا خیال ہے، عرفان کے والد حسن کو آپ کی مدد کے ضرورت ہے۔ آپ تھوڑا وقت نکال کر، حسن سے تھانے جا کر ملاقات کر لیں۔ مختصر یہ کہ آپ کو اس کیس کی پیروی کرنا ہے.....!''

''ہوں.....!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا پھر عرفان سے براہ راست پوچھا۔ ''اگر تم بولنا پسند کرو تو میں تم سے چند ضروری سوالات کرنا چاہتا ہوں.....؟''

اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا، اس کی آنکھوں میں مجھے ویرانی اور پریشانی نظر آئی۔ چند لمحات کی مزید خاموشی کے بعد اس نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

''جی پوچھیں وکیل صاحب.....!''

مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں ذرا دشواری محسوس نہ ہوئی کہ حقیقت میں عرفان کی آواز بھاری نہیں تھی بلکہ وہ غم کے بوجھ سے بھرا سی گئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے سوال کیا۔

''عرفان! جیسا کہ چغتائی صاحب نے بتایا ہے، تم اپنی والدہ کی موت کو ایک خوف ناک حادثہ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال ہے کہ اس ہلاکت میں تمہارے والد کا کوئی ہاتھ نہیں۔ تم اتنا بڑا دعویٰ کس بنیاد پر کر رہے ہو۔ کیا تمہارے پاس اس سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت ہے۔''

''سب سے زیادہ پختہ اور ٹھوس ثبوت تو میری یہ دو آنکھیں ہیں۔'' اس نے اپنی آنکھوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ میں بعض دستاویزات کے ذریعے بھی یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ امی کی موت میں سراسر ابو کا نقصان تھا، بہت بڑا مالی نقصان..... چاہے یہ موت طبعی ہوتی یا حادثاتی۔ کوئی بھی شوہر اتنا بڑا مالی خسارہ پانے کے لیے اپنی بیوی کو قتل نہیں کر سکتا.....''

''دستاویزات وغیرہ کو تو ہم بعد میں دیکھیں گے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''تم نے اپنی آنکھوں کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ تمہاری والدہ کی موت ایک اتفاقی حادثہ تھی۔ کیا تم نے

اس سلسلے میں اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھا تھا؟''

''جی ہاں.....'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اسی لیے تو میں اتنے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ میرے ابو بے گناہ و بے قصور ہیں۔''

''تم نے ایسا کیا دیکھ لیا تھا؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''پہلے تو میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ امی کو کس قسم کا حادثہ پیش آیا تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں گہری دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ چند لمحات تک ذہن میں بکھرے ہوئے خیالات کو ایک نقطے پر مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر بتانے لگا۔ ''امی ہمارے گھر کی گیلری سے گر کر موت کے منہ میں چلی گئی ہیں وکیل صاحب۔ ہم گلشن اقبال کی ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں رہتے ہیں۔ ہمارا اپارٹمنٹ فورتھ فلور پر واقع ہے جس کے ایک بیڈروم کی گیلری مین روڈ کی طرف کھلتی ہے۔ مذکورہ بیڈروم امی اور ابو کے استعمال میں رہتا تھا۔ میں تو زیادہ تر.....''

عرفان نے جملہ ادھورا چھوڑا اور متذبذب انداز میں نوید چغتائی کو دیکھنے لگا۔ چغتائی اس کی نگاہ کا مطلب سمجھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''عرفان کا زیادہ تر وقت اسٹوڈیوز ہی میں گزرتا ہے اور بعض اوقات تو یہ رات کو بھی ادھر ہی رک جاتا ہے۔ میں نے اپنے اسٹوڈنٹس کو اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ وہ لوگ اسٹوڈیوز کو اپنا گھر سمجھیں اور وہاں ان کی آمد و رفت کے لیے اوقات کی بھی کوئی پابندی نہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عرفان کا اپنے گھر میں کم ہی وقت گزرتا ہے۔ اس کا دل زیادہ تر اسٹوڈیوز میں لگتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں اس کی رہائش وغیرہ کا بندوبست نہیں.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''سب کچھ ہے اس کے گھر میں لیکن یہ موڈی اور من موجی ہے۔ اس وقت یہ اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا جب اس کی والدہ چوتھے فلور کی ایک گیلری میں سے سیدھی نیچے سڑک پر آ کر گری تھیں۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لبنیٰ کے فورتھ فلور کی گیلری میں سے نیچے گرنے میں اس کے باپ کا کوئی ہاتھ نہیں.....''

''اوہ.....!'' میں نے متاسفانہ انداز میں ایک گہری سانس خارج کی اور عرفان کی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے اپنی والدہ کو بہ ذات خود گیلری سے نیچے گرتے دیکھا، پھر تمہارے ماموں جان، تمہارے ابو کو قاتل ٹھہرانے کی سرتوڑ کوشش کیوں کر رہے ہیں؟''

''جناب وکیل صاحب! آپ امین الدین کے لیے ''ماموں جان'' کے الفاظ استعمال نہ کریں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''مجھے اس چالباز شخص سے شدید ترین نفرت ہے۔ اسے ماموں کہتے ہوئے مجھے کراہیت کا احساس ہوتا ہے۔''

میں نے نوجوان آرٹسٹ عرفان کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، اب میں اس شخص کے لیے ''امین الدین'' کے الفاظ کا استعمال کروں گا۔ تم مجھے بتاؤ، اس امین الدین کی تمہارے باپ کے ساتھ دشمنی کیا ہے؟''

''بظاہر تو کوئی دشمنی نظر نہیں آتی۔'' وہ ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں سمجھتا ہوں، وہ ابو کے لیے اپنے دل میں بے پناہ بغض اور کینہ رکھتا ہے۔ شاید اس کا سب سے بڑا سبب بزنس پارٹنر شپ کا ٹوٹنا ہے.....''

''بزنس پارٹنر شپ.....!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں، کچھ عرصہ پہلے ابو اور امین الدین نے پارٹنر شپ میں گارمنٹس کا بزنس شروع کیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''دو تین ماہ کے اندر ہی ابو کو احساس ہو گیا کہ ان کا بزنس پارٹنر مختلف نوعیت کے حسابات میں گڑبڑ کر کے ابو کو چونا لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ابو نے پوچھ تاچھ کی تو وہ بگڑ گیا۔ یہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' والا معاملہ ہو گیا۔ ابو اس وقت تو خاموش ہو گئے لیکن اس واقعے سے ایک بات ان کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ اگر اس شخص کے ساتھ بزنس جاری رہا تو کوئی بہت بڑا پھڈا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے دھیرے دھیرے اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹے اور بزنس سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد ابو نے ایک گھی ملز میں سیلز مینجر کی جاب کر لی۔ یہ بدبخت شخص چونکہ.....'' وہ سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر کوفت بھرے انداز میں بولا۔

''ابو کو ایک شکار سمجھتا تھا لہٰذا ابو کے، بزنس سے الگ ہونے کا اس نے بہت برا منایا اور دوسرے حیلوں بہانوں سے ابو کو پریشان کر کے اپنے شیطانی دماغ کا غبار اور اپنے خبیث دل کا بخار اتارنے لگا اور اس مقصد کے لیے اس نے امی کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنانے کی پالیسی اختیار کر لی تھی.....''

''کیا مطلب.....!'' میں نے متعجب نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''اس فتنہ پرور شخص نے امی کے کانوں میں شک کا زہر انڈیلنا شروع کر دیا تھا۔'' وہ ایک گہری مگر افسردہ سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''اس نے گاہے بہ گاہے موقع نکال کر امی کے کان بھرنا شروع کر دیے کہ ابو کے الٹی سیدھی بازاری عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں اس لیے امی، ابو کے معمولات اور آمد و شد کے اوقات پر نظر رکھا کریں۔ امی اپنے منحوس بھائی کی باتوں میں آ گئیں۔ اس کے بعد گھر میں فساد و فتنہ کی جو فضا قائم ہوئی ہو گی اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔''

''عرفان مجھے اپنے گھریلو حالات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔'' نوید چغتائی، عرفان کے خاموش ہونے پر بولا۔ ''اور اس کے زیادہ تر اسٹوڈیوز پر رکنے کا سبب بھی یہی تھا کہ اپنے گھر میں زیادہ دیر قیام سے اس کا دم گھٹنے لگتا تھا۔''

''سر بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' عرفان نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں جب بھی گھر میں قدم رکھتا تو امی ابو کو لڑتے جھگڑتے دیکھتا تھا۔ میں چونکہ اس فساد کی جڑ سے واقف تھا اس لیے بعض اوقات مجھے امی پر شدید غصہ بھی آتا تھا کہ وہ کیوں اس شیطان کی باتوں میں آ کر اپنے گھر کو آگ لگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ایک آدھ بار میں نے امی کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ الٹا اپنی بھائی کی حمایت کرنے لگیں۔ میں نے زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود کو اپنے کام میں غرق کر لیا۔ چند روز کے بعد ایک نیا ایشو اٹھ کھڑا ہوا.....''

اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا ''کیسا ایشو عرفان.....؟''

''یہی خبیث الدہر شخص امی کے لیے ایک نئی خبر لے کر آیا۔'' عرفان نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''اس نے امی کو یقین دلایا کہ عنقریب ابو سمیرا نامی ایک مال دار بیوہ سے شادی کرنے والے ہیں لہٰذا اس سے پہلے کہ ابو ایسا کوئی قدم اٹھائیں، وہ ان کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دیں۔ ان شیطانی ترغیبات کے بعد ہمارا گھر گویا میدان جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگا۔'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''چند روز تک یہ سلسلہ فسادات چلتا رہا پھر ایک رات وہ افسوس ناک واقعہ پیش آ گیا کہ جس کے بعد امی تو اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں اور ابو کو پولیس پکڑ کر لے گئی.....''

وہ اللہ کا بندہ ایک تو بول ہی نہیں رہا تھا اور جب اس کی زبان کھلی تو اس نے یک بیک اپنے

دل کی بھڑاس نکال لی۔ میں نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''اب امین الدین کا اسٹینڈ یہ ہے کہ تمہاری امی کو، تمہارے ابو نے قتل کیا ہے.....!''

''جی ہاں، اس کمینے شخص کا بالکل یہی اسٹینڈ ہے!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا۔ ''اس نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے بتایا ہے کہ ابو نے امی کو دھکا دے کر گیلری میں سے نیچے پھینکا تھا۔''

''اوہ.....!'' میں نے تشویش بھری نظر سے اسے دیکھا۔

''اب آپ خود اندازہ لگالیں وکیل صاحب.....'' عرفان نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ ''امی تو ایک خوف ناک حادثے کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یہ شیطان امین الدین ابو کو جیل بھجوا کر اپنے کمینے جذبات کی تسکین کرنا چاہتا ہے۔ اس سے آپ اس کے گھٹیا پن اور ذلالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں.....!''

''ہوں.....!'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا پھر ایک اہم سوال کیا۔

''عرفان! تمہارا یہ مؤقف ہے کہ تمہاری امی اتفاقاً گیلری میں سے نیچے گر گئیں۔ اس حادثے میں تمہارے باپ حسن کا کوئی ہاتھ نہیں۔ یہ واقعہ چونکہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لہٰذا تمہاری حیثیت آئی وٹنس (عینی شاہد) کی ہو جاتی ہے لیکن دوسری طرف امین الدین کا دعویٰ ہے کہ تمہارے باپ نے اپنی بیوی کو دھکا دے کر گیلری میں سے نیچے پھینکا ہے۔ کیا اس نے پولیس کو کوئی ایسا ٹھوس ثبوت فراہم کیا ہے جس سے تمہارے باپ کا جرم واضح ہوتا ہو.....؟''

''اس بارے میں مجھے تو کچھ معلوم نہیں جناب۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''اس بدذات نے پولیس کو کیا بیان دیا ہے اس کی تفصیلات سے میں واقف نہیں ہوں۔ بس، اتنا جانتا ہوں کہ پولیس نے جب ابو کو گرفتار کیا تو انہوں نے یہی الزام لگایا کہ ابو نے دانستہ امی کو دھکا دے کر گیلری سے نیچے پھینکا تھا۔ اگر واقعتاً ایسا ہوا ہوتا تو.....'' پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''تو امی کے پیچھے مجھے ابو بھی گیلری میں کھڑے ضرور نظر آتے۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص گیلری میں موجود ہی نہ ہو اور وہ کسی کو دھکا دے کر نیچے پھینک دے۔ جب میں نے امی کو نیچے گرتا دیکھا تو گیلری خالی پڑی تھی۔''

''اسی سے تم نے اندازہ قائم کیا کہ لبنیٰ کا گیلری سے نیچے گرنا سراسر ایک اتفاقیہ حادثہ تھا؟'' میں

نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ تمام تر حقائق تم نے پولیس کو نہیں بتائے؟''

''بتائے تھے جناب۔'' وہ بڑی مایوسی سے بولا۔ ''لیکن وہ لوگ کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں ہیں.....!''

''آخر انہوں نے کچھ تو کہا ہوگا؟'' میں نے استفسار کیا۔

''وہ ہر سوال کے جواب میں یہی کہتے رہے.....'' عرفان نے برا سا منہ بناتے ہوئے بتایا۔ ''تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے، عدالت میں جا کر کہنا.....!''

''جو کچھ بھی کہنا ہے، عدالت میں جا کر کہنا۔'' میں نے زیر لب دہرایا پھر نوید چغتائی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''چغتائی صاحب! آپ پولیس کے اس رویے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''میرے خیال میں امین الدین نے حسن کو اس مصیبت میں پھنسانے کے لیے پولیس کی مٹھی گرم کی ہے اور..... ٹھیک ٹھاک گرم کی ہے۔'' چغتائی نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

میں چند لمحات تک ان دونوں کو معنی خیز نظر سے دیکھتا رہا پھر عرفان سے پوچھا۔ ''تمہارے کل کتنے ماموں ہیں میرا مطلب ہے، تمہاری امی کے کتنے بھائی ہیں؟''

''یہی ایک..... امین الدین!'' اس نے ایسا منہ بنایا جیسے دانتوں کے نیچے کوئی بدمزہ شے آ گئی ہو۔ ''یہ اکیلا ہی سو خبیثوں پر بھاری ہے.....!''

''کوئی خالائیں وغیرہ؟''

''جی نہیں!'' اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

''نانا، نانی میں سے کوئی زندہ ہے؟''

ایک مرتبہ پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے دوٹوک جواب دیا۔ ''سب مر کھپ چکے ہیں وکیل صاحب..... ننھیال اور ددھیال میں کوئی بھی قریبی رشتے دار باقی نہیں ہے.....''

''ٹھیک ہے عرفان!'' میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں کل کسی وقت تھانے جا کر تمہارے ابو سے ملاقات کرتا ہوں۔ تم پرسوں شام چھ اور آٹھ کے درمیان میرے آفس آ جاؤ، پھر دیکھتے ہیں، آگے کیا کرنا ہے.....!''

''آپ کی فیس وکیل صاحب!'' عرفان نے مجھ سے پوچھا پھر سوالیہ نظر سے نوید چغتائی کو دیکھنے لگا۔

نوید چغتائی نے بھی جواب طلب نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ظاہر ہے، اگر میں یہ کیس پکڑوں گا تو اپنی فیس بھی ایڈوانس ہی وصول کروں گا لیکن یہ معاملہ ہم پرسوں شام ہی طے کریں گے۔ میں پہلے ایک بھرپور ملاقات تمہارے والد سے کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب! آپ ملزم سے مل کر اپنا اطمینان کرلیں۔ ابھی تو ویسے بھی پولیس کو چالان پیش کرنے میں دو تین دن لگیں گے۔'' نوید چغتائی نے کہا، پھر پوچھا۔ ''عرفان کے ساتھ مجھے دوبارہ تو نہیں آنا پڑے گا؟''

''ضرورت تو نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر آنا چاہیں گے تو میری طرف سے کوئی ممانعت بھی نہیں ہے۔''

ان دونوں نے باری باری میرا شکریہ ادا کیا پھر سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

✠ ✠ ✠

حسب وعدہ عرفان مجھ سے ملنے آیا تو میں نے گویا اس کے سر پر ایٹم بم پھوڑ دیا۔ اس دوران میں، میں نے ملزم سے ملاقات کر لی تھی مگر یہ ملاقات خاصی مایوس کن رہی تھی اور اسی مایوس کن ملاقات کے نتیجے میں، میں نے عرفان سے کہا تھا۔

''سوری عرفان! میں تمہارے ابو کا کیس نہیں لے سکتا!''

''کیوں.....؟'' وہ ہکا بکا ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

''اس میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔'' میں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم سمجھ نہیں سکو گے.....''

''یہ بھلا کیا بات ہوئی!'' اس کی حیرت میں الجھن بھی شامل ہو گئی۔ ''اگر آپ سمجھانا چاہیں گے تو میں کیسے نہیں سمجھوں گا، میں کوئی ننھا بچہ تو نہیں۔''

''تم ننھے بچے نہیں ہو اور نہ ہی کوئی بے وقوف انسان ہو۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں اگر تمہارے ابو کا کیس لینے سے منع کر رہا ہوں تو سمجھو اس کے اندر کوئی بہت بڑا راز ہو گا۔ تم نے.....!''

''میں وہی راز تو جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''یقیناً آپ مجھ سے کوئی اہم بات چھپا رہے ہیں۔''

''ہاں، تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں واقعی تم سے ایک بہت ہی نازک سی بات چھپا رہا ہوں۔ وہ راز، وہ بات اور وہ حقیقت کانچ سے بھی زیادہ نازک ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اسے سنتے ہی تم ٹوٹ پھوٹ جاؤ گے۔ وہ بات خود تو کرچی کرچی ہوگی ہی، تمہیں بھی اپنے نکیلے ٹکڑوں کی مدد سے لہولہان کر دے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا احساس مجروح ہو، تمہارے جذبات کچلے جائیں اور تم اپنی ہی نظر میں گر جاؤ اس لیے.....!'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس لیے مائی ڈیئر..... تم اپنی ضد سے باز آ جاؤ۔ تمہیں اپنے ابو کے لیے مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور بڑے اسے بڑا وکیل مل جائے گا۔ میری طرف سے تم معذرت سمجھ لو۔''

''اس معذرت کا سبب بھی تو بتا دیں وکیل صاحب؟'' اس کے سوال سے لجاجت ٹپکتی تھی۔

میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اس کیس میں وکیل صفائی کا کردار ادا کیا تو مجھے شکست فاش کا سامنا ہوگا۔''

''تو آپ محض اپنی ہار کے ڈر سے یہ کیس چھوڑ رہے ہیں؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''صرف اپنی ہار کے ڈر سے نہیں۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''بلکہ اس میں ایک اور بھی اہم فیکٹر موجود ہے.....!''

''کون سا اہم فیکٹر؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''اگر مجھے اس کیس میں ہار ہوگئی تو.....'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تو .....اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے ابو کو یقینی سزا ہو جائے گی۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ ابو کو واقعی امی کا قاتل سمجھتے ہیں؟'' وہ قدرے جارحانہ انداز میں مستفسر ہوا۔ ''کہیں امین الدین نے آپ کو بھی تو.....!''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بڑی تیکھی نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس پریشان حال نوجوان آرٹسٹ کے طنز کا برا نہیں مانا اور شفقت بھرے معتدل لہجے میں کہا۔

''برخوردار! تمہارے دونوں اندازے بالکل غلط ہیں۔ نہ تو میں نے ایسی کوئی بات کی ہے جس سے یہ تاثر ابھرتا ہو کہ تمہارے ابو نے گیلری میں کھڑی اپنی بیوی اور تمہاری امی لبنیٰ کو دھکا دے

کر موت کے گھاٹ اتارا ہے اور نہ ہی امین الدین نے اس کیس سے دست بردار ہونے کے لیے مجھے کوئی بڑی رقم رشوت میں دی ہے۔''

''تو پھر.....'' اس نے ایک زخمی سانس خارج کرتے ہوئے پوچھا۔ ''پھر کیوں آپ اس کیس پر سے ہاتھ اٹھا رہے ہیں؟''

اس کے مسلسل اصرار کے پیش نظر میں نے کہا۔ ''تم چغتائی صاحب کو میرے پاس بھیجنا۔ میں وہ نازک مسئلہ ان سے ڈسکس کرلوں گا جو تمہارے سامنے بیان نہیں کرسکتا.....!''

''ٹھیک ہے وکیل صاحب.....!'' وہ بددلی سے بولا۔ ''میں آپ پر دباؤ تو نہیں ڈال سکتا۔ جیسی آپ کی مرضی۔ میں سرتک آپ کا پیغام پہنچادوں گا۔''

پھر وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔

ایک گھنٹے کے بعد نوید چغتائی کا فون آ گیا۔ لگتا تھا، عرفان نے اسٹوڈیو پہنچتے ہی انہیں صورت حال سے آگاہ کردیا تھا۔ میں نے فون اٹینڈ کرنے کے بعد ان کی خیر خیریت پوچھی تو وہ بولے۔

''میری خیریت کو چھوڑیں بیگ صاحب! یہ بتائیں، آپ نے عرفان کو کیا کہہ دیا ہے، بے چارہ بہت ڈس ہارٹ ہورہا ہے.....''

''کیا اس نے آپ کو بتایا نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے؟'' الٹا میں نے ہی سوال کردیا۔

''بتا رہا ہے کہ آپ نے کیس لینے سے معذرت کرلی ہے۔''

''جی ہاں، یہی حقیقت ہے۔'' میں نے تصدیقی انداز میں کہا۔

''خدا کا خوف کریں بیگ صاحب۔'' وہ بڑے بے تکلفانہ انداز میں سرزنش کرتے ہوئے بولا۔ ''صرف کل کا دن بیچ میں ہے۔ پرسوں پولیس عدالت میں اس کیس کا چالان پیش کردے گی۔ اتنی جلدی کسی دوسرے وکیل کو اریج کرنا.....''

''آپ اس کی فکر نہ کریں چغتائی صاحب!'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک چھوڑ، میں دس تجربہ کار وکیل آپ کو مہیا کردوں گا۔''

''مجھے آپ کی بات کا یقین ہے۔'' وہ بڑے رسان سے بولا۔ ''لیکن میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ آپ کو بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا۔ آپ نے تھانے جا کر ملزم سے ملاقات کی اور اپنا ارادہ بدل دیا۔ حسن کی کون سے بات آپ کو بری لگ گئی.....؟''

''بات بری نہیں لگی.....'' میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''پھر.....!''

''وہ پورے کا پورا ہی مجھے برا لگا۔'' میں نے حقیقت حال کہہ ڈالی۔ ''اگر مجھے پتا ہوتا کہ عرفان اس شخص کا بیٹا ہے تو میں کبھی اس کیس میں ہاتھ ہی نہیں ڈالتا۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ حسن کو پہلے سے جانتے ہیں۔'' چغتائی نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''اور میرا اندازہ اگر غلط نہیں تو آپ کسی بات پر ملزم سے سخت ناراض ہیں۔''

''آپ کا اندازہ سو فیصد درست ہے چغتائی صاحب۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سخت ناراض ہی نہیں بلکہ مجھے ملزم سے شدید ترین نفرت بھی ہے۔''

''اچھا!'' چغتائی نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ اس نفرت کا سبب کیا ہے؟''

''ملزم نے ایک کیس کے حوالے سے کچھ عرصہ پہلے مجھے بدترین دھوکا دیا تھا۔'' میں نے زہر خند لہجے میں بتایا۔ ''میں اس کیس میں وکیل استغاثہ کا کردار ادا کرنے کو شاید تیار ہو جاؤں لیکن وکیل صفائی کی حیثیت سے ہرگز ہرگز حصہ نہیں لوں گا۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب۔'' وہ گفتگو کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے بولا۔ ''اس نوعیت کی طویل بات چیت فون پر کرنا مناسب نہیں۔ میں کل کسی وقت آپ سے ملاقات کرنے آ رہا ہوں۔ آپ حسن کے لیے کسی اور وکیل کا بندوبست بھی کر کے رکھیں۔''

''آپ آ جائیں، پھر بات کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''او کے بیگ صاحب! خدا حافظ.....!''

''اللہ حافظ.....!''

اس کے ساتھ ہی ہمارے درمیان ٹیلی فونک سلسلہ موقوف ہو گیا۔

وکیل کا بندوبست کرنا میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اگلے روز چغتائی اکیلا ہی مجھ سے ملنے چلا آیا۔ عرفان کو وہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ میں نے اسے ایک قابل وکیل سے ملوا دیا۔ پھر ہمارے درمیان بھی حسن کے معاملے پر تفصیلی بات ہوئی۔ میں نے چغتائی کو حسن کے دھوکے کے بارے میں کھل کر بتایا تو وہ گہری تشویش میں مبتلا ہو گیا پھر گمبھیر انداز میں بولا۔

''بیگ صاحب! آپ نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، کسی دباؤ میں آ کر اگر آپ یہ کیس پکڑ بھی لیتے تو اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تھے۔ ہر لمحہ آپ کے ذہن میں حسن

کے دھوکے کا خیال رہتا اور آپ پوری طرح اس کی حمایت کے لیے فائٹ نہ کر پاتے۔''

''اسی ایک نازک نکتے کی وجہ سے میں نے کیس چھوڑا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''عرفان کو میں نے اس کے باپ کے کردار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور آپ سے بھی یہی درخواست ہے کہ اسے کسی اور انداز میں مطمئن کر دیجیے گا۔ حسن کے سوا اس دنیا میں عرفان کا اور کوئی بھی نہیں ہے اور اتفاق سے وہ اپنے باپ سے بے پناہ محبت بھی کرتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حسن پر سے اس کا اعتماد اٹھ جائے.....''

''آپ بالکل بے فکر ہو جائیں بیگ صاحب۔'' وہ گہری سنجیدگی سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں عرفان کو اس صفائی سے ہینڈل کروں گا کہ حسن کے دھوکے یا پچھلے کسی کیس کا کہیں ذکر نہیں آئے گا.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''بلکہ میں کوئی ایسا چکر چلاؤں گا کہ عرفان آپ کو بالکل ہی بھول جائے گا اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرے گا کہ آپ نے یہ کیس لینے سے انکار کر دیا ورنہ اس کے باپ کے ساتھ پتا نہیں کیا ہو جاتا۔''

''چغتائی صاحب! آپ عرفان کو جیسے بھی مطمئن کرنا چاہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھیے گا۔''

''کون سی بات بیگ صاحب؟'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''عرفان کو کسی بھی طرح یہ محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے ابو کے لیے میں نے ہی ایک دوسرے وکیل کا انتظام کیا ہے۔ وہ مجھ سے خفا ہو کر گیا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی خفگی کا کھل کر اظہار تو نہیں کیا لیکن اس کی باڈی لینگویج کا یہی تاثر تھا۔''

''آپ اطمینان رکھیں، میں سچویشن کو سنبھال لوں گا۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔

میں نے تھوڑی دیر کے بعد نوید چغتائی کو رخصت کر دیا۔

عظیم آرٹسٹ نوید چغتائی تو مطمئن ہو کر چلا گیا تھا لیکن ابھی تک میں نے آپ کے اطمینان کے لیے کچھ نہیں کیا۔ آپ جو پچھلے دس پندرہ منٹ سے اس کہانی کو پڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ جھک مار رہے ہیں۔

اس راز سے مکمل آگاہی کے لیے آپ کو اس کیس کی کہانی پڑھنا ہوگی جس میں ایک نازک مرحلے پر حسن نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ یہ دھوکا میری نظر میں اتنا قابل مذمت ہے کہ میں کسی کیس میں

حسن کے لیے وکیل صفائی کا کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔

✠ ✠ ✠

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب ٹیکسٹائل انڈسٹری کراچی میں بام عروج پر تھی۔ سائٹ ایریا کی رونقیں اسی انڈسٹری کے باعث قائم و دائم تھیں۔ آج اگر سائٹ ایریا کی طرف جانے کا اتفاق ہو تو وہاں کی حالت زار کو دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ انڈسٹریز کے نام پر اب وہاں صرف چند کارخانے چل رہے ہیں۔ جس جگہ کو آپ روشن اور بارونق دیکھ چکے ہوں وہاں کی ویرانی اور بے سروسامانی نشتر بن کر دل میں اتر جاتی ہے۔ اس تباہ حالی اور بربادی کے لیے ہم کسی غیر کو الزام نہیں دے سکتے۔

کراچی کی صنعت خصوصاً ٹیکسٹائل انڈسٹریز کو تباہ و برباد کرنے میں ہنود و یہود و نصاریٰ میں سے کسی کا ہاتھ کارفرما نہیں۔ لہٰذا فیشن کے طور پر آپ انہیں مطعون نہیں کر سکتے۔ یہ سب خود ہمارا کیا دھرا ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے اندر ہی چھپا بیٹھا ہے۔ لہٰذا دل جلانے والی باتیں ایک طرف رکھ کر ہم تفریح کی طرف چلتے ہیں کیونکہ بہ حیثیت قوم ہمارا مزاج کچھ ایسا ہی بن چکا ہے.....!''

اسی سائٹ ایریا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، میں جبار نامی ایک شخص کی ٹیکسٹائل مل تھی۔ یہ مل پیداوار اور مال کی کوالٹی کے حوالے سے ٹاپ ٹین میں شمار کی جاتی تھی۔ جبار صاحب دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے تھے کہ اچانک ایک روز انکشاف ہوا کہ وہ کسی خطرناک دماغی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اچھے خاصے، چلتے پھرتے ایک دن انہیں چکر آیا اور وہ گھر سے نکل کر گاڑی کی طرف جاتے ہوئے گر گئے.....اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔

گھر میں بیوی کے علاوہ چند ملازم موجود تھے۔ جیسے ہی ان لوگوں کو جبار صاحب کے گر کر بے ہوش ہونے کی خبر ملی، وہ بھاگم بھاگ جائے وقوعہ پر پہنچے پھر جبار صاحب کی بیوی نازیہ فی الفور انہیں گاڑی میں ڈال کر ایک پرائیویٹ اسپتال لے گئی۔

وہ لوگ ڈیفنس سوسائٹی کے ایک عالی شان بنگلے میں رہتے تھے لہٰذا پرائیویٹ اسپتال کا مہنگا ترین علاج ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ جبار صاحب کی ٹیکسٹائل مل بے تحاشا کما رہی تھی اور خرچ کرنے والے صرف دو افراد تھے یعنی نمبر ایک.....جبار صاحب۔ نمبر دو.....ان کی اہلیہ نازیہ۔ ان کی شادی کو لگ بھگ دو سال ہو گئے تھے لیکن ابھی تک ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔

جبار صاحب کی زندگی کا ایک دلچسپ پہلو شادی کے حوالے سے یہ بھی تھا کہ نازیہ ان کی دوسری بیوی تھی۔ ان کی پہلی بیوی فرخندہ نے کورٹ میں مقدمہ دائر کر کے جبار صاحب سے خلع

لے لی تھی۔ فرخندہ کی ایک بیٹی تھی طاہرہ..... جو ظاہر ہے کہ جبار صاحب کی بھی بیٹی تھی لیکن طاہرہ نے اپنی ماں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ فرخندہ کے ساتھ نارتھ ناظم آباد کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں رہتی تھی۔ طاہرہ کے مطابق جبار صاحب نے اس کی امی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کیا تھا۔ جب فرخندہ بیوی کی حیثیت سے جبار کے ساتھ رہ رہی تھی اسی دوران میں جبار صاحب نے نازیہ سے دوسری شادی کر لی تھی۔

فرخندہ ہر ظلم و زیادتی برداشت کر سکتی تھی لیکن سوتن کا وجود کسی بھی قیمت پر اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے جبار کی خاطر بڑی قربانیاں دی تھیں اور اسے زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچانے میں بھی فرخندہ ہی کا ہاتھ کارفرما تھا۔ وہ جبار سے بہت محبت کرتی تھی۔ وہ لوگ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے کہ جبار صاحب نے نازیہ سے دوسری شادی کر لی تھی اور وہ بھی ایک جوان بیٹی کی موجودگی میں۔ جبار کے اس عمل پر ماں بیٹی نے اپنی شدید ترین ردعمل کا اظہار کیا تھا۔

ایک آدھ ماہ تک گھر میدان کارزار کا نمونہ پیش کرتا رہا۔ نہ تو جبار نے کسی قسم کی پسپائی اختیار کی اور نہ ہی وہ ماں بیٹی کسی مصالحت کے لیے تیار ہوئیں۔ وہ یک جان دو قالب ہو گئی تھیں اور ان کا صرف ایک ہی مشترکہ مطالبہ تھا..... جبار اپنی دوسری بیوی کو چھوڑ کر راہ راست پر آ جائے تو وہ اس کے ساتھ رہنے کو تیار ہیں ورنہ ان کی راہیں الگ ہو جائیں گی۔

دوسری جانب جبار کا مؤقف یہ تھا کہ وہ نازیہ کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے نازیہ سے باقاعدہ نکاح کیا ہے۔ وہ اس کی بیوی ہے اور نازیہ کو اس نے الگ بنگلے میں رکھا ہوا ہے پھر ان ماں بیٹی کو کیا تکلیف ہے؟

ماں بیٹی اپنی ''تکلیف'' کا اظہار بہت کھل کر کر چکی تھیں۔ وہ کسی بھی قیمت یا کسی بھی شرط پر سرینڈر کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ وہ ایک ہی سلوگن کے ساتھ ثابت قدمی سے آگے بڑھ رہی تھیں..... یا ہم نہیں، یا تم نہیں!

جب یہ کلیش بہت زیادہ بڑھ گیا تو ایک روز نازیہ نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا۔

''آپ خوامخواہ کیوں ٹینشن لیتے ہیں۔ وہ جو چاہ رہی ہیں، کر ڈالیں۔''

''وہ'' سے نازیہ کی مراد فرخندہ تھی۔ جبار نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم جانتی ہو، وہ کیا چاہتی ہے؟''

''وہ آپ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکلنا چاہتی ہے۔'' نازیہ نے واشگاف الفاظ میں

کہا۔ ''اس کی ساری کوششیں اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہیں۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔'' جبار نے برہمی سے کہا۔ ''لیکن وہ جو کچھ بھی کر رہی ہے، سراسر زیادتی ہے، میں نے دوسری شادی کر کے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ہمارا مذہب اور قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے اور پھر میں نے فرخندہ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی.....'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے دوسری شادی کے بعد تمہیں ایک سوتن کی شکل میں اس کے اوپر مسلط نہیں کیا۔ تم الگ بنگلے میں رہ رہی ہو، وہ ماں بیٹی الگ بنگلے میں ہیں اور یہ دونوں بنگلے ڈیفنس سوسائٹی ہی میں واقع ہیں۔ میں نے رہائش کے معیار میں کوئی فرق نہیں آنے دیا، پھر ان ماں بیٹی کی ضروریات اور اخراجات کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہوا ہے۔ تمہارے پاس بھی رہتا ہوں اور ان کے پاس بھی جاتا ہوں۔ اپنے تئیں میں دونوں گھروں کے فرائض بڑی دیانت داری سے نبھا رہا ہوں پھر بھی اگر فرخندہ کو کوئی تکلیف ہے تو اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔''

''ہے آپ کے پاس.....اس کا علاج آپ ہی کے پاس ہے۔'' نازیہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ چھٹکارا چاہ رہی ہے نا.....بس، آپ اسے آزاد کر دیں۔ اللہ اللہ خیر سلا!''

''میں اس عورت کو اتنی آزادی اور آسانی سے نہیں چھوڑوں گا نازیہ۔'' جبار نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس نے مجھے ذہنی اذیت سے دوچار کیا ہے۔ بڑی چالاکی کے ساتھ اس نے طاہرہ کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا ہے، وہ اپنے باپ کو یعنی مجھے پہچانتی بھی نہیں۔ کیا میں نے اسی دن کے لیے پال پوس کر اسے بڑا کیا تھا.....'' وہ سانس ہموار کرنے کو تھما پھر چبھتے ہوئے لہجے میں اضافہ کیا۔ ''میں اس عورت کو بہت رگڑا دوں گا نازیہ.....!''

''خوامخواہ آپ اپنے لیے مزید اذیت کا سامان کریں گے۔'' نازیہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''میری مانیں تو اسے فارغ کر کے پرسکون ہو جائیں۔''

''میں اسے کبھی از خود فارغ نہیں کروں گا۔'' وہ بڑے عزم سے بولا۔

''تو اس کام کے لیے وہ عدالت سے بھی رجوع کر سکتی ہے۔'' نازیہ نے کہا۔ ''اس کے تیور تو یہی بتاتے ہیں کہ وہ کسی بھی قیمت پر امن و سکون کی راہ اختیار نہیں کرے گی۔ اگر آپ نے اس کا مطالبہ پورا نہ کیا تو وہ خلع کے لیے قانونی چارہ جوئی کر سکتی ہے۔ یہ حق تو بہرحال قانون اسے دیتا ہے نا!''

''بے شک یہ اس کا حق ہے۔'' جبار نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''وہ یہ شوق پورا کرنے کے لیے ضرور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور خلع حاصل کر لے۔ اس طرح اسے میری طرف سے ملنے والی ہر مراعت اور ہر الاؤنس سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ وہ دو صفحات پر مشتمل عدالتی فیصلے کے ساتھ گھر جائے گی لیکن کون سے گھر.....؟'' وہ سوالیہ انداز میں متوقف ہوا پھر خود ہی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''خلع حاصل کرنے کے بعد وہ یقیناً میری بیوی نہیں رہے گی لہٰذا میرا گھر بھی اس کا گھر نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنی رہائش کے لیے الگ ہی کہیں بندوبست کرنا ہوگا اور ایک بات کان کھول کر سن لو نازیہ.....!''

نازیہ نے کان کھولے یا نہیں البتہ آنکھیں پوری طرح کھولتے ہوئے وہ مستفسر ہوئی۔ ''کون سی بات جبار.....؟''

''یہ جو میری صاحب زادی ہے نا طاہرہ.....'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''یہ ابھی تو فرخندہ کے ٹرانس میں ہے لیکن اگر فرخندہ عدالت سے خلع لے کر مجھ سے الگ ہو جاتی ہے تو چند ہی دنوں میں طاہرہ کو دن میں تارے اور رات میں نظارے نظر آ جائیں گے۔ یہ زیادہ عرصے تک فرخندہ کے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ اسے ایک دن میرے پاس واپس آنا ہوگا۔''

''اگر ایسا ہوا تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔'' نازیہ نے بہت آہستگی سے کہا۔ ''طاہرہ میرے لیے ایک بیٹی جیسی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھ کر ایک ماں کا پیار اور توجہ دوں گی۔''

''تمہارے اندر بڑی گنجائش ہے نازیہ۔'' وہ ستائشی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں اسی لیے تو تمہاری قدر کرتا ہوں۔''

''یہ گنجائش ہمیشہ موجود رہے گی۔'' وہ بڑے فخر سے بولی۔ ''اس کا مطلب ہے، آپ سدا میری قدر کرتے رہیں گے۔''

''انشاءاللہ!'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔

ان میاں بیوی کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اور اس جھگڑے کے جو نتائج ڈسکس کیے گئے تھے، بعد ازاں ہو بہو وہی پیش آ گیا۔ فرخندہ نے ایک روز عدالت سے خلع حاصل کر لی اور اپنی بیٹی طاہرہ کے ہمراہ نارتھ ناظم آباد کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں منتقل ہو گئی۔ جبار اور نازیہ امن و سکون سے زندگی گزارنے لگے۔ اس کے بعد فرخندہ اور طاہرہ نے کبھی جبار سے ملنے کی کوشش نہیں

کی اور نہ ہی جبار نے پلٹ کر کبھی یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی کہ اس کی بیٹی اور سابق بیوی کس حال میں ہیں.....!

گویا دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے فراموش کر دیا تھا۔

✠ ✠ ✠

یہ پہلا اتفاق تھا کہ جباریوں چلتے چلتے گر گیا تھا.....!

نہ صرف وہ گر گیا تھا بلکہ بے ہوش بھی ہو گیا تھا۔ نازیہ اور ان کی دیرینہ گھریلو ملازمہ شمع نے فوراً جبار کو ایک مہنگے پرائیویٹ اسپتال تک پہنچا دیا تھا۔ ڈاکٹروں نے چیک اپ کیا، مختلف قسم کے ٹیسٹ ہوئے اور شام تک انہوں نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ جبار ایک خطرناک نوعیت کے دماغی مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اس مرض کے حامل مریضوں کی یادداشت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دماغ کے بعض حساس ٹشوز بھی ڈیمج ہو جاتے ہیں۔ انسان کو اپنی سوچ اور ارادے پر اختیار نہیں رہتا۔ وہ جاگتے میں سویا ہوا اور سوتے میں جاگتا ہوا لگتا ہے۔ الغرض، وہ اپنے گھر والوں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب انسان کا دماغ اس کے قابو میں نہ رہے تو ظاہر ہے وہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہی زندگی گزارتا ہے۔

جبار کی یادداشت اور حافظہ دونوں متاثر ہوئے تھے۔ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق اسے تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ کم از کم ایک شخص کو مکمل طور پر اس کی نگرانی کرنا تھی۔ نازیہ بیٹھے بٹھائے ایک عجیب سے وبال میں آ گئی تھی۔ دو دن کے بعد اسپتال والوں نے ڈاکٹر کی اجازت سے جبار کو ڈسچارج کر دیا تھا۔ گھر لانے سے پہلے نازیہ نے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

''اسپتال آنے سے پہلے تو یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے.....!''

''اگر یہ ٹھیک ٹھاک تھے تو پھر اسپتال لانے کی کیا ضرورت تھی؟'' ڈاکٹر نے سوالیہ انداز میں نازیہ کو دیکھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا ڈاکٹر.....!'' وہ جلدی سے تصحیح کرتے ہوئے بولی۔ ''میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ یہ تو بھلے چنگے تھے۔ یہ اچانک اتنے سنگین مرض میں کیسے مبتلا ہو گئے.....؟''

''اچانک آپ کو محسوس ہو رہا ہے۔'' ڈاکٹر نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''ورنہ یہ مرض پچھلے کچھ عرصے سے آہستہ آہستہ ان کے دماغ میں جگہ بنا رہا تھا، اس نے حملہ پہلی مرتبہ کیا ہے۔ اگر جبار صاحب باقاعدہ اپنا میڈیکل چیک اپ کراتے رہتے تو ممکن تھا، بہت پہلے اس مرض کی تشخیص

ہو جاتی اور زیادہ بہتر انداز میں اسے ٹریٹ کیا جا سکتا۔''

''اپنی صحت کی طرف سے تو یہ ہمیشہ بے پرواہی رہے ہیں۔'' نازیہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

''میں نے جب بھی ایسا کوئی ذکر کیا تو ہنس کر کہہ دیتے تھے..... مجھے کچھ نہیں ہونے والا۔ میں تمہارے بعد ہی مروں گا۔ تم فکر مند نہ ہوا کرو.....'' بولتے بولتے نازیہ کی آواز بھرا گئی۔

ڈاکٹر نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ''موت اور زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن میں مریض کے سلسلے میں آپ کو یہی ہدایت کروں گا کہ انہیں کم از کم چھ ماہ تک کڑی نگرانی میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی تنہا چھوڑنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں پوری توجہ اور تندہی سے ان کا علاج کروں گا اور ہفتے میں ایک بار آپ چیک اپ کے لیے بھی میرے پاس لائیں۔ مجھے امید ہے، چھ ماہ اگر آپ نے نہایت پابندی کے ساتھ ان کا علاج کرا لیا تو اتنی بہتری ضرور آ جائے گی کہ انہیں نگرانی کی ضرورت پیش نہ آئے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے سانس لینے کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اس کے بعد مزید چھ ماہ کا علاج ہوگا۔ مجھے امید ہے، تب تک یہ بالکل نارمل ہو جائیں گے اور زندگی کے تمام کاموں میں، صحت مند انسانوں کی طرح حصہ لینے لگیں گے۔''

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے ڈاکٹر صاحب!'' بے ساختہ نازیہ کے منہ سے نکلا پھر اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا ابھی یہ فیکٹری نہیں جا سکتے؟''

''قطعی نہیں!'' ڈاکٹر نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''کبھی بھول کر بھی یہ غلطی نہ کیجیے گا!''

''اگر میں انہیں اپنی نگرانی میں فیکٹری لے جانا چاہوں تو.....؟''

''یہ آپ مریض کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کریں گی۔'' ڈاکٹر نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''اگر آپ نے انہیں گھر میں آرام نہ کرنے دیا تو دوبارہ بھی اٹیک ہو سکتا ہے اور دوسرا اٹیک اتنا خطرناک ہوگا کہ ان کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔''

ڈاکٹر کی بات سن کر نازیہ ڈر گئی پھر خوف زدہ لہجے میں بولی۔ ''ٹھیک ہے، میں انہیں گھر تک محدود رکھوں گی۔ میں اور شمع مل کر ان کا خیال رکھیں گے۔''

''شمع کون؟'' ڈاکٹر نے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

نازیہ نے بتایا۔ ''شمع ہماری گھریلو ملازمہ ہے۔ طویل عرصے سے وہ ہمارے گھر میں کام کر رہی ہے، اس کی حیثیت گھر کے فرد جیسی ہے۔ ہم شمع پر پورا بھروسا کرتے ہیں۔''

''دیٹس گڈ۔'' ڈاکٹر نے اطمینان سے گردن ہلائی اور بولا۔ ''جب آپ کی اور شمع کی صورت میں دو عورتیں جبار صاحب کا خیال رکھنے کے لیے گھر میں موجود ہیں تو پھر پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپ انہیں اپنی نگرانی میں، گھر میں آزادانہ حرکت کی اجازت دے سکتی ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں، ٹی وی دیکھیں، باتیں کریں اور لان میں چہل قدمی کریں۔ بس انہیں ذہنی تناؤ اور دباؤ سے دور رکھنا ہے اسی لیے میں ان کے فیکٹری جانے پر بھی پابندی لگا رہا ہوں۔''

''لیکن ڈاکٹر صاحب.....'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔ ''ان کے بغیر فیکٹری کیسے چلے گی۔ ان کا روزانہ فیکٹری جانا بہت ضروری ہے۔ پچھلے چار پانچ دن میں ادھر کئی مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں.....!''

''اب فیکٹری وغیرہ کے معاملات کی دیکھ بھال بھی آپ ہی کو کرنا ہوگی۔'' ڈاکٹر نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا۔ ''کیا جبار صاحب نے فیکٹری میں کوئی مینیجر وغیرہ نہیں رکھا ہوا؟''

''مینیجر تو ہے.....'' نازیہ نے جواب دیا۔ ''لیکن وہ صرف انتظامی معاملات دیکھتا ہے۔ روپے پیسے کا حساب کتاب جبار صاحب کے پاس رہتا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے، اس میں تو کوئی مشکل ہی نہیں۔'' ڈاکٹر نے بے پروائی سے کندھے اچکائے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مینیجر کو انتظامی امور کی نگرانی کرنے دیں۔ مالی معاملات کو آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہر روز صبح میں آپ ایک آدھ گھنٹے کے لیے فیکٹری کا چکر لگا لیا کریں۔ مینیجر آپ کو فیکٹری کی ضروریات کے بارے میں بریف کر دیا کرے گا۔ میرا خیال ہے، آپ بڑی آسانی سے اس سچویشن کو ٹیکل کر لیں گی اور پھر.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر ایک گہری سانس چھوڑنے کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''صرف چھ ماہ کی تو بات ہے۔ اس کے بعد جبار صاحب فیکٹری جانے کے قابل ہو جائیں گے۔''

نازیہ مطمئن ہو کر گھر آ گئی۔ ویسے وہ ڈاکٹر اسے بہت اچھا لگا تھا اور اس کا مشورہ بھی نازیہ کو پسند آیا تھا۔ عام طور پر ڈاکٹر مریض کے لواحقین سے اتنی تفصیلی گفتگو نہیں کیا کرتے۔ ڈاکٹری ایک عجیب و غریب اینٹی سوشل پیشہ ہے۔ اس پروفیشن میں اتنی زیادہ مصروفیت ہے کہ ایک ڈاکٹر معاشرے اور اس کے عمومی مزاج اور روایات سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مریض، کلینک اور اسپتال کو پیارا ہو جاتا ہے تو اس میں کسی شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔

ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق علاج جاری رہا لیکن چھ ماہ گزر جانے کے بعد بھی کوئی خاص فرق دیکھنے کو نہ ملا۔ ڈاکٹر کوئی حتمی اور دوٹوک بات نہیں کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نوعیت کے دماغی امراض کو ٹھیک ہونے میں بعض اوقات اندازے سے کہیں زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ نازیہ ذہنی طور پر بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ ایک پریشان حال انسان ''شارٹ کٹ'' کی طرف بہ آسانی چلا جاتا ہے اور خاص طور پر جب دائیں بائیں راہیں دکھانے والے موجود ہوں تو یہ کام اور بھی سہل ہو جاتا ہے۔ نازیہ بھی ''شارٹ کٹ'' کے چکر میں پڑ کر تاریک راہوں کی طرف نکل گئی تھی۔

اس کی چند قریبی جاننے والی چالاک لومڑیوں نے اسے ایک نئی راہ سجھائی ''نازیہ! تم کتنی سیدھی اور بے وقوف ہو.....!'' ایک ہمدرد عورت نے اس سے کہا۔

''کیوں..... میں نے ایسا کیا کر دیا؟'' اس نے مذکورہ ہمدرد سے پوچھا۔

''تم نے صرف ایک ہی طرف دھیان لگا رکھا ہے!'' وہ عورت رازدارانہ انداز میں بولی۔

''میں سمجھی نہیں.....؟'' نازیہ نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔

وہ بولی۔ ''تمہارا خیال ہے، جبار کو کوئی ذہنی بیماری ہوگئی ہے اور ڈاکٹر اس کو بالکل ٹھیک کر دیں گے.....!''

''ہاں! اگر میں ایسا سوچ رہی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے؟'' نازیہ ابھی تک اس عورت کا مقصد نہیں جان سکی تھی۔

''ہر کام ڈاکٹروں کے بس کا نہیں ہوتا!'' وہ عورت گہری نظر سے نازیہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اس لیے خوامخواہ وقت اور پیسہ برباد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''تمہیں جو بھی کہنا ہے، کھل کر کہو.....'' نازیہ نے بیزاری سے کہا۔ ''میرے پلے کچھ نہیں پڑ رہا۔ اگر جبار کا علاج ڈاکٹر نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟''

''کیا تم نے کبھی فرخندہ کے بارے میں سوچا ہے؟''

''فرخندہ.....!'' وہ چونک کر بولی۔ ''کیوں، اسے کیا ہوا ہے؟''

''اسے کچھ نہیں ہوا بلکہ اس نے کچھ کیا ہے۔'' وہ عورت سٹپٹا کر بولی۔ ''تم یا تو بہت ہی سادہ ہو یا پھر واقعی بے وقوف ہو۔ مجھے لگتا ہے، تمہاری سابق سوتن نے تم سے دشمنی کی ہے۔ جبار کی بیماری میں اسی کا ہاتھ ہو سکتا ہے.....!''

''مگر کیسے؟'' نازیہ کی پریشانی میں تشویش در آئی۔

''سفلی سے.....!'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔

''تمہارا مطلب ہے، فرخندہ نے جبار پر کوئی سفلی وغیرہ کرایا ہے۔'' نازیہ نے الجھن زدہ نظر سے اس عورت کو دیکھا۔ ''اسی لیے وہ ذہنی اور دماغی طور پر بیمار ہو گیا ہے.....؟''

''بالکل یہی بات ہے اور مجھے اس بات کا ایک سو ایک فیصد یقین ہے نازیہ۔'' وہ عورت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ ''تم نے فرخندہ سے اس کا شوہر چھینا ہے.....کم از کم وہ تو ایسا ہی سمجھتی ہے اس لیے اس سے بڑی دشمن تمہاری کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ وہ تمہیں اذیت پہنچانے اور جبار سے انتقام لینے کے لیے کسی بھی سطح تک جا سکتی ہے.....!''

اگر ڈاکٹروں کے علاج سے جبار کی بیماری میں انیس بیس کا فرق بھی پڑا ہوتا تو شاید نازیہ کا دھیان کسی سفلی وغیرہ کی طرف نہ جاتا۔ مایوسی کو اسی لیے گناہ عظیم کہا گیا ہے کہ مایوس اور ناامید انسان بڑی آسانی اور تیزی سے گمراہی کی راہ پر چل نکلتا ہے.....اور ایسی راہوں کے مسافر اپنی دنیا اور عاقبت دونوں تباہ کر لیتے ہیں۔

نازیہ نے اسی عورت کو اپنا مشیر بنا لیا اور پوچھا۔ ''مجھے کیسے پتا چلے گا کہ فرخندہ نے جبار پر کوئی گندا عمل کرایا ہے؟''

''ایک بہت ہی پہنچے ہوئے بابا کو میں جانتی ہوں۔'' وہ عورت رازدارانہ لہجے میں بولی۔ ''میں تمہیں ان کے پاس لے کر جاؤں گی۔ وہ حساب لگا کر سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دیں گے اور مجھے پکا یقین ہے کہ بابا وہی بتائیں گے جس شک کا میں نے اظہار کیا ہے۔''

نازیہ اسی فیصد سے بھی زیادہ اس عورت کی باتوں سے قائل ہو گئی تھی تاہم پھر بھی اتمام حجت کے طور پر اس نے پوچھ لیا۔

''فرض کرو، اگر یہ پتا بھی چل جاتا ہے کہ جبار کا دماغ کسی گندے عمل کی جکڑ میں ہے تو اس سے فائدہ کیا ہو گا۔ میں تو چاہتی ہوں جبار صحت یاب ہو جائیں.....!''

''تمہارا شوہر بالکل ہٹا کٹا اور ذہنی طور پر صحت مند ہو جائے گا۔'' وہ عورت بڑے وثوق سے بولی۔ ''بابا صرف مرض کی تشخیص ہی نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کے کالے پیلے کی کاٹ کے بھی ماہر ہیں۔ وہ چند ہی دنوں میں جبار کو ٹھیک کر دیں گے اور اگر تم چاہو گی تو.....'' وہ لمحے بھر کو پراسرار انداز میں خاموش ہوئی پھر ڈرامائی لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''تو وہ لوٹ پلٹ بھی کر دیں گے.....!''

''لوٹ پلٹ.....'' نازیہ نے متاملانہ انداز میں اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''یہ کیا ہوتا ہے؟''

''یہ بھی ایک طرح کا بڑا خطرناک عمل ہوتا ہے۔'' اس عورت نے بتایا۔ ''کوئی ماہر عامل جب کسی متاثرہ شخص کو سفلی کے اثرات سے باہر لانے کے لیے مخصوص عمل کرتا ہے تو اسی کے اندر وہ اگر ضرورت ہو تو، لوٹ پلٹ کا اضافہ بھی کر دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب متاثرہ شخص سفلی کی کاٹ سے بالکل ٹھیک ہو جائے گا تو سفلی کرانے والے پر جوابی وار ہو گا یعنی یہ سفلی لوٹ پلٹ کر اس کی طرف جائے گا اور وہ خود کو بچا نہیں پائے گا۔''

''نہیں بابا..... مجھے ایسا کچھ نہیں کرانا!'' نازیہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ ''تم تو بڑی خوف ناک باتیں کرتی ہو۔ میں اسی میں خوش ہو جاؤں گی کہ جبار صحت یاب ہو جائیں۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ عورت معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئی بولی۔ ''کل تم میرے ساتھ عامل بابا کے پاس جا رہی ہو نا؟''

نازیہ نے اس کام کے لیے رضامندی ظاہر کر دی۔

پہلے نازیہ اس عورت کے ساتھ دو بار ''بابا'' کے پاس گئی۔ وہ بابا بہت ہی پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ان دو ملاقاتوں میں کوئی ایسا چکر چلایا کہ پھر نازیہ اکیلے ہی اس کے پاس جانے لگی۔ ابتدا میں وہ بابا اپنے آستانے پر بیٹھ کر جبار کا علاج کرتا رہا پھر اس نے ان لوگوں کے گھر کی راہ دیکھ لی۔ یہ تو وہ پہلی ہی ملاقات میں بھانپ گیا تھا کہ مرغی تگڑی ہے تو مرغا بھی ہٹا کٹا ہو گا۔ وہ تو ایسے جان داروں کو حلال کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ پھر وہی ہونے لگا جو اس قسم کے معاملات میں ہوتا ہے۔ جبار کو تو کیا ٹھیک ہونا تھا، نازیہ ایمان کی دولت اور دولت کے ایمان سے خالی ہوتی چلی گئی..... اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں!

جبار کا نام نہاد علاج جاری و ساری تھا کہ ایک روز اس بنگلے میں یہ اندوہناک خبر گردش کرنے لگی..... جبار کو قتل کر دیا گیا ہے۔

''قتل'' کا لفظ میں نے ذرا جلدی استعمال کر دیا ہے۔ پہلے تو یہی سننے میں آیا کہ جبار کی موت واقع ہو گئی ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کے مانند فرخندہ اور طاہرہ تک بھی پہنچی۔ اس دوران میں طاہرہ کی شادی ہو چکی تھی اور اس کا شوہر کوئی بااثر شخص تھا۔ طاہرہ اور فرخندہ نے مل کر یہ اسٹینڈ لیا کہ جبار طبعی موت نہیں مرا بلکہ اسے باقاعدہ قتل کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان ماں بیٹی نے قاتل کی حیثیت سے نازیہ پر اپنے پختہ شک کا اظہار بھی کر دیا تھا اور پولیس سے مطالبہ کیا تھا کہ پوسٹ مارٹم کے بغیر

لاش کی تدفین نہیں ہونا چاہیے۔

اتنے واضح موقف کے بعد پولیس کے لیے کارروائی لازم ہوگئی جبکہ طاہرہ کا شوہر یوسف بھی اس معاملے میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ یوسف کا تعلق کسی فورس سے تھا جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں ہوگا۔ قصہ مختصر، جبار کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہوا اور نتیجے میں نازیہ کو شامل تفتیش کرلیا گیا۔ پولیس نے نازیہ پر اپنے شوہر کے قتل کا الزام عائد کیا تھا۔

جب یہ کیس میرے ہتھے چڑھا تو پلوں کے نیچے سے اور اوپر سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ مذکورہ کیس کو عدالت میں لگے ہوئے لگ بھگ تین ماہ ہوگئے تھے۔ ابتدائی عدالتی کارروائی بھی ہو چکی تھی اور اب مرحلہ استغاثہ کے گواہوں کا تھا۔ مجھ سے پہلے جو وکیل اس کیس کو چلا رہا تھا، اس کی کارکردگی سے نازیہ مطمئن نہیں تھی لہٰذا مجھے اس نے وکیل صفائی کرلیا تھا۔ ظاہر ہے، نازیہ تو جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل کسٹڈی میں تھی۔ اس کے ایک نمائندے نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔

میں نے آئندہ پیشی سے پہلے جیل جا کر اس کیس کی ملزمہ نازیہ سے ایک بھرپور ملاقات کرلی تھی۔ یہ جو اوپر میں نے ابھی آپ کو اس کیس کا پس منظر بتایا ہے، یہ اسی تفصیلی ملاقات کا نتیجہ ہے۔ اس میں سے بہت سی باتیں میں نے دانستہ روک لی ہیں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں انہیں ڈرامائی انداز میں سامنے لاکر آپ کو محظوظ کیا جائے۔

✠ ✠ ✠

پچھلی پیشی پر استغاثہ کے دو گواہ بھگتائے گئے تھے لیکن ان پر ہونے والی جرح میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آتی جسے میں آپ کے سامنے پیش کرسکوں۔ یہ تمام عدالتی کارروائی بڑی ڈھیلی اور پھسپھسی ثابت ہوئی تھی جبھی تو نازیہ نے فوراً وکیل کی تبدیلی کے بارے میں سوچا تھا۔ آگے بڑھنے سے قبل میں آپ کو مخالف پارٹی کے موقف سے آگاہ کرتا چلوں تاکہ دوسری جانب سے بھی آپ کا ذہن کلیئر رہے۔ مخالف پارٹی سے میری مراد فرخندہ اور طاہرہ ہے اور ان کی پشت پناہی کرنے والا فرخندہ کا داماد یوسف تھا۔

فرخندہ بھی کھل کر سامنے نہیں آئی تھی بلکہ فرخندہ اور یوسف نے طاہرہ کو فرنٹ پر رکھا تھا۔ طاہرہ سے مقتول کا براہ راست رشتہ بہت مضبوط تھا۔ فرخندہ چاہے مقتول کی بیوی نہ رہی ہو لیکن طاہرہ بہرحال ہر حال میں مقتول کی بیٹی ہی تھی اور وہی اس کیس میں مدعی کا کردار ادا کر رہی تھی۔ پشت پر یوسف اس کی بھرپور مدد کر رہا تھا۔ طاہرہ کا دعویٰ تھا کہ جبار کی طبعی موت نہیں ہوئی بلکہ اسے

باقاعدہ قتل کیا گیا ہے۔ ایسا دعویٰ کسی ہما شما نے کیا ہوتا تو شاید پولیس اس پر کوئی خاطر خواہ کارروائی نہ کرتی لیکن جیسا کہ میں نے بتایا، طاہرہ کا شوہر یوسف ایک فورس سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا اس نے ڈوریاں ہلائیں تو اس کیس میں جنبش پیدا ہو گئی تھی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول جبار کی موت شام چھ اور سات بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور اسے باقاعدہ گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اس کی گردن پر گلا گھونٹنے کے آثار پائے گئے تھے اور رپورٹ میں اسی بات پر زور دیا گیا تھا کہ سانس کی آمد و شد میں خلل اور رکاوٹ پیدا ہو جانے سے وہ زندگی ہار گیا تھا۔

میں نے جج کی اجازت سے اس کیس کے انکوائری آفیسر کو کٹہرے میں بلا لیا۔ وہ وٹنس باکس میں آ کھڑا ہوا تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''آئی او صاحب! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اس کیس کے حوالے سے آپ سے ایک دو سوالات کرنا چاہتا ہوں؟''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے وکیل صاحب۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

کسی بھی کیس میں تفتیشی افسر کی حیثیت استغاثہ کے گواہ جیسی ہوتی ہے اور ہر پیشی پر اسے عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آئی او صاحب! آپ نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو غور سے پڑھا ہے؟''

''جی ہاں۔ پڑھا ہے!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''آپ کو سب سے اہم اور خاص بات اس رپورٹ میں کیا نظر آئی؟''

''یہی کہ مقتول کو گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔'' وہ بدستور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''اس کی موت طبعی نہیں ہے۔''

''مقتول جبار کو گلا گھونٹ کر موت سے ہم کنار کیا گیا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''اور آپ کا خیال ..... بلکہ دعویٰ ہے کہ میری مؤکل نے اپنے شوہر کا گلا گھونٹا ہے..... مقتول جبار کی موت کے ذمے دار اس کی بیوی نازیہ ہے؟''

''جی ہاں..... اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس امر کی تصدیق کرتی ہے۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بے شک اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ مقتول کو گلا گھونٹ کر موت

کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔'' میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس رپورٹ میں کہیں یہ اشارہ یا تصدیق نہیں ملتی کہ مقتول کا گلا گھونٹنے والی میری مؤکلہ ہے.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''آئی او صاحب! آپ نے اتنا بڑا دعویٰ کس بنیاد پر کیا ہے۔ کیا آپ نے مقتول کی گردن پر سے قاتل کے فنگر پرنٹس اٹھائے تھے اور ان فنگر پرنٹس کا میری مؤکلہ کی انگلیوں کے نشانات سے موازنہ کیا تھا.....اور اگر آپ نے یہ سب کچھ کیا تھا تو اس کی رپورٹس کہاں ہیں۔ مجھے تو اس کیس کی فائل میں ایسی کوئی دستاویز نظر نہیں آئی؟''

''جناب! مقتول کی گردن پر سے فنگر پرنٹس نہیں لیے گئے تھے.....!'' آئی او نے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں.....؟'' میں نے اسے تیز نظر سے گھورا۔

''اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی.....'' وہ گول مول انداز میں بولا۔

''ضرورت محسوس نہیں کی گئی.....!'' میں نے تیز آواز میں کہا۔ ''واہ وا.....سبحان اللہ! آپ تو کمال کے تفتیشی افسر ہیں۔ ایک نہایت ہی اہم تفتیش کی آپ کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیا آپ نے کوئی استخارہ وغیرہ کر لیا تھا؟''

''بات یہ ہے جناب کہ.....'' وہ بات بناتے ہوئے بولا۔ ''یہ معاملہ اتنی افراتفری میں ہوا کہ فنگر پرنٹس وغیرہ اٹھانے کی نوبت نہیں آئی۔ ہم نے مقتول کی لاش کو فی الفور پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوا دیا تھا۔''

''مقتول کی موت، پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق شام چھ اور سات بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جبکہ پولیس اس معاملے میں اگلے روز کودی تھی اور اسی وقت مقتول کی لاش کو بھی پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوایا گیا تھا۔ پولیس کارروائی میں اتنی تاخیر سمجھ میں آنے والی بات نہیں آئی او صاحب.....!''

اس تاخیر کا سبب مجھے اچھی طرح معلوم تھا لیکن میں آئی او کی زبان سے عدالت کے ریکارڈ پر رجسٹر کرانا چاہتا تھا جبھی یہ سوال کیا تھا۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھ سے مستفسر ہوا۔

''وکیل صاحب! آپ ہمیشہ ہم سے سوال کرتے رہے ہیں لیکن اگر اجازت ہو تو آج ایک سوال میں بھی آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے سوال کا جواب میں اس کے بعد دوں گا۔''

''جی پوچھیں، آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔

''آپ نے پولیس کو کیا کوئی چراغی جن سمجھا ہوا ہے؟''

میں اس کا سوال سن کر چونکا لیکن کوئی سخت جواب دینے کے بجائے میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''نہیں..... میرے خیال میں پولیس کا تعلق جنات سے نہیں بلکہ یہ لوگ بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''شکر ہے، آپ نے یہ تو تسلیم کیا کہ ہم بھی انسان ہوتے ہیں۔ اب یہ بھی مان لیں کہ ہمیں غیب سے اشارے ہوتے ہیں نہ ہی ہم نے مستقبل بینی یا ٹیلی پیتھی کا علم سیکھ رکھا ہے۔ جب تک ہمیں کیس کارروائی کے لیے بلایا نہیں جاتا یا کسی معمولی، غیر معمولی واقعے کی ہمیں اطلاع نہیں ملتی، ہم حرکت میں نہیں آتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مقتول جبار کی موت شام چھ اور سات بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی لیکن.....'' وہ سانس درست کرنے کے لیے تھما پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''لیکن ہمیں اس واقعے کی اطلاع دوسری صبح ملی اور ہم فوراً حرکت میں آ گئے۔ یہ تو شکر ہے کہ ہم نے مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دیا ورنہ ملزمہ تو اسے کفنانے، دفنانے کا مکمل انتظام کر چکی تھی۔ مردہ گیا زمین کے اندر۔ کھیل ختم، پیسا ہضم.....''

''آپ اگلی صبح بھی اس لیے حرکت میں آئے تھے کہ اوپر سے دباؤ پڑا تھا۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''لیکن اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ اصل قصور تو آپ کی تفتیش میں چھپا ہوا ہے آئی او صاحب.....!''

''ہماری تفتیش میں کون سا قصور چھپا ہوا ہے؟'' وہ حیرت بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ تفتیش کے لیے جائے وقوعہ یعنی مقتول کے بنگلے پر پہنچے جہاں اس کے کفن دفن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ آپ نے بہ زور بازو اس عمل کو رکوایا اور مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوا دیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''ہرگز نہیں۔'' وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''یہاں تک آپ نے بالکل درست بیان فرمایا ہے۔''

''یہاں تک درست بیان فرمایا ہے۔'' میں نے آئی او کے الفاظ کو زیر لب دہراتے ہوئے کہا۔ ''اس کے آگے کا بیان یہ ہے کہ آپ نے بغیر فنگر پرنٹس میچنگ کے میری مؤکلہ کو گرفتار کر لیا۔

آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میری مؤکلہ نے اپنے شوہر کو گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا ہے؟''

''سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پوسٹ مارٹم اس بات کی نشاندہی کرتی ہے.....!''

''کس بات کی نشاندہی کرتی ہے؟'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔

''اس بات کی نشاندہی کہ مقتول کو گلا گھونٹ کر زندگی سے محروم کیا گیا ہے۔'' وہ گڑبڑاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مقتول کی گردن کے مختلف حصوں پر گلا دبائے جانے کے مخصوص آثار ملے ہیں.....''

''مجھے آپ کی اس بات سے قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ میری مؤکلہ کے شوہر کو گردن دبا کر اس دنیا سے اس دنیا میں منتقل کیا گیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس حقیقت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس کیس کی ملزمہ اور میری مؤکلہ نے یہ قاتلانہ اقدام کیا ہے؟''

وہ ایک مرتبہ پھر مجھ سے مستفسر ہوا۔ ''وکیل صاحب! میں ابھی آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ پہلے آپ مجھے ایک بات بتائیں.....؟''

اس انکوائری آفیسر پر جرح کرتے ہوئے مجھے لطف آنے لگا تھا لہٰذا میں نے بڑی فراخدلی سے کہا۔ ''ہاں جناب.....کون سی بات؟''

''کیا آپ کو معلوم ہے، مقتول کے کتنے بچے تھے؟''

میں نے تفریح لینے والے انداز میں کہا۔ ''یعنی، آپ مجھ سے میری مؤکلہ کی اولاد کے بارے میں سوال کر رہے ہیں؟''

''جی ہاں، یہ ایک ہی بات ہے!'' وہ سرسری انداز میں بولا۔

''یہ ایک بات نہیں ہے آئی او صاحب!'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''آپ ایک بہت بڑی حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں۔''

''کون سی حقیقت؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔ ''مقتول اور ملزم آپس میں میاں بیوی تھے۔ ملزم کے بچے، مقتول کے بچے ہی تو کہلائیں گے۔ اسی طرح مقتول کی اولاد کو ملزم کی اولاد کہا جائے گا۔''

''آپ یہیں پر تو غلطی کر رہے ہیں قبلہ!'' میں نے سنسنی خیز انداز میں کہا۔

''آپ میری غلطی کی تصحیح فرما دیں.....'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''یہاں تک تو آپ کا بیان درست ہے کہ ملزمہ کی اولاد کو مقتول کی اولاد کہا جائے گا کیونکہ مقتول اس کا پہلا شوہر تھا لیکن یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ مقتول کی اولاد، ملزمہ کی اولاد کہلائے گی۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مقتول کے صرف وہ بچے جو ملزمہ کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں، ان کی اولاد کہلانے کا حق رکھتے ہیں جبکہ جو اولاد مقتول کی سابق بیوی فرخندہ نے پیدا کی وہ ملزمہ کی اولاد نہیں کہلائے گی۔ جیسا کہ اس کیس کی مدعی طاہرہ مقتول کی بیٹی تو ہے لیکن اسے ملزمہ کی بیٹی ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔''

''آپ تو بات کو کسی اور طرف لے گئے ہیں۔'' وہ اپنے چہرے پر بیزاری طاری کرتے ہوئے بولا۔ ''میرے سوال کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا..... آپ تو کسی دائی اماں کی طرح رشتوں کی گہرائی میں اتر گئے ہیں۔''

اس کا تبصرہ مجھے قطعی پسند نہیں آیا۔ میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''آپ نے جس احمقانہ انداز میں سوال پوچھا تھا اس کا سیدھا اور کھرا جواب تو یہی ہوسکتا تھا جو میں نے آپ کو دیا ہے۔ ویسے، ہائی داوے.....'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آئی او صاحب! آپ کے سوال کا اصل مقصد کیا تھا؟''

''میں آپ کی زبان سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ مقتول اور ملزمہ کے علاوہ اس گھر میں ان کے کتنے بچے رہائش پذیر تھے؟'' وہ کھسیانی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''ایک بھی نہیں۔'' میں نے دوٹوک انداز میں بتایا۔ ''کیونکہ ان کے بچے نہیں تھے۔ یہ وقوعہ تک ایک بے اولاد جوڑا تھا۔''

''شکریہ وکیل صاحب!'' وہ مصنوعی ممنونیت چہرے پر سجا کر بولا۔ ''اب یہ بھی بتادیں، گھر میں ملازمین کی کتنی تعداد تھی؟''

''صرف ایک.....!'' میں نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔ ''دیرینہ گھریلو ملازمہ شمع۔ یہ لوگ ڈرائیونگ خود کرتے تھے۔ دیگر ملازمین کا بکھیڑا انہوں نے پالا نہیں تھا۔ صفائی، ستھرائی، دھلائی اور کھانے پینے کے تمام تر معاملات کے لیے شمع ہی کافی تھی۔''

''گویا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس بنگلے میں مقتول، ملزمہ اور گھریلو ملازمہ شمع کے علاوہ اور کوئی قیام پذیر نہیں تھا؟'' آئی او نے خاصے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

وہ ان لمحات میں خالصتاً وکیل استغاثہ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اس کیس کا وکیل استغاثہ اپنی

مخصوص جگہ پر کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ کہ کب میں انکوائری آفیسر کو فارغ کروں اور کب وہ استغاثہ کی ایک اہم گواہ کو پیش کرے۔ میں نے آئی او کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں، میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں!''

''یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ گھریلو ملازمہ شمع ایک کل وقتی ملازمہ تھی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''وہ ہفتے میں صرف ایک دن کے لیے اپنے گھر جاتی تھی.....؟''

میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہاں، میں یہ بات جانتا ہوں کہ شمع ہفتے کی سہ پہر چار بجے، ایک دن کی چھٹی لے کر اپنے گھر چلی جاتی تھی اور اتوار کی سہ پہر ٹھیک چار بجے وہ واپس آ جاتی تھی۔ اس کے بیٹے کی رہائش اختر کالونی میں ہے۔ شمع ایک دن اسی کے ساتھ گزارتی تھی۔ شمع کا اپنا کوئی گھر بار یا شوہر نہیں ہے.....!''

''یعنی ہفتے کی سہ پہر سے اتوار کی سہ پہر تک مقتول اور ملزمہ اپنے بنگلے پر اکیلے ہی ہوا کرتے تھے؟'' اس نے چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''ہاں، ان لوگوں کا معمول تو یہی تھا۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''ویک اینڈ پر یہ دونوں میاں بیوی رات کا کھانا کسی ریسٹورنٹ میں کھاتے تھے اور رات گئے ان کی واپسی ہوا کرتی تھی پھر اگلی صبح بھی وہ دیر ہی سے سو کر اٹھتے تھے لہٰذا ناشتا دن کے وقت کیا جاتا اور جب لنچ ٹائم ہوتا تو شمع چوبیس گھنٹے کی چھٹی گزار کر واپس آ چکی ہوتی تھی لیکن.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن..... جب مقتول کی ایک خطرناک ذہنی بیماری کا انکشاف ہوا اور ڈاکٹروں نے اس کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کر دی تو گھر کا معمول بدل کر رہ گیا۔ ڈاکٹروں کی تاکید کے مطابق، مقتول کو کڑی نگرانی میں رکھنے کی ضرورت تھی چنانچہ شمع کی چوبیس گھنٹے کی چھٹی کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اب وہ محض چند گھنٹوں کے لیے ہفتہ وار اپنے گھر جانے لگی تھی اور اس دوران میں ملزمہ بنگلے پر موجود رہ کر مقتول کی نگرانی اور دیکھ بھال وغیرہ کیا کرتی تھی لیکن چھ آٹھ ماہ کے بعد روٹین میں ایک مرتبہ اس وقت پھر تبدیلی رونما ہوئی جب ڈاکٹروں نے ملزمہ کی نگرانی اور معیت میں مقتول کو بنگلے سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی۔ اب شمع کی پرانی چھٹی بحال کر دی گئی تھی۔ وہ ہفتے کی سہ پہر چار بجے سے اتوار کی سہ پہر چار بجے تک بنگلے پر موجود نہیں ہوتی تھی۔''

''اس تفصیل سے جواب دینے کا بہت شکریہ جناب!'' وہ کھوکھلے لہجے میں بولا، پھر پوچھا۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وقوعہ کے روز کون سا دن تھا؟''

''ہفتہ!'' میں نے فوراً جواب دیا۔

''یعنی عین وقوعہ کے وقت، دیرینہ گھریلو ملازمہ شمع معمول کی چوبیس گھنٹے والی چھٹی گزارنے اپنے گھر گئی ہوئی تھی اور مقتول و ملزمہ کے سوا بنگلے پر اور کوئی شخص موجود نہیں تھا؟''

آئی او نے اپنی دانست میں بڑا کانٹے کا سوال کیا تھا لیکن میرے پاس اسے لاجواب کرنے کے لیے بہتیرا مواد موجود تھا۔ وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش میں تھا کہ وقوعہ کے وقت جائے وقوعہ پر صرف مقتول اور ملزمہ ہی موجود تھے لہٰذا اگر مقتول قتل ہو گیا تھا تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہی نکلتا تھا کہ اسے ملزمہ نے موت کے گھاٹ اتارا ہوگا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور آئی او کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''غالباً آپ اتنی طویل پوچھ تاچھ اور تحقیق کے بعد مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اگر آپ نے قاتل کی حیثیت سے میری مؤکلہ کو اس کیس میں نامزد کیا ہے تو اس کا ٹھوس سبب آپ کی نظر میں یہ ہے کہ جائے حادثہ یا جائے وقوعہ پر اس وقت ملزمہ اور مقتول کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا لہٰذا ملزمہ ہی نے مقتول کی جان لی ہے..... ہیں نا؟''

''اب میں اور کیا کہوں وکیل صاحب.....!'' وہ فاتحانہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے جناب.....!''

''مجھے آپ کی اس بات سے مکمل اتفاق ہے آئی او صاحب کہ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔'' میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آپ نے یہ ''اشارہ'' سمجھنے میں بڑی سنگین غلطی کی ہے۔ آپ کی عقل مندی میری نگاہ میں مشکوک ہو گئی ہے.....!''

اس کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ میں اسے کس حوالے سے نیچا دکھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بے حد حیرت بھرے لہجے میں اس نے پوچھا۔

''آپ کی نظر میں، میں نے کون سی سنگین غلطی کی ہے؟''

''آپ کا یہ خیال بلکہ..... خام خیال کہ وقوعہ کے وقت میری مؤکلہ جائے حادثہ پر موجود تھی، کسی سنگین غلطی سے کم نہیں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ملزمہ نازیہ وقوعہ کے روز سہ پہر پانچ بجے سے لے کر شام آٹھ بجے تک اپنے بنگلے سے میلوں دور کسی اور مقام پر موجود تھی اور میں اس

حقیقت کو ثابت بھی کر سکتا ہوں۔''

''وہ..... اپنے بیمار شوہر..... کے پاس بنگلے پر موجود..... نہیں تھی تو پھر..... کہاں تھی.....؟'' وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''اسے ایک ایمرجنسی کے سلسلے میں اچانک گھر سے نکلنا پڑا تھا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''جب مقتول جبار کی موت واقع ہوئی، وہ جائے وقوعہ پر موجود ہی نہیں تھی لہٰذا وہ کسی بھی صورت میں اپنے شوہر کی قاتل نہیں ہو سکتی..... دیٹس آل!''

''وہ اگر جائے وقوعہ پر نہیں تھی تو پھر کہاں تھی؟'' انکوائری آفیسر کی جھنجلاہٹ، بے چینی اور پریشانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ ملزمہ کو وقوعہ کے روز کون سی ایمرجنسی پیش آ گئی تھی.....؟''

''مائی ڈیئر آئی او!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وقت آنے پر میں نہ صرف یہ بتا دوں گا کہ ملزمہ نے یہ تین گھنٹے کس ایمرجنسی میں گزارے تھے بلکہ اس شخص کو بطور گواہ بھی عدالت میں پیش کر دوں گا، یہ وقت میری موکلہ نے جس کے ساتھ گزارا تھا۔ آپ اپنے وکیل صاحب پر تھوڑا کرم کریں.....'' میں نے ذرا دیر کو رک کر رحم بھری نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر دوبارہ تفتیشی افسر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اضافہ کیا۔

''وہ بے چارے کافی دیر سے اس انتظار میں ہیں کہ کب ان کی باری آتی ہے۔ آج تو آپ نے ماشاءاللہ! وکیل استغاثہ کی کرسی سنبھال رکھی ہے.....!''

وہ میرے ان تعریفی مگر طنز سے لبریز کلمات کے اثرات سے جز بز ہو کر رہ گیا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر استغاثہ کی جانب سے مقتول کی سابق بیوی فرخندہ کو گواہی کے لیے عدالت میں لایا گیا۔ فرخندہ نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرایا پھر وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے پاس چلا گیا۔

''فرخندہ صاحبہ!'' وہ گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔ ''آپ کو مقتول کی موت کا افسوس تو ہوا ہو گا؟''

''یقینی بات ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''کوئی دشمن بھی مر جائے تو اس کی موت پر بغلیں نہیں بجانا چاہئیں۔ مقتول تو پھر میری بیٹی کا باپ تھا۔''

''آپ مقتول کی موت پر رنجیدہ نظر آ رہی ہیں۔'' وکیل استغاثہ نے ایک خاص زاویے کا استعمال کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس نے زندگی میں آپ کے ساتھ بہت برا کیا تھا.....!''

''زندگی میں سکھ اور دکھ نصیب سے ملتے ہیں وکیل صاحب!'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''ویسے میرے خیال میں مقتول اتنا برا انسان نہیں تھا جتنا حالات اسے بناتے رہے ہیں۔''

وہ بہت ہی ناپ تول کر معقول باتیں کر رہی تھی۔ وکیل استغاثہ نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کام جاری رکھا اور پوچھا۔

''تو آپ کی اس بات کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ حالات نے اگر اسے ایک برے انسان کے روپ میں پیش کیا ہے تو اس کے پیچھے کسی خاص شخصیت کا ہاتھ تھا؟''

''جی، حقیقت یہی تھی۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا آپ اس خفیہ ہاتھ کی نشاندہی کریں گی.....!''

''کیا آپ کو نہیں معلوم؟'' الٹا فرخندہ نے وکیل استغاثہ سے پوچھ لیا۔

''مجھے تو معلوم ہے میڈم.....'' وہ اپنے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''لیکن معزز عدالت آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہے۔''

''اس سلسلے میں، میں صرف اتنا کہوں گی کہ جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتے ہیں، بالآخر وہ ایک دن خود ہی اس گڑھے میں جا گرتے ہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ ''مقتول کا امیج بگاڑ کر اسے تباہی و بربادی کی راہ پر لے جانے کی ذمے داری جس شخصیت پر عائد ہوتی ہے آج وہ خود مجرم بنی کٹہرے میں کھڑے ہے۔''

''گویا اشارتاً نہیں بلکہ بڑے وثوق سے آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ مقتول کی تباہ حال زندگی اور افسوس ناک موت کی ذمے دار ملزمہ نازیہ ہے؟''

''اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''اس عورت نے صرف مقتول کو ہی تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ اس آخری حرکت کے بعد تو اپنا بھی خانہ خراب کر لیا ہے۔''

''آخری حرکت سے آپ کی مراد..... مقتول کا قتل ہے؟'' وکیل استغاثہ نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی..... آپ کا اندازہ بالکل درست ہے!'' وہ اٹل لہجے میں بولی۔

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی گواہ سے سوال کیا۔ ''فرخندہ صاحبہ! کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گی کہ ملزم نے ایسی گھٹیا حرکت کیوں کی؟''

''یہ کوئی ڈھکا چھپا معاملہ نہیں جو میں اس کی وضاحت کروں۔'' گواہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''حالات و واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ یہ سارا کھیل دولت کی ہوس میں کھیلا گیا ہے اور ایسی ہوس کا جو انجام ہوتا ہے وہ بھی آج سب کے سامنے ہے۔''

استغاثہ کی ایک اہم گواہ اور مقتول کی سابق بیوی بار بار میری موکلا کو اپنے شوہر کا قاتل قرار دے رہی تھی لیکن میری موکلا یہ تمام تکلیف دہ اور اذیت ناک باتیں سننے پر مجبور تھی۔ کسی بھی کیس کی سماعت کے دوران میں ملزم کی حیثیت ایک مجبور محض کی سی ہوتی ہے۔ اسے اپنے خلاف ہزاروں قسم کی کڑوی کسیلی باتوں کا زہر پی کر خاموش رہنا پڑتا ہے۔ میری مؤکلہ نازیہ بھی ان لمحات میں یہی کر رہی تھی.....!

تاہم میں بڑی توجہ سے وہ تمام اہم پوائنٹس اپنے ذہن میں محفوظ کرتا چلا جا رہا تھا جن پر بعد میں مجھے استغاثہ کے گواہ سے جرح کرنا تھی۔ جب تک وکیل استغاثہ اپنی گواہ کے ساتھ مصروف تھا، میں سوائے اپنی باری کے انتظار کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وکیل استغاثہ نے بڑے معتدل انداز میں جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے گواہ سے کہا۔ ''فرخندہ صاحبہ! میں سمجھتا ہوں، آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔''

''صرف میرے ساتھ نہیں.....'' وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ ''بلکہ میری بیٹی طاہرہ کے ساتھ تو ظلم ہوا ہے۔ اس کے لیے زیادتی کا لفظ بہت چھوٹا، بہت حقیر محسوس ہوتا ہے.....''

وکیل استغاثہ کی اس جرح کا زیر سماعت کیس سے ڈائریکٹ کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ محض ان ماں بیٹی کو عدالت کے سامنے مجبور اور مظلوم ثابت کر کے معزز عدالت کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی ہمدردیوں کو بھی ان کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی نظر آتا تھا۔

''فرخندہ صاحبہ!'' وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ ''یقین نہیں آتا

کہ کوئی شخص دولت کی ہوس میں تمام تر اخلاقی اور انسانی حدود کو بھی پھلانگ سکتا ہے لیکن یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں.....'' اس نے ڈرامائی انداز میں لمحاتی توقف کیا، پھر اضافہ کرتے ہوئے گواہ سے مستفسر ہوا۔ ''آپ مقتول کی ذہنی بیماری کے بارے میں کیا کہیں گی؟''

''اس بیماری میں بھی اسی عورت کا ہاتھ ہے۔'' فرخندہ نے انگلی کے اشارے سے نازیہ کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔ ''میں نے مقتول کی بیوی کی حیثیت سے ایک طویل عرصہ اس کے ساتھ گزارا ہے۔ میں سمجھتی ہوں، اسے کسی بھی نوعیت کا کوئی دماغی مرض نہیں تھا۔ وہ ایک باہوش اور نارمل انسان تھا۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ اس کا رویہ معتدل اور معقول رہا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ دوسری شادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد ایک خطرناک دماغی مرض کا انکشاف ہوتا ہے اور ایک سال تک مختلف نوعیت کے علاج معالجے کے بعد وہ ختم ہو جاتا ہے بلکہ..... علاج معالجے کو ناکام ہوتے دیکھ کر اسے ختم کر دیا جاتا ہے..... بہ دست خود!''

''آپ ذرا اس امر کی وضاحت فرمائیں گی.....؟'' وکیل استغاثہ نے شیطانی انداز میں کہا۔

''وضاحت کیا فرماؤں، بہت ہی سیدھی سی بات ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''ملزمہ نے ایک خاص پلاننگ کے تحت مقتول کو اپنے شیشے میں اتار کر اس سے شادی کی تھی۔ مقصد اس شادی کا دولت و جائیداد اور کاروبار کا حصول تھا.....'' وہ پوری طرح اپنے دل کا گرد و غبار دھو رہی تھی۔ لمحاتی توقف کے بعد اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے اس نے بتانا شروع کیا۔ اس کے انداز میں طنز کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

''شادی تو ہو گئی تھی لیکن مقصد کے حصول کی راہ میں، میں سب سے بڑی رکاوٹ کی طرح نظر آ رہی تھی۔ مقتول کو مجھ سے دور کرنے اور مجھے مقتول کی زندگی سے نکال باہر پھینکنے کے لیے ہر حربہ آزمایا گیا۔ پہلے تو مقتول کو مجبور کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ مجھے طلاق دے دے۔ جب اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو ساری توپوں کا رخ میری بیٹی کی جانب موڑ دیا گیا۔ میری بیٹی کو کالج آتے جاتے وقت اور ایک آدھ مرتبہ مارکیٹ میں شاپنگ سے واپس آتے ہوئے کرائے کے غنڈوں نے روک کر الٹی سیدھی مگر خطرناک دھمکیاں دیں اور خوفناک نتائج سے ڈرانے کی کوشش کی۔ کوئی اندھا شخص بھی یہ دیکھ سکتا تھا، کوئی بہرا انسان بھی یہ سن سکتا تھا اور کوئی فاتر العقل انسان بھی یہ سمجھ سکتا تھا کہ طاہرہ کے ساتھ جو کارروائی ہوئی تھی اس کے پیچھے کون سا شیطانی ذہن کارفرما ہے.....'' وہ لمحے بھر کو رکی، پھر گہری سانس خارج کی اور اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے ان تمام واقعات کا ذکر مقتول سے کیا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لگتا تھا، میری سوتن نے اس شخص کو کسی خاص ''ٹریٹمنٹ'' سے گزار کر میرے اور طاہرہ کے خلاف کر دیا تھا۔ اسے ہماری کوئی تکلیف اور پریشانی دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ صورت حال روز بروز بگڑتے دیکھ کر میں نے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اپنی اور اپنی بیٹی کی جان اور عزت کے تحفظ کی خاطر ہر سہولت، مراعت اور حق سے دستبردار ہونے کا ارادہ باندھا اور عدالت سے رجوع کر لیا۔ عدالت نے میرا مطالبہ پورا کرتے ہوئے مجھے آزادی دلا دی.....''

''گویا آپ نے اپنی دشمن کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا!'' وکیل استغاثہ نے گرہ لگائی۔ ''تاکہ وہ اپنی مرضی کا کھیل کھل کر کھیل سکے.....؟''

''ہر انسان کی اپنی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں وکیل صاحب!'' استغاثہ کی گواہ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مجھے اپنی اور اپنی بیٹی کی جان و عزت عزیز تھی لہٰذا اس سرمائے کی حفاظت کے لیے میں نے میدان کو چھوڑ کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس عورت کو.....'' اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑی میری مؤکلہ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور زہریلے لہجے میں بولی۔

''اس عورت کو دولت اور جائیداد کی ہوس تھی۔ اس نے مقتول سے شادی کی، مجھے اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہوئے راستے سے ہٹا دیا، مقتول کو خطرناک دماغی مرض میں مبتلا کیا، الٹے سیدھے عاملوں سے علاج کرا کے مقتول کی صحت کا کباڑا کیا اور جب پھر بھی مقصد پورا ہوتا نظر نہ آیا تو گلا دبا کر اس کا قصہ ہی پاک کر دیا.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی۔ ایک اطمینان بھری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''یہ تو بھلا ہو طاہرہ کے شوہر یوسف کا.....اس نے اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے اس کیس کو عدالت تک پہنچایا ہے ورنہ تو یہ عورت مقتول کو قبر میں اتار کر اور ہاتھ جھاڑ کر، صاف بچ کر نکلی جا رہی تھی.....وکیل صاحب! مکافات عمل بھی تو کوئی شے ہے نا۔ یہ جب انسان کی ٹانگ کھینچتا ہے تو وہ ملزمہ ہی کی طرح منہ کے بل زمین پر گرتا ہے۔ بتائیں، اس عورت کو کیا حاصل ہوا۔ جس دولت اور جائیداد کی خاطر اس نے ایسا خطرناک کھیل کھیلا، وہ اس کے ہاتھ نہیں آ سکتی۔ یہ ایک قاتل کی سزا پا کر سیدھی جیل جائے گی۔ کوئی بھی مجرم حصے دار نہیں ہو سکتا۔ مقتول کی ساری جائیداد، دولت اور کاروبار میری بیٹی کے حصے میں آئے گا۔ میں مقتول کی بیوہ نہ سہی لیکن طاہرہ تو ہر حال میں اس کی بیٹی ہے نا.....اس کی سچی اور اکلوتی وارث.....!''

دو چار ضمنی سوالات کے بعد وکیل استغاثہ نے جرح موقوف کر دی۔ اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا اور گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''فرخندہ صاحبہ! وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں، آپ کی دکھ بھری کہانی مجھ تک پہنچ گئی۔ اسی ضمن میں، میں آپ سے چند سوالات کروں گا۔ امید ہے، آپ اپنے جوابات سے معزز عدالت کو مایوس نہیں کریں گی.....!''

''وکیل صاحب!'' وہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے گہری سنجیدگی سے بولی۔

''آپ جس عورت کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اس کے مکر و فریب اور چال بازی سے آپ کو آگاہی نہیں ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ یہ کتنی ڈرامے باز شخصیت ہے۔ مجھے یقین ہے کچھ عرصے کے بعد آپ کو یہ کیس پکڑنے کا بہت افسوس ہوگا۔''

''میں کیا جانتا ہوں اور کیا نہیں جانتا، اس بات کی خبر رکھنا یا اس حوالے سے پریشان ہونا آپ کی جاب نہیں ہے فرخندہ صاحبہ!'' میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور جہاں تک میری مؤکلہ کے فریبی، چال باز اور شاطر ہونے کا تعلق ہے تو یہ اس کی ذاتیات ہیں۔ میں اپنے مؤکل کی نجی زندگی کو ٹچ نہیں کرتا، صرف ان امور پر نگاہ رکھ کر میں اپنے مؤکل کو بچانے کی کوشش کرتا ہوں جو زیر سماعت کیس سے منسلک ہوتے ہیں۔ عدالت کے اندر حقائق، دلائل اور ٹھوس ثبوت کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں اور میں اچھی طرح نہ صرف یہ جانتا ہوں کہ میری مؤکلہ بے گناہ اور بے قصور ہے بلکہ اس کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت بھی عدالت میں پیش کر سکتا ہوں لہٰذا.....'' میں نے تھوڑا توقف کیا، حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد اپنی بات مکمل کر دی۔ ''لہٰذا..... آپ کو اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیوں کر رہا ہوں!''

اس نے برا سا منہ بنایا اور بیزاری سے بولی۔ ''اللہ آپ کے حال پر رحم فرمائے.....!''

''آمین.....!'' میں نے بہ آواز بلند اس کی دعا کو مکمل کیا پھر سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''فرخندہ صاحبہ! جرح شروع کی جائے؟''

''جی پوچھیں۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولی۔ ''آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

میں نے پوچھا۔ ''آپ نے بڑے وثوق اور دعوے کے ساتھ، وکیل استغاثہ کے سوالات کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میری مؤکلہ ایک بہت بری عورت ہے۔ اس نے ایک

گہری سازش کے تحت آپ کو مقتول کی زندگی میں سے، دودھ کی مکھی کے مانند نکال باہر پھینکا اور تمام دولت و جائیداد پر قابض ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کامیابی پر بھی اس کے جذبۂ ہوس کی تسکین نہ ہوئی اور اس نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے مختلف ہیلوں وسیلوں سے مقتول کو دماغی مریض بنا دیا تا کہ اس کی طبعی موت کا ایک جواز دنیا والوں کی نظر میں رجسٹر ہو جائے۔ ایک سال تک اپنے بیمار شوہر کی تیمارداری اور دیکھ بھال کر کے اس نے معاشرے کی ہمدردیاں بھی سمیٹ لیں اور بالآخر اس کا گلا دبا کر اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر دیا۔ اگر آپ عین وقت پر متحرک نہ ہوتیں تو ملزمہ اپنے مذموم عزائم میں کلی طور پر کامیاب ہو چکی تھی..... یہی مؤقف ہے نا آپ کا؟''

''جی ہاں!'' وہ اٹل لہجے میں بولی۔ ''حقیقت یہی ہے۔''

''اگر آپ کا موقف یہی ہے تو میں بڑی معذرت کے ساتھ کہوں گا.....'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''یہ بڑا ہی کھوکھلا مؤقف ہے.....!''

''جی..... کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''مطلب صاف ظاہر ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے اپنے بیان اور بعد ازاں وکیل استغاثہ کی جرح میں جتنے بھی بلند بانگ دعوے کیے ہیں ان میں سے کسی کے حوالے سے بھی آپ کے پاس کوئی دستاویزی یا واقعاتی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ آپ کی دکھ بھری کہانی بالکل فلمی انداز میں فکشن کا ماسٹر پیس معلوم ہوتی ہے.....!''

اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات نمودار ہوئے پھر وہ خاصے جارحانہ انداز میں بولی۔

''آخر آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں.....؟''

''میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں فرخندہ صاحبہ.....!'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے میری مؤکلہ پر الزام عائد کیا کہ اس نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت آپ کو مقتول کی زندگی سے نکال کر باہر پھینک دیا جبکہ زمینی اور عدالتی حقائق آپ کے دعوے کی نفی کرتے ہیں۔ مقتول نے دوسری شادی کے بعد بھی آپ کی مراعات، حقوق اور سہولیات میں کوئی کمی یا تعطل پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ دونوں گھروں کے ساتھ ممکنہ حد تک انصاف کرتا رہا۔ مقتول نے آپ کو طلاق نہیں دی بلکہ آپ اپنی مرضی سے خلع لے کر اس کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گئیں۔ آپ کو اپنی انا اور ہٹ دھرمی عزیز تھی، اپنی بیٹی طاہرہ کا مستقبل نہیں۔ خود غرضی کی اس سے بڑی مثال بھلا اور کہاں ملے گی.....؟''

''خلع کا فیصلہ میں نے.....طاہرہ کے محفوظ مستقبل کی خاطر ہی کیا تھا!'' وہ چیخ سے مشابہ لہجے میں بولی۔ ''ورنہ یہ کمینی عورت میری بچی کو غنڈوں سے اغوا کروا کے پتا نہیں کس تاریک گڑھے میں پھنکوا دیتی.....!''

''یہ سب مفروضے آپ کے بیمار ذہن کی پیداوار ہیں۔'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''ورنہ اپنے کسی بھی دعوے کا آپ کے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں ہے.....!''

وہ گھور کر معاندانہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے بہ آواز بلند اپنا بیان جاری رکھا۔

''اس کے بعد آپ نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ملزمہ نے ہی مقتول کو خطرناک دماغی مرض میں مبتلا کیا تھا۔ میری مؤکلہ کی جانب سے مقتول کے ٹریٹمنٹ کا مکمل ریکارڈ تمام ٹیسٹ رپورٹس اور نسخہ جات کے ساتھ عدالت میں پیش کیا گیا ہے اور یہ تمام تر حقائق کیس فائل میں موجود ہیں کہ شہر کے ماہرین امراض دماغ نے مقتول کا علاج کیا اور بہ وقت موت وہ کافی حد تک صحت یاب ہو چکا تھا۔ اگر میری مؤکلہ اپنے شوہر کی دشمن ہوتی تو وہ اسے بیماری سے صحت کی طرف لانے کے بجائے اس کے حال پر چھوڑ دیتی۔ اس دماغی مرض کے ساتھ وہ معاشرے میں ایک تماشا بن کر رہ جاتا اور کسی وقت، کسی بھی تاریک کونے میں اس کی عبرت ناک موت واقع ہو جاتی جبکہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ جو حقائق و شواہد سامنے ہیں ان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ میری مؤکلہ اپنے شوہر کی سچی ہمدرد اور مخلص جیون ساتھی تھی۔ اس نے زندگی کی آخری سانس تک اپنے بیمار شوہر کا ساتھ نبھایا جس کی گواہی فیکٹری کا ایک ایک ورکر، مقتول کے پڑوسی اور سب سے بڑھ کر وہ ڈاکٹرز دیں گے جنہوں نے اس کا دماغی علاج کیا تھا.....''

''یہی تو اس عورت کا کمال ہے۔ یہ خود بھی کچھ کم نہیں اور بڑے بڑے عاملوں کاملوں سے بھی اس نے تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔'' وہ نفرت آمیز انداز میں میری مؤکلہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اس نے پہلے تو مقتول کو اُلّو کا گوشت کھلا کر اپنا مطیع و فرماں بردار بنایا پھر عاملوں کاملوں سے تعویذ گنڈے کروا کے اسے دماغی عارضے میں مبتلا کیا، آخر میں ڈاکٹری علاج کرا کے سب کی ہمدردیاں وصول کر لیں۔ جب یہ سب ہو چکا تو پھر ایک روز اس کا گلا دبا کر اس کہانی کو انجام تک پہنچا دیا.....''

نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''میڈم فرخندہ، ذرا یہ تو بتائیں، اُلّو کا گوشت کون سی مارکیٹ میں دستیاب ہے تاکہ لاتعداد خواتین کا بھلا ہو جائے اور وہ بیویاں جو ہر جتن کے باوجود بھی اپنے شوہروں کو مٹھی میں نہیں کر سکتیں،

وہ اس گوشت سے استفادہ کر سکیں؟''

''یہ تو آپ اپنی مؤکلہ ہی سے پوچھیں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ ''عاملوں کاملوں سے اسی نے یارانے گانٹھ رکھے ہیں جو موکلات کی مدد سے اُلو کا گوشت، مگرمچھ کا خون اور شیرنی کا دودھ تک منگوا لیتے ہیں.....!''

میں نے اس کے طنز کے جواب میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ جانا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اپنی مؤکلہ سے میں اس بارے میں ضرور پوچھوں گا لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میری مؤکلہ کو اپنے شوہر کا قاتل ٹھہرانے کے لیے ابھی آپ نے جو ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اس میں عدالتی نقطہ نظر سے ذرا سا بھی دم خم نہیں جبکہ.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی اور مزید کہا۔

''جبکہ اپنی مؤکلہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے میرے پاس ٹھوس شواہد موجود ہیں جو کہ میں صفائی کے گواہ کی شکل میں پیش کرنے والا ہوں.....!''

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا اور الجھن زدہ نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگی۔

''دیٹس آل یور آنر.....!'' ان الفاظ کے ساتھ میں نے اپنی جرح موقوف کر دی۔

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''آپ کوئی اور گواہ پیش کرنا چاہیں گے؟''

''جناب عالی! استغاثہ کی آخری گواہ اور اس کیس کی مدعی، مقتول کی بیٹی طاہرہ کو آئندہ پیشی پر عدالت میں گواہی کے لیے بلایا جائے گا.....'' وکیل استغاثہ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے.....'' جج نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''آپ اگلی پیشی پر مقتول کی بیٹی طاہرہ کو حاضر کریں اور آپ.....'' جج نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''بیگ صاحب! آئندہ پیشی پر آپ صفائی کے گواہ کو بھگتا دیں تاکہ اس کیس کا فیصلہ جلد از جلد ہو سکے۔''

''او کے یور آنر.....!'' میں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔ ''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ.....!''

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں مقتول کی بیٹی طاہرہ کھڑی تھی۔ طاہرہ کا

شوہر یوسف بھی اس روز عدالت میں موجود تھا۔ طاہرہ استغاثہ کی آخری گواہ تھی۔ وکیل استغاثہ نے اسے اپنی جرح سے فارغ کیا تو اپنی باری پر میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔

طاہرہ کی عمر پچیس پلس تھی۔ وہ ایک خوب صورت اور ''ہینڈسم'' لڑکی تھی۔ وکیل استغاثہ نے اس سے تقریباً وہی سوالات کیے تھے جو اس سے پہلے طاہرہ کی والدہ فرخندہ سے پوچھے تھے۔ طاہرہ نے بھی کم و بیش اپنی والدہ سے ملتے جلتے جوابات دیئے تھے لیکن میں استغاثہ کی گواہ کو ذرا مختلف انداز میں چیک کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کیا۔

''طاہرہ صاحبہ! ہم چند منٹ کے لیے ماضی میں جھانکتے ہیں، اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو.....؟''

''جی، مجھے کوئی اعتراض نہیں!'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''جب آپ کے والد نے ابھی دوسری شادی نہیں کی تھی اور نہ ہی دور دور تک اس شادی کے کہیں آثار نظر آتے تھے تو آپ کے والد صاحب آپ سے محبت کرتے تھے، آپ کا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی آپ کو کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں وکیل صاحب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''حقیقت یہی تھی۔''

''دوسری شادی کے بعد مقتول کے معمولات میں تھوڑی تبدیلی آ گئی تھی۔'' میں نے معتدل انداز میں جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس نے آپ ماں بیٹی کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ اس کا وقت اور توجہ دو گھروں میں بٹ گئے تھے لیکن اس نے آپ لوگوں کے آرام و عیش اور دیگر ضروریات کو ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ ایسا ہی تھا نا طاہرہ صاحبہ.....؟'' میں نے رک کر بڑی گہری نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے کہا۔ ''آپ کی والدہ اور والد کے درمیان جس بھی نوعیت کے اختلافات رہے ہوں، ہمیں ان سے بحث نہیں ہے مگر یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جب آپ کی والدہ نے کورٹ سے خلع حاصل کرنے کے بعد الگ رہنے کا فیصلہ کیا تو آپ نے بھی اپنے والد یعنی مقتول جبار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا.....؟''

''ہاں.....'' میں بھی امی کے ساتھ دوسرے گھر میں چلی گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔

''فرخندہ صاحبہ کورٹ سے خلع لینے کے بعد مقتول کی بیوی نہیں رہی تھی۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو ایک خاص زاویئے کی طرف لاتے ہوئے سوال کیا۔ ''وہ مقتول کے ساتھ ایک چھت کے نیچے زندگی بسر نہیں کر سکتی تھی۔ ان دونوں کے بیچ کوئی رشتہ ناتا باقی نہیں رہا تھا لیکن باپ بیٹی کا رشتہ اور تعلق ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر قیمت پر آپ کا باپ تھا۔ کوئی آپ کو مقتول سے ملنے سے روک نہیں سکتا تھا پھر آپ نے اپنے والد کی طرف سے منہ کیوں موڑ لیا تھا۔ میری معلومات کے مطابق مقتول سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد آپ نے کبھی پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا..... کیوں؟''

''میں سمجھتی ہوں..... میرے پاپا نے امی کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میرے دل میں پاپا کے لیے بہت غصہ اور ناراضی تھی.....''

''یہ ناراضی اور غصہ سالہا سال پر محیط ہو گیا!'' میں نے طنز میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے کہا۔ ''اس دوران میں آپ کا رشتہ آیا اور ایک بہت اچھی جگہ شادی بھی ہو گئی.....'' میں نے لمحے بھر کو رک کر طاہرہ کے شوہر یوسف کی طرف دیکھا اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے اور آپ کی والدہ نے مقتول کو اس شادی میں شمولیت کی دعوت تو کیا، اطلاع تک نہ دی۔ جب آپ میکے سے رخصت ہو کر سسرال جا رہی تھیں تو ایک لمحے کے لیے آپ کو اپنے پاپا کی یاد نہیں آئی..... یاد آئی بھی تو آپ نے اس کا عملی اظہار نہیں کیا کہ امی جان کو آپ کا یہ اظہار سخت ناگوار گزرے گا۔ پھر آپ کے پاپا ایک دماغی مرض میں مبتلا ہو کر عضو معطل کی شکل اختیار کر جاتے ہیں اور ان کی بیماری ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ کھینچ لیتی ہے۔ وہ کبھی اسپتال میں داخل ہوتے ہیں، کبھی گھر آ جاتے ہیں، گھر میں بھی وہ اس انداز میں زندگی گزارتے ہیں کہ انہیں مسلسل نگرانی اور نگہداشت کے ضرورت ہے۔ وہ کم از کم چھ ماہ تک فیکٹری بھی نہیں جا سکے۔ فیکٹری کیا، ڈاکٹران کی طبیعت کے پیش نظر گھر سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہیں دیتے مگر اس عرصے کے دوران میں.....'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی والدہ کا یہاں پر ذکر کرنا غیر اہم اور غیر ضروری ہے کہ مقتول اور ان کے بیچ کوئی رشتہ باقی نہیں رہا تھا لیکن اس دوران میں آپ کی محبت دختری میں بھی کوئی ابال نہیں آیا۔ آپ کو ایک مرتبہ بھی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے لب دم، بیمار باپ کی خیریت جاننے، اس کا حال احوال لینے کے لیے اس کے پاس چلی جاتیں..... ایسا نہیں ہے کہ آپ کو اپنے والد کی بیماری کی خبر نہ ہو اور یہ

بھی ممکن نہیں ہے کہ آپ کا دل باپ کو دیکھنے کے لیے نہ مچلا ہو لیکن پھر وہی والدہ کی ناراضی اور خفگی کا ڈر آپ کے پاؤں کی زنجیر بن گیا اور آپ شادی شدہ ہونے کے باوجود بھی اپنے اندر اتنی اخلاقی جرأت نہ پیدا کر سکیں کہ ایک نظر اس شخص کو دیکھنے چلی جاتیں جو آپ کو اس دنیا میں لانے کا موجب تھا۔ جس نے آپ کو پال پوس کر اور پڑھا لکھا کر اتنا بڑا کیا کہ آج آپ اس معاشرے کی عزت دار فرد ہیں۔ لگتا ہے، آپ کی سوچ، آپ کے جذبات، آپ کے احساسات اور آپ کی حرکات و سکنات پر صرف اور صرف آپ کی والدہ کی حکمرانی ہے۔ آپ کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں.....!''

میری اس گہری چوٹ پر وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔ وہ زبان سے تو کچھ نہیں بولی تاہم ندامت آمیز نظر سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میں نے اپنی جرح کو اختتامی مراحل میں داخل کرتے ہوئے کہا۔

''اور اب.....جبکہ آپ کے والد کی موت واقع ہو گئی ہے تو آپ اچانک ایک مدعی کی صورت میں سامنے آ کر اپنے باپ کی موت کو قتل ثابت کرتے ہوئے میری مؤکلہ کو پھانسی دلوانے کے لیے کوشاں ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو بیٹھے بٹھائے اپنے باپ کا خیال کیوں آ گیا؟ صرف آپ ہی کو نہیں بلکہ آپ کی والدہ کو بھی اپنے سابق شوہر سے بڑی ہمدردی اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ کہیں مقتول کی دولت و جائیداد پر قبضہ کرنے کی کوشش تو نہیں؟ وہ عورت جو پچھلے کئی سال سے آپ کے ذہن میں مقتول کے لیے زہر پکاتی چلی آ رہی ہے، آج وہ یہ ثابت کرنے کے لیے بے چین دکھائی دیتی ہے کہ میری مؤکلہ نے دولت اور جائیداد کے لالچ میں اپنے شوہر کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس ہنگامی اور فوری کارروائی کے پیچھے تو کسی گہری سازش کے آثار نظر آتے ہیں.....یہ کایا پلٹ کیسی.....؟ یہ انقلاب کیوں کر.....؟''

میرے ان تیکھے اور نکیلے سوالات کا اس کے پاس کوئی معقول اور مدلّل جواب نہیں تھا لہٰذا وہ گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو دیکھنے لگی۔ میں اپنی جرح کے نتیجے میں عدالت کی جس جانب توجہ مبذول کرانا چاہتا تھا اس مقصد میں سو فیصد کامیاب رہا تھا لہٰذا میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی.....!''

جج تھوڑی دیر تک اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کو دیکھتا رہا پھر ایک پیڈ پر چند نوٹس لینے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

''بیگ صاحب! آپ صفائی کے گواہ کو پیش کریں۔''

ٹھیک ایک منٹ کے بعد وٹنس باکس میں ملزم نازیہ کی فیکٹری کا جنرل منیجر نظامی کھڑا تھا۔ میں نے آج خاص طور پر نظامی اور اس کے ایک پیر و مرشد کی عدالت میں پیشی کا اہتمام کیا تھا۔ مذکورہ پیر و مرشد عدالت کے کمرے کے باہر برآمدے میں موجود تھا۔

نظامی کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ چھریرے بدن کا مالک ایک پستہ قامت شخص تھا۔ اس نے میڈیم سائز کی داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ نظامی طویل عرصے سے نازیہ یعنی مقتول کی فیکٹری میں کام کر رہا تھا۔ مقتول جبار اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ جب جبار دماغی مرض میں مبتلا ہوا تو نظامی نے فیکٹری کے نظام کو اس ذمے داری سے سنبھال رکھا تھا کہ نازیہ کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ نازیہ بھی اپنے منیجر کی تعریف کرتے نہیں تھکتی تھی۔ نظامی ہر لحاظ سے ان لوگوں کے لیے قابل بھروسا آدمی تھا۔

نظامی نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ وقوعہ کے روز ملزم نازیہ سہ پہر پانچ بجے سے شام آٹھ بجے تک نظامی کے ساتھ رہی تھی اور یہ وقت انہوں نے عامل بابا کے آستانے پر گزارا تھا۔ مقتول اور ملزمہ کی رہائش ڈیفنس سوسائٹی میں تھی جبکہ بابا کا آستانہ نیو کراچی کے دور دراز غیر آباد علاقے میں۔ ایک گھنٹا جانے میں اور ایک گھنٹا واپسی کے سفر میں خرچ ہو گیا تھا۔ بابا کے آستانے پر انہوں نے بمشکل ایک گھنٹا گزارا ہوگا، تاہم یہ بات طے تھی

کہ جب مقتول جبار کی موت واقع ہوئی، ملزمہ نازیہ اور اس کا منیجر جائے وقوعہ سے کئی کلومیٹر کی دوری پر تھے لہٰذا کسی بھی طور پر میری مؤکلہ اپنے شوہر کی موت کی ذمے دار نہیں ہو سکتی تھی۔

میں نے دو چار سوالات کے بعد صفائی کے گواہ کو فارغ کیا تو وکیل استغاثہ نے اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جارحانہ انداز میں بولا۔

''نظامی صاحب! آپ وقوعہ کے روز ملزمہ کے ساتھ کسی بابا کے آستانے پر کیوں گئے تھے؟''

''بابا نے بلایا تھا..... اس لیے گئے تھے۔'' نظامی نے بہت ہی نپا تلا جواب دیا۔

''کیوں بلایا تھا؟'' وکیل استغاثہ کی جارحیت میں اضافہ ہو گیا۔

''بابا جبار صاحب کے لیے کوئی خصوصی تعویذ دینا چاہتے تھے۔'' نظامی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''وہ ہفتے کا دن تھا اور بابا کے مطابق اس روز قمر اور عقرب بھی تھا۔ بابا نے مجھے فون کر کے بتایا کہ آج عصر اور مغرب کے درمیان نازیہ صاحبہ کا ان کے آستانے پر پہنچنا بہت

ضروری ہے۔ وہ نازیہ صاحبہ پر کوئی ایسا عمل کریں گے اور ایک تعویذ بھی دیں گے جس کے اثرات سے جبار صاحب بہت جلدی صحت یاب ہو جائیں گے۔ جبار صاحب پہلے بھی بابا کے علاج ہی سے ٹھیک ہو رہے تھے چنانچہ میں نازیہ صاحبہ کو لے کر بابا کے آستانے پر پہنچ گیا تھا.....''

''تم لوگ کتنے بجے گھر سے نکلے تھے؟'' وکیل استغاثہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''اس وقت سہ پہر کے پانچ بجے تھے۔''

''اور تمہاری واپسی کب ہوئی تھی؟''

نظامی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''جب ہم لوگ واپس بنگلے پر پہنچے تو شام کے آٹھ بج چکے تھے۔''

''نظامی صاحب! آپ نے یہ نہیں سمجھنا کہ معزز عدالت آنکھیں بند کر کے آپ کے بیان پر یقین کر لے گی۔'' وکیل استغاثہ نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ ''اگلی پیشی پر اس عامل بابا کو آپ کے بیان کی تصدیق کے لیے یہاں بلایا بھی جا سکتا ہے؟''

''جناب! نیکی اور پوچھ پوچھ.....!'' میں نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے فاضل دوست، ایسے نیک کاموں میں تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔ عامل بابا کی گواہی کے لیے آئندہ پیشی تک کیوں انتظار کیا جائے۔ اگر معزز عدالت کا حکم ہو تو میں صرف ایک منٹ کے اندر اسے یہاں حاضر کر سکتا ہوں.....!''

وکیل استغاثہ نے حیرت بھرے انداز میں مجھے دیکھا۔ جج نے پوچھا۔ ''بیگ صاحب! کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ عامل بابا اس وقت عدالت کے احاطے میں موجود ہے؟''

''جی ہاں.....!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''جناب عالی! میں نے نظامی صاحب کے علاوہ عامل بابا کو بھی اریج کر رکھا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ نظامی صاحب کے بعد عامل بابا کی ضرورت بھی پیش آئے گی.....''

''عدالت کو اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ وہ عامل بابا کتنا پہنچا ہوا ہے۔'' جج نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''نہ ہی اس امر سے کوئی دلچسپی ہے کہ اس کے عملیات اور تعویذات کتنے اثر پذیر ہیں۔ ہاں البتہ، اس کی یہ گواہی عدالت کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوگی کہ ملزم نازیہ نے وقوعہ کے روز شام چھ سے سات بجے تک کا ایک گھنٹا اس کے آستانے پر گزارا تھا۔ اس کی گواہی سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ ملزمہ اپنے شوہر کی موت میں ملوث نہیں۔''

''ابھی پیش کرتا ہوں جناب عالی!'' میں نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔''مذکورہ عامل بابا، باہر برآمدے میں ایک چوبی بنچ پر موجود ہے۔''

وکیل استغاثہ، انکوائری آفیسر اور جج نے بیک وقت چونک کر عدالت کے داخلی دروازے کی سمت دیکھا جیسے وہاں سے عامل بابا نہیں، کوئی طوفان اندر آنے والا ہو.....

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر عدالت نے میری مؤکلہ نازیہ کو باعزت بری کر دیا۔

پچھلی تاریخ پر نظامی کی مستند گواہی اور پھر عامل بابا کے تصدیقی بیان نے میری مؤکلہ کی پوزیشن اس کیس میں بالکل صاف کر دی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول جبار کی موت شام چھ اور سات بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور یہ وہ وقت تھا جب ملزمہ جائے وقوعہ سے کئی کلومیٹر دور کراچی کے شمالی کونے میں موجود تھی جبکہ جائے وقوعہ یعنی ڈیفنس سوسائٹی کراچی کا جنوبی کنارہ تھا لہٰذا کسی بھی طور پر یہ ممکن نہیں تھا کہ میری مؤکلہ نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہو۔

میری کامیابی پر سب سے زیادہ تلملاہٹ انکوائری آفیسر کے دماغ کو چڑھی تھی۔ اس نے بے ساختہ مجھ سے سوال کیا تھا۔ اس وقت ہم عدالت کے برآمدے میں کھڑے تھے۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ سے واضح ہے کہ جبار کی موت بہرحال، طبعی نہیں۔ اسے گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اگر یہ قتل ملزم نازیہ نے نہیں کیا تو پھر جبار کا قاتل کون ہے.....؟''

میں طنزیہ انداز میں مسکرایا اور نہایت ہی تیکھے لہجے میں کہا۔''مائی ڈیئر! میں اس کیس میں وکیل صفائی تھا۔ میرا کام صرف اپنے مؤکل کی صفائی پیش کر کے اسے باعزت بری کرانا تھا۔ مجرم کون ہے؟ کس نے قتل کیا؟ کیوں قتل کیا ہے؟ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنا تفتیشی افسر کی ذمے داری ہوتی ہے.....!''

میری اس کاری چوٹ پر آئی او نے گھور کر مجھے دیکھا تو عامل بابا نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اس نے انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گمبھیر لہجے میں کہا۔

''او صاحب بہادر، زیادہ مت گھسو اس معاملے میں۔ اپنے بیوی بچوں پر ہی رحم کر لو.....!''

''کیوں.....؟'' آئی او استعجابیہ نظر سے عامل کو دیکھنے لگا۔

''یہ جنات وغیرہ کا چکر ہے.....'' عامل بابا نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد آواز دبا کر کہا۔

''جنات.....!'' آئی او کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔

''ہاں.....'' عامل بابا کی آواز میں ایک عجیب سی پراسراریت تھی۔ ''تم لوگوں کا قانون ایسی باتوں کو نہیں مانتا اس لیے میں نے جج صاحب کے سامنے ذکر نہیں کیا.....'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر آئی او کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نصیحت آمیز انداز میں بولا۔

''اس کیس سے دور ہو جاؤ۔ میں نے خود بڑی مشکل سے جان چھڑائی ہے۔ اگر نازیہ کو میں نے تعویذ کے بہانے اپنے آستانے پر نہیں بلایا ہوتا تو یہ بھی گئی تھی جان سے۔ شاہ جنات جبار کے ساتھ ہی اس کا کام بھی کر دیتا۔ بات آئی سمجھ میں.....؟''

''ہاں.....!'' آئی او سراسیمہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا پھر ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا۔ ''مقتول سے آخر شاہ جنات کی دشمنی کیا تھی.....؟''

''پچھلے دنوں..... مطلب یہ کہ تین چار سال پہلے مقتول نے اپنی فیکٹری میں توسیعی کام کروایا تھا۔'' عامل بابا نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ''اس جگہ پر جنات کا ایک قبیلہ آباد تھا۔ ان بے چاروں کو بے گھر ہونا پڑا۔ اپنے قبیلے کے بڑے جنات کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر شاہ جنات کا ایکشن لینا ضروری ہو گیا تھا۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو قاتل کی تلاش میں، گھس جاؤ اس کیس کے اندر۔ ایک دن تم بھی شاہ جنات کے ہاتھوں گردن تڑوا کر حرام موت مرو گے.....!''

آئی او نے اس کے بعد مزید کوئی سوال نہیں کیا اور بقول کسے..... دم دبا کر ایک طرف نکل گیا۔ نازیہ نے عامل بابا سے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

''بابا جی..... کیا واقعی شاہ جنات نے جبار کی جان لی ہے.....؟''

''نہیں!'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''اور یہ بات تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔''

''بابا جی ایکٹنگ کر رہے تھے۔'' نظامی جلدی سے عامل بابا کی ترجمانی کرتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''تاکہ آئی او خوف زدہ ہو کر نازیہ صاحبہ سے دور رہے۔ یہ پولیس والے بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ آسانی سے کسی کی جان نہیں چھوڑتے۔ آئی او اپنی مٹھی گرم کرنے کے لیے مختلف حیلوں بہانوں سے نازیہ صاحبہ سے ملتا رہتا.....!''

میں مطمئن ہو گیا۔ اس کیس کے حوالے سے میرا کام ختم ہو گیا تھا لہٰذا میں نے ان لوگوں کو کیس جیتنے کی مبارک باد دی اور الوداعی کلمات کی ادائی کے بعد رخصت ہو گیا۔

یہ کیس بہ ظاہر ختم ہو گیا تھا لیکن اس کا کلائمکس میرے ذہن میں مسلسل چل رہا تھا۔ میرے دماغ کی سوئی صرف ایک ہی جملے پر اٹک کر رہ گئی تھی اور وہ جملہ تھا عامل بابا کا۔ اس عامل نے نازیہ

کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے معنی خیز اور اٹل لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں.....اور تم تو یہ بات اچھی طرح جانتی ہو!''

یعنی جبار کو شاہ جنات نے نہیں مارا تھا اور یہ بات نازیہ کو اچھی طرح معلوم تھی مگر کیسے.....؟ نازیہ یہ کیسے جانتی تھی کہ اس کے شوہر کو شاہ جنات نہیں قتل نہیں کیا؟

عمومی اصول کے تحت اگر نازیہ کو یہ بات معلوم تھی کہ جبار کی موت میں کسی جن وغیرہ کا ہاتھ نہیں تو پھر اسے یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ اس کے شوہر کا اصل قاتل کون تھا؟

میں نے اس نکتے پر صرف غور ہی نہیں کیا بلکہ آنے والے دنوں میں، اس سلسلے میں عملی تحقیق اور تفتیش بھی کر ڈالی۔ ایک ماہ کی انتھک کوشش کے بعد میں اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے جبار کے قاتل کو تلاش کر لیا تھا.....!

آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ جبار کی موت کا ذمے دار کوئی اور نہیں بلکہ اس کی بیوی تھی۔ جی ہاں، نازیہ ہی نے گلا دبا کر اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ سال بھر سے دماغی مرض میں مبتلا رہنے کے بعد وہ پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا لہٰذا نازیہ کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے زیادہ ''محنت'' نہیں کرنا پڑی تھی۔

جائے وقوعہ سے اپنی غیر حاضری کو ثابت کرنے کے لیے اس نے منیجر نظامی کو اور نظامی نے عامل بابا کو خرید لیا تھا۔ میری تحقیق کی مطابق اس کام کے لیے نازیہ نے نظامی کو پچاس ہزار روپے اور نظامی نے عامل بابا کو دس ہزار روپے دیئے تھے۔ ان دونوں کرداروں نے اپنا اپنا رول بڑے عمدہ انداز میں نبھایا تھا۔ مزید تحقیق سے یہ بھی پتا چلا کہ فرخندہ اور طاہرہ کا مؤقف بالکل درست تھا۔ نازیہ نے یہ سب کچھ ایک مضبوط پلاننگ کے تحت کیا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔

کامیاب تو اس کیس میں، میں بھی رہا تھا لیکن یہ میری پیشہ وارانہ زندگی کا دوسرا ایسا کیس تھا جس کی کامیابی پر مجھے دلی دکھ اور افسوس ہوا تھا۔ ان دونوں کیسز میں میرے مؤکل نے مجھے اندھیرے میں رکھ کر کیس لڑوایا تھا اور دونوں ہی دفعہ میں نے اپنی لاعلمی میں ایک مجرم کو، اپنی وکالت کے زور پر صاف بچا لیا تھا۔ ایک کیس کی روداد تو آپ نے ابھی پڑھی۔ دوسرے متذکرہ کیس کی کہانی ''بے آواز'' کے نام سے لگ بھگ بیس سال پہلے آپ کی نظر سے گزری ہو گی جب ایک شوہر نے اپنی بیوی کے انشورنس کی بھاری رقم وصول کرنے کے لیے اسے اس صفائی سے قتل کیا تھا کہ قانون کی گرفت میں آنے کے باوجود بھی میری وکالت نے اسے بچا لیا تھا..... یہ الگ بات

کہ کچھ ہی عرصے کے بعد وہ ایک جان لیوا عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا جیسا کہ نازیہ کا مینجر نظامی.....!

جی ہاں.....نظامی کا پورا نام حسن کمال نظامی تھا۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ میں نے جھوٹے گواہ حسن کا کیس لینے سے کیوں انکار کر دیا تھا۔ اس کی جھوٹی گواہی نے کیس میں نہایت ہی اہم کردار ادا کر کے مجرم نازیہ کو بے گناہ ثابت کر دیا تھا۔

میرا اللہ مجھے معاف کرے کہ یہ جو کچھ بھی ہوا، میری بے خبری میں ہوا۔ میں تو اس بات کے لیے اپنے پاک پروردگار کا لاکھ شکر گزار ہوں کہ میری وکالت سے کسی بے گناہ کو پھانسی نہیں ہوئی۔

نیت کا حال صرف اللہ جانتا ہے اور وہی معاف کرنے والا ہے!

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

سچی توبہ

اگر کوئی انسان گڑگڑا کر سچے دل سے اپنی گناہ کا اعتراف کر لے اور ہر ممکنہ تلافی کے لیے بھی آمادہ ہو تو خالق حقیقی اس کی توبہ قبول کرتے ہوئے، بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ لہٰذا میں نے بھی حسن کمال نظامی کو معاف کر دیا تھا۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ یہ حسن کمال نظامی کون ہے؟ جو قارئین نہایت پابندی کے ساتھ میری کہانی کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اس کردار سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ میری سابق کہانی ''جھوٹی گواہی'' میں اس شخص کا تفصیلی ذکر موجود تھا۔ اس کہانی میں آپ حسن کمال نظامی کی شخصیت کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ نوید چغتائی کے ایک جملے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا اور حسن عرف نظامی کو میں معاف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ایک ماہ پہلے جب چغتائی اپنے شاگرد رشید عرفان کے ساتھ میرے پاس آیا تھا تو میں نے انہیں، یہ جاننے کے بعد بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا تھا کہ عرفان جس شخص کا کیس میرے حوالے کرنا چاہتا ہے یہ وہی نظامی ہے جس کی جھوٹی گواہی کے اثرات نے مجھے خود اپنی ذات کے سامنے شرمندہ کر دیا تھا۔ میں نے چغتائی کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے ساتھ ہی حسن کمال کے لیے ایک تجربہ کار وکیل کا بندوبست بھی کر دیا تھا اور مطمئن ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

مگر امیر ایہ اطمینان دیرپا ثابت نہ ہوا.....!

ٹھیک ایک ماہ کے بعد نوید چغتائی میرے سامنے موجود تھا اور یہ ملاقات آفس میں نہیں بلکہ میرے گھر پر ہو رہی تھی۔ میں گھر میں صرف چنیدہ افراد ہی سے ملتا ہوں جن میں میرے رشتے داروں کے علاوہ گنتی کے بے تکلف دوست ہیں اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور اگر نہیں جانتے تو

جان لیں کہ بین الاقوامی شہرت کے حامل آرٹسٹ نوید چغتائی سے میری بڑی گہری دوستی تھی۔ ہمارے اس دوستانہ تعلق کو پندرہ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ ''اور سنائیں چغتائی صاحب! آج کل کیا ہو رہا ہے؟''

''ہونا کیا ہے صاحب.....!'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔ ''ہماری قسمت میں تو قدرت نے ڈبونا اور ملنا ہی لکھا ہوا ہے.....بس، وہی کیے جا رہا ہوں۔''

یہ چغتائی کا مخصوص انداز تھا ''ڈبونا'' سے اس کی مراد، برش کو رنگ میں رنگنا ''اور ملنا'' سے مراد، رنگ سے بھرے ہوئی برش کو کینوس پر چلانا تھی۔ وہ اپنے آرٹ کی ''ورکنگ کنڈیشن'' کو عرف عام میں ''ڈبونا اور ملنا'' سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ یہ ان کے مزاج کی سادگی تھی یا ان کا اسٹائل، بہر حال اس سے بڑا فطری رنگ جھلکتا تھا۔

اچانک مجھے نظامی کا خیال آ گیا۔ میں نے پوچھ لیا۔ ''چغتائی صاحب! میں نے آپ کو عرفان کے والد کے لیے جو وکیل ارینج کر کے دیا تھا اس کی کارکردگی کیسی جا رہی ہے.....؟''

''اچھا ہوا کہ آپ نے خود ہی پوچھ لیا۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''میں آج حسن کمال ہی کے سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''بیگ صاحب! حسن کا کیس تو آپ ہی کو لینا ہوگا!''

''کیوں!'' میری الجھن میں اضافہ ہو گیا۔ ''کیا وہ وکیل صاحب تسلی بخش وکالت نہیں کر رہے.....؟''

''اصل مسئلہ تو حسن کا ہے۔'' چغتائی نے گمبھیر انداز میں بتایا۔ ''اس کی سوئی ایک ہی مقام پر اٹکی ہوئی ہے۔ وہ چاہتا ہے، آپ اس کا کیس لڑیں.....''

''چغتائی صاحب! میں نے حسن کی کمینگی کے بارے میں آپ کو کتنی تفصیل سے بتایا تھا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اس نے بڑی گھٹیا حرکت کی تھی.....مانتے ہیں کہ نہیں؟''

''میں مانتا ہوں بیگ صاحب اور میرے ساتھ ہی حسن نظامی بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اس سے سنگین غلطی ہوئی تھی۔'' چغتائی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے

اور مل کر آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔ اس کی بہت بری حالت ہو رہی ہے.....''

''میں اسے معاف کرنے والا کون ہوتا ہوں۔'' میں نے خفگی آمیز انداز میں کہا۔ ''معافی تو اسے جا کر ان ماں بیٹی سے مانگنا چاہیے، اس کی جھوٹے گواہی سے جن کا استحصال ہوا تھا۔ میرا اشارہ طاہرہ یوسف اور اس کی والدہ فرخندہ بیگم کی طرف ہے۔''

''میں آپ کا اشارہ بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں بیگ صاحب!'' وہ رسانیت بھرے انداز میں بولا۔ ''میری معلومات کے مطابق یہ کام وہ کافی عرصہ پہلے کر چکا ہے۔ اس دوران میں اس کے حالات اور سوچ میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ جب آپ اس سے ملاقات کریں گے تو وہ آپ کو تفصیل سے آگاہ کرے گا.....''

''چغتائی صاحب!'' میں نے اپنے دوست کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے، آج کل آپ کی حسن کمال نظامی سے بہت ملاقاتیں ہو رہی ہیں، جو آپ اس کے بارے میں اس قدر باخبر ہیں؟''

''میری اس سے صرف دو ملاقاتیں ہوئی ہیں اور وہ بھی عرفان کے بے حد اصرار پر۔'' چغتائی نے جواب دیا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ عرفان میرے لیے ایک بیٹے کی طرح ہے۔ اس کا دکھ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا..... اس کی بھی یہی خواہش ہے کہ آپ یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیں۔''

''اس کا مطلب ہے، میں نے آپ کو جن باتوں کے لیے منع کیا تھا.....'' میں نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''وہ تمام کی تمام آپ نے عرفان کو بتا دی ہیں؟''

''بڑی مجبوری ہو گئی تھی بیگ صاحب!'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا۔ ''میں نے تو ایک خوب صورت بہانہ بنا کر عرفان کو ٹال دیا تھا اور وہ بخوبی دوسرے وکیل سے استفادہ کرنے پر بھی راضی ہو گیا تھا لیکن.....!''

''لیکن کیا؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن یہ کہ حسن نظامی نے کام خراب کر دیا.....''

''کیا مطلب؟'' میری حیرت دوچند ہو گئی۔

''نظامی نے عرفان سے کہا کہ وہ کسی بھی طرح آپ کو اس کیس کی پیروی پر تیار کرے۔'' چغتائی نے ٹھہرے ہوئی لہجے میں بتایا۔ ''عرفان نے جب اس ضد کی وجہ پوچھنا چاہی تو حسن نے دو ٹوک الفاظ میں اس سے کہہ دیا کہ وجہ بھی آپ ہی بتائیں گے کہ آپ نے یہ کیس چھوڑنے کا فیصلہ

کیوں کیا؟ جب عرفان نے اصرار کیا تو حسن نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی..... اگر میں اپنی زبان سے بتاؤں گا تو مجھے بڑی شرمندگی ہوگی!''

''یہ تو عجیب زبردستی نہیں ہے چغتائی صاحب؟'' وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھ لیا۔

''اب آپ جو بھی سمجھ لیں لیکن میرا خیال ہے، حسن ''جھوٹی گواہی'' والے فعل پر بہت نادم اور پشیمان ہے۔'' چغتائی نے جواب دیا۔ ''میری معلومات کے مطابق وہ اس کیس میں متاثر ہونے والی پارٹی سے معافی تلافی کر چکا ہے۔ آپ کی خفگی دور کرنے کے لیے وہ آپ سے بھی اسی قسم کی معذرت و معافی کا خواہاں ہے جب ہی اس نے آپ سے ملاقات کی درخواست کی ہے۔''

''حسن سے ملاقات کرنا یا نہ کرنا تو الگ معاملہ ہے۔'' میں نے روکھے پھیکے انداز میں کہا۔ ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ حسن کے اصرار کے باوجود عرفان مجھ سے ملنے کیوں نہیں آیا.....؟''

''اس کی وجہ میں ہوں بیگ صاحب.....!''

''آپ..... میں سمجھا نہیں؟''

''عرفان اپنے باپ کی سن کر میرے پاس آیا تھا۔'' چغتائی نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''مجھ سے کہنے لگا کہ..... سر! آپ بیگ صاحب کے دوست ہیں۔ یہ راز آپ ہی ان سے معلوم کریں کہ انہوں نے ابو کے کیس سے ہاتھ کیوں اٹھایا۔ سچ پوچھیں تو مجھ سے عرفان کی پریشانی اور بے بسی دیکھی نہ گئی اور میں نے تفصیل سے اسے حسن کے ''کارنامے'' سے آگاہ کر دیا.....!''

''افوہ.....'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''میری وضاحت کے بعد تو عرفان اور ہی مچل گیا۔'' چغتائی نے گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس کا باپ اس وقت جن حالات کا شکار ہے اور اس کی جتنی بری حالت ہو رہی ہے اس کے پیش نظر عرفان کے دل میں حسن کے لیے ہمدردی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ آپ جانتے ہیں، حسن کے سوا عرفان کا اس دنیا میں اور کوئی بھی نہیں ہے لہٰذا وہ تو اپنے باپ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور عرفان کا سارا زور مجھ پر چلتا ہے اور میرا آپ پر.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''آپ نے حسن کمال کی کمینگی کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا تھا اس کے بعد میرے دل میں بھی اس کے لیے نفرت پیدا ہو گئی تھی لیکن جب عرفان کے اصرار پر میں حسن سے ملنے جیل گیا اور

اس کی حالت دیکھی تو میرا دل پگھل گیا۔ اس کی عبرت ناک کہانی سن کر مجھے اس پر ترس آیا۔ جب اس نے مجھے بتایا کہ اس کی جھوٹی گواہی سے جو لوگ متاثر ہوئے تھے ان سب نے اسے معاف کر دیا ہے، صرف ایک بیگ صاحب یعنی..... آپ ہی باقی بچے ہیں تو میں اس کے معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ اسی لیے میں اب آپ سے ملنے آیا ہوں.....!''

میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نظامی کی گھٹیا حرکت کے باعث اس کی طرف سے میرا دل میلا ہو چکا تھا اور میں کسی بھی قیمت پر اس کا کیس لینے کو تیار نہیں تھا لیکن مجھے متذبذب دیکھ کر چغتائی نے ایک ایسی بات کر دی کہ میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

مجھے خاموش سوچ میں ڈوبا اور الجھا ہوا دیکھ کر نوید چغتائی نے ہونٹ سکیڑے اور خاصے چبھتے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔

''بیگ صاحب! ایک بات بتائیں لیکن سچے دل سے.....؟''

میں نے چونک کر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''جی پوچھیں.....

''کیا آپ خود کو خدا سے بھی بڑا سمجھتے ہیں؟''

''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟'' میں ہل کر رہ گیا۔ ''آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے!''

''آپ میری بات کا جواب دیں؟'' وہ اصراری انداز میں بولا۔

''نعوذ باللہ.....!'' میں نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''چغتائی صاحب! یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں..... آپ مجھے کیوں گناہ گار کر رہے ہیں..... میں خدا سے بڑا کیسے ہو سکتا ہوں.....؟''

''جب متاثرہ پارٹی نے حسن کو دل سے معاف کر دیا ہے۔'' وہ روکھے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ ''جس پارٹی کی خاطر اس نے جھوٹی گواہی دی تھی وہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہو چکی۔ اس کے بیٹے نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اسے دل سے معاف کر دیا اور حسن خود آپ سے معافی مانگنے کے لیے بے چین ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے.....'' انہوں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ نظامی کے اللہ نے بھی اسے معاف کر دیا ہے۔ اگر اس موقعے پر آپ اس کے لیے اپنے دل و دماغ میں گنجائش پیدا نہیں کریں گے تو پھر معذرت کے ساتھ..... میرے ذہن میں یہی تاثر ابھرے گا کہ نعوذ باللہ..... آپ خود کو.....!''

''پلیز چغتائی صاحب.....!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر چغتائی کو مزید بولنے سے منع کر دیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''اگلی پیشی کب ہے؟''

''دس دن کے بعد.....!'' چغتائی نے جواب دیا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

چغتائی کے منہ سے نکلا۔ ''تھینک یو بیگ صاحب.....!''

✠ ✠ ✠

جن قارئین کو ''جھوٹے گواہی'' پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ان کی معلومات کے لیے میں حسن کمال نظامی کے کیس کو مختصراً بیان کر دیتا ہوں تا کہ عدالتی کارروائی کے دوران میں ان کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ یہ کیس چونکہ میں نے پکڑ لیا تھا لہٰذا اس کی وکالت اب مجھے ہی کرنا تھی۔

حسن کا بیٹا عرفان اپنے استاد محترم نوید چغتائی کے ہمراہ لگ بھگ ایک ماہ پہلے میرے پاس آیا تھا۔ نوید چغتائی کے ساتھ جیسا کہ آپ جان چکے ہیں، میرے دیرینہ دوستانہ مراسم ہیں لہٰذا میں نے اس کیس پر خصوصی توجہ دی۔ حسن کمال کو اپنی بیوی لبنیٰ کے قتل کے الزام میں پولیس نے گرفتار کر رکھا تھا۔ لبنیٰ کی موت چوتھے فلور کی گیلری میں سے نیچے گرنے سے واقع ہوئی تھی۔ اس کیس میں مدعی کا کردار عرفان کا ایک ذلیل النفس ماموں امین الدین ادا کر رہا تھا۔ عرفان کے مطابق، امین الدین کسی پرانی دشمنی کو نکالنے کے لیے حسن کو اس کیس میں گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے پولیس کو اچھی خاصی رقم کھلائی تھی جبکہ دوسری جانب عرفان اس امر کا عینی شاہد تھا کہ اس کی والدہ کی موت میں اس کے والد یعنی حسن نظامی کا کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ عرفان نے کسی ایسی دستاویز کا بھی ذکر کیا تھا جس کی رو سے لبنیٰ کی موت میں سراسر ملزم حسن نظامی کو خسارہ تھا لہٰذا وہ تو غلطی سے بھی اپنی بیوی کو قتل کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔

امین الدین نے پولیس کے سامنے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ملزم حسن کمال نے اپنی بیوی لبنیٰ کو فلیٹ کی گیلری میں سے دھکا دیا تھا۔ اس حوالے سے یہ کیس خاصا دلچسپ اور سنسنی خیز ہو گیا تھا۔ عینی شاہدین دو تھے لیکن دونوں کے بیانات ایک دوسرے سے متضاد تھے۔

میں نے اسی دلچسپ تضاد اور سنسنی خیزی کی وجہ سے حسن نظامی کے کیس کے لیے ہامی بھری تھی

لیکن جب میں متعلقہ تھانے جا کر حسن کمال سے ملا اور مجھے پتا چلا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے کچھ عرصہ پہلے میرے ایک کیس میں، نظامی کے نام سے جھوٹے گواہی دی تھی تو میں نے فوراً چغتائی صاحب کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ یہ کیس لینے سے انکار کر دیا تھا بلکہ حسن کمال نظامی کے لیے ایک سینئر اور تجربہ کار وکیل کا بھی بندوبست کر دیا تھا لیکن ایک ماہ کے اندر ہی یہ کیس صدائے بازگشت کے مانند میرے پاس آ گیا تھا۔

آئندہ پیشی میں دس روز باقی تھے لہٰذا میں بڑی آسانی سے کیس کی تیاری کر سکتا تھا۔ چغتائی نے یہ تو مجھے بتا ہی دیا تھا کہ ایک آدھ روز میں حسن کے موجودہ وکیل کو فارغ کر دیا جائے گا۔ اس موقعے پر میں نے ان سے کہا تھا۔

''چغتائی صاحب! آپ سمجھ دار آدمی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے، ان وکیل صاحب کو میں نے ہی ریفر کیا تھا۔ ان کو فارغ کرنے کے بعد جب یہ کیس میں لڑوں گا تو انہیں میرا یہ فعل برا لگ سکتا تھا ..... آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی لہٰذا میں نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے کچھ سوچ رکھا ہے.....''

''کیا سوچ رکھا ہے.....؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کچھ مجھے بھی تو بتائیں؟'' وہ بتانے لگا۔

''دیکھیں بیگ صاحب! پہلی بات تو یہ کہ میں ان وکیل صاحب کو ان کی مکمل فیس کے علاوہ بھی کچھ دلوا دوں گا تاکہ ان کی توقعات پر کوئی ضرب نہ لگے اور دوسرے میں..... جھوٹی گواہی کا ذکر کیے بغیر انہیں یقین دلا دوں گا کہ آپ کسی بات کے لیے ملزم سے سخت ناراض ہیں جب ہی آپ نے پہلے اس کیس میں ہاتھ نہیں ڈالا تھا اور یہ کہ..... اب ملزم نے آپ کو راضی کر لیا ہے اور اس کی شدید ترین خواہش ہے کہ آپ یہ کیس لڑیں۔''

''اگر ایسا ہو جائے تب تو ٹھیک ہے.....!'' میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔

''ہو جائے گا بیگ صاحب! آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا، پھر کہا۔

''اب آپ جلد از جلد جیل جا کر حسن نظامی سے ملاقات کر لیں تاکہ آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کر سکیں.....''

میں نے چغتائی صاحب سے وعدہ کیا اور پھر دو روز بعد میں حسن نظامی سے ملنے جیل چلا گیا۔ یہ ملاقات بڑی عجیب وغریب اور جذباتی نوعیت کی تھی جس میں وہ بار بار جذباتی ہو جاتا اور میں بار بار عجیب وغریب محسوس کرنے لگتا.....!

میرے کئی دفعہ کے سمجھانے کے بعد یہ بات اس کی کھوپڑی میں بیٹھی کہ معافی تلافی، ندامت کے اظہار میں آنسو بہانا اپنی جگہ لیکن یہ جیل ہے۔ اس نوعیت کا اظہار جذبات یہاں مناسب نہیں۔ بڑی مشکل سے وہ میری بات کو کیچ کر پایا اور جیسے ہی وہ نارمل ہوا، اس نے مجھ سے سوال کر ڈالا۔

''بیگ صاحب! کیا آپ نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہے نا؟''

''ہاں..... میں نے تمہیں سچے دل سے معاف کیا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب میرا خدا بھی تمہیں معاف کرے.....''

''شکریہ بیگ صاحب.....!'' وہ نمناک لہجے میں بولا۔ ''میں نے دولت کے لالچ میں آ کر میڈم نازیہ کے حق میں جو جھوٹے گواہی دی تھی اس کا بہت زیادہ خمیازہ بھگت چکا ہوں۔''

''ہاں بھئی.....!'' میں نے دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا اعتماد دوبارہ حاصل کر لے۔ ''تمہارے تازہ ترین کیس پر تو بعد میں بات کریں گے۔ پہلے یہ بتاؤ، پچھلے کیس کے کرداروں کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''مجھ سمیت سب کو اس کے عمل کے عین مطابق سزا اور جزا مل چکی ہے۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولا۔ ''اس یعنی..... موجودہ جھوٹے کیس میں مجھے اپنی بیوی کا قاتل ٹھہرایا جانا سمجھیں کہ یہ قدرت کی میرے لیے تجویز کردہ سزا ہے..... بیگ صاحب! اس کیس میں تو میری اور عامل بابا کی جھوٹی گواہی نے میڈم نازیہ کو بچا لیا تھا لیکن کم وبیش دو ماہ بعد ہی قدرت نے حساب برابر کر دیا.....'' وہ لمحے بھر کو تھما، ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالی پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ایک رات میڈم نازیہ کے بنگلے پر منظم ڈکیتی ہوئی اور ڈاکو تمام نقدی، زیورات اور دیگر قیمتی اشیا سمیٹ کر چلتے بنے۔ اس موقعے پر نازیہ سے ایک سنگین غلطی ہو گئی۔ اس لالچی اور مکار عورت نے بڑی چال بازی سے یہ سب کچھ حاصل کیا تھا۔ یوں اپنی آنکھوں کے سامنے اس متاع عزیز کو لٹتے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا اور اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر ڈاکوؤں کے سامنے مزاحمت کی کوشش کی۔ مسلح ڈاکوؤں کے سامنے اس نوعیت کی مزاحمت کا جو نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا، وہی ہوا.....!''

اس نے ذرا دیر کو رک کر ایک افسوس بھری سانس خارج کی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ڈاکوؤں نے میڈم نازیہ کو بڑی بے دردی سے ہلاک کر دیا اور فوراً سے پیشتر جائے وقوعہ سے فرار ہو گئے.....''

''کیا وقوعہ کی رات گھریلو ملازمہ شمع نازیہ کے پاس نہیں تھی؟'' وہ رکا تو میں نے فوراً سوال داغ دیا۔

''میڈم کی بدقسمتی کہ وہ ہفتے اور اتوار کی درمیانی رات تھی۔'' حسن نظامی نے بتایا۔ ''آپ کو یاد ہوگا، جبار صاحب کو بھی میڈم نازیہ نے ایک ایسی ہی رات ٹھکانے لگایا تھا جب شمع ہفتہ وار چھٹی پر تھی.....یعنی ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب.....!''

''مکافاتِ عمل بعض اوقات اس قسم کی کرشمہ کاری بھی دکھاتا ہے۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''اور ان ماں بیٹی کا کیا ہوا جنہوں نے نازیہ کو ٹھکانے لگوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا.....چغتائی صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تم ان سے بھی معافی مانگنے گئے تھے اور انہوں نے تمہیں معاف بھی کر دیا تھا۔ یہ کیا قصہ ہے.....؟''

''بیگ صاحب! یہ ٹھیک ہے کہ فرخندہ بیگم کورٹ سے خلع حاصل کرنے کے بعد اپنی بیٹی کے ساتھ نارتھ ناظم آباد کے ایک چھوٹی سے بنگلے میں رہنے لگی تھی لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اس کائیاں عورت نے جبار صاحب پر بڑی گہری نظر رکھی ہوئی تھی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگا۔ ''اسی لیے جب جبار صاحب کی موت واقع ہوئی تو اس نے اپنے داماد کا اثر و رسوخ استعمال کر کے نازیہ کے خلاف ایک جاندار کیس کھڑا کر دیا تھا۔ اگر اس کیس میں نازیہ مجرم قرار پا جاتی تو ایک سو ایک فیصد جبار صاحب کا تمام تر ترکہ طاہرہ کو مل جاتا کیونکہ سگی بیٹی ہونے کی حیثیت سے وہی ان کی حقیقی وارث تھی لیکن میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ نازیہ کی بدنصیبی یا آپ کی وکالت اور آپ کی دلالت یا میری جھوٹی گواہی کے باعث ایسا نہ ہو سکا اور طاہرہ یوسف کو اس کیس میں شکست فاش ہوئی۔''

وہ ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا تو میں نے اس بار بھی اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور منتظر نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''میں سمجھتا ہوں، اس کیس میں شکست کے بعد بھی فرخندہ بیگم سکون سے نہیں بیٹھی تھی کیونکہ جب نازیہ کے بنگلے پر ڈکیتی اور نازیہ کے قتل والا واقعہ پیش آیا تو اس نے ایک دفعہ پھر اپنی بیٹی کو

سرگرم کر دیا تھا۔ اس بات میں تو کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں ڈھونڈی جا سکتی کہ طاہرہ اپنے مرحوم بلکہ مقتول باپ عبدالجبار کی جائیداد، بزنس اور دولت کی سچی وارث تھی۔ طاہرہ نے اپنے شوہر کے اثر رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے حقوق کے حصول کے لیے عدالت سے رجوع کیا اور اس مرتبہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی.....''

''اسے کامیاب تو ہونا ہی تھا۔'' میں نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''ایک تو جبار کی نازیہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں تھی پھر طاہرہ کو یہ ثابت کرنے کے لیے کسی قسم کے پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ جبار کی سگی بیٹی اور اس کی اصلی وارث ہے.....''

''بس بیگ صاحب.....یہی ہوا تھا۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''لالچی اور ہوس پرست نازیہ اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچی۔ اس نے جس دولت اور جائیداد کے حصول کے لیے یہ سارا شیطانی چکر چلایا تھا وہ اس کے ہاتھ نہ آئی۔ طاہرہ نے زندگی بھر، خصوصاً اپنے باپ سے الگ ہونے کے بعد جو تکالیف اٹھائی تھیں ان کا ازالہ ہو گیا۔ اب وہ اپنی والدہ فرخندہ اور شوہر یوسف کے ساتھ ڈیفنس والے بنگلے پر رہتی ہے اور فیکٹری کا نظم و نسق بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ فرخندہ کو ساتھ رکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یوسف کو اپنی مخصوص ڈیوٹی کے باعث مہینہ، دو مہینہ گھر سے دور رہنا پڑتا ہے لہٰذا تنہائی کا وقت کاٹنے کے لیے ماں سے بڑا سہارا اور کوئی نہیں ہو سکتا.....''

''اور وہ تمہاری معافی تلافی والا قصہ کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''جناب! جب طاہرہ یوسف نے فیکٹری کا نظام سنبھالا تو سب سے پہلے میری ہی پیشی ہوئی تھی۔'' حسن نظامی نے ندامت آمیز انداز میں بتایا۔ ''یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ میری جھوٹی گواہی نے ہی طاہرہ کو شکست دلائی تھی۔ ہماری فیکٹری میں بعض میرے مخالفین بھی تھے جن میں ایک فرید نامی آدمی کچھ زیادہ ہی مجھ سے خار رکھتا تھا۔ جبار صاحب کے زمانے میں بھی وہ میرے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔ وہ درحقیقت منیجر بننے کا خواہاں تھا.....'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''جب طاہرہ صاحبہ نے فیکٹری کا پہلا باقاعدہ دورہ کیا تو فرید نے ان کے کانوں کو میرے خلاف لبالب بھر دیا چنانچہ آئندہ وزٹ میں جب طاہرہ صاحبہ نے مجھے طلب کیا تو میں نے ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معافی کی درخواست کر دی۔ پتا ہے، اس

درخواست کا کیا نتیجہ برآمد ہوا.....؟''

اس نے رک کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے دانستہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں پتا.....!''

''میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے بری طرح لتاڑیں گی۔ لعن طعن کریں گی اور فوراً نوکری سے نکال دیں گی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ مجھے بالکل یقین نہیں آیا جب انہوں نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کی کہ اگر میں ان کا وفادار رہتے ہوئے ایمان داری سے اپنے فرائض انجام دیتا رہوں تو وہ میری حیثیت اور ملازمت کو بحال رکھیں گی.....''

''مگر تم نے تو جیسا کہ مجھے پتا چلا ہے، وہ نوکری چھوڑ دی تھی؟'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں۔ یہ میرے ضمیر کا فیصلہ تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اگرچہ طاہرہ صاحبہ نے مجھے دل سے معاف کر دیا تھا اور میری نوکری کو بھی برقرار رکھنے کی بات کی تھی لیکن فیکٹری کے دو درجن سے زیادہ ملازمین کو میرے ''کارنامے'' سے آگاہی حاصل ہو چکی تھی۔ میں ان کا منیجر رہا تھا۔ وہ میرے سامنے نگاہ جھکا کر بات کرتے تھے۔ اس واقعے کے کھل جانے کے بعد ان سب کے آگے میری نظر جھک گئی تھی۔ اب وہاں کام کا مزہ نہیں رہا تھا بیگ صاحب، خاص طور پر فرید مسلسل میری کاٹ میں لگا ہوا تھا لہٰذا میں طاہرہ صاحبہ سے معذرت کر کے چلا آیا۔''

''میں محسوس کر رہا ہوں، تمہارے اندر ایک بھلا مانس انسان موجود ہے۔'' اس کے حالات سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''تم نے نازیہ کے دباؤ اور دولت کے لالچ میں وقتی طور پر ایک غلط فیصلہ کر لیا تھا لیکن جلد ہی تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور تم نے ضمیر کے فیصلے کے سامنے سپر ڈال دی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں۔ بیگ صاحب! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''حقیقت یہی ہے، جبار صاحب والی فیکٹری سے الگ ہونے کے بعد میں نے اِدھر اُدھر ایک دو عارضی نوکریاں کیں لیکن کام میں مزہ نہیں آیا پھر میں نے اپنے سالے امین الدین کے ساتھ پارٹنر شپ میں گارمنٹس کا بزنس شروع کیا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد امین الدین کی بدمعاشیوں اور عیاریوں کے باعث مجھے اس سے الگ ہونا پڑا اور میں نے گھی اینڈ آئل مل میں سیلز

منیجر کی جاب کر لی۔ اس وقت میں اسی ملازمت پر ہوں..... بلکہ تھا.....!''

''ٹھیک ہے!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''اب تم مجھے اپنے موجودہ حالات کے بارے میں بتاؤ۔ تمہاری امین الدین کے ساتھ کیا چپقلش چل رہی تھی جو اس نے تمہیں اس کیس میں گھسیٹ لیا؟ تمہاری نظر میں لبنیٰ کی موت کوئی اتفاقی حادثہ ہے یا یہ باقاعدہ قتل کی ایک واردات ہے؟ اگر لبنیٰ کو قتل کیا گیا ہے تو تمہاری نگاہ میں اس کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ بھی تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ تفصیلاً مجھے بتاؤ.....''

اس نے آئندہ پندرہ منٹ میں میرے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات فراہم کر دیئے جن سے میری معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا لیکن ان تمام اہم نکات کا میں ابھی آپ سے ذکر نہیں کروں گا۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں گاہے بہ گاہے یہ راز خود بہ خود آپ پر منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔

میں نے وکالت نامے، درخواست ضمانت اور دیگر ضروری کاغذات پر حسن کمال نظامی سے دستخط کروائے، اسے تسلی کے ساتھ ہی اہم ہدایات دیں پھر وہاں سے چلا آیا۔

آئندہ پیشی پر مجھے صفائی کے وکیل کی حیثیت سے نظامی کی وکالت کرنا تھی۔ وہ اب میرا مؤکل تھا اور میں اس کا وکیل۔ میری معلومات کے مطابق گزشتہ ایک ماہ میں، اس کیس کے سلسلے میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی تھی، سوائے اس کے کہ ملزم کو جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا تھا۔ مطلب یہ کہ کیس ابھی ابتدائی مراحل میں تھا۔ جو کچھ بھی کرنا تھا، مجھے ہی کرنا تھا۔ مجھے اس کیس کی تیاری کے لیے اچھا خاصا وقت مل گیا تھا اور میں حسن نظامی کے بیک گراؤنڈ سے بھی اچھی طرح واقف تھا لہٰذا میرے لیے پریشانی یا الجھن والی کوئی بات نہیں تھی۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر میں حسن کے وکیل کی حیثیت سے عدالت میں موجود تھا۔ جج نے اس تبدیلی پر لمحاتی حیرت کا اظہار کیا پھر معاملہ سیٹل ہو گیا۔ میں نے اپنا وکالت نامہ اور ملزم کی درخواست ضمانت دائر کر دی۔

اس کیس کو عدالت میں لگے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور ابتدائی پیشیوں پر کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں ہوئی تھی تاہم ملزم کی درخواست ضمانت پر عدالت نے کوئی خاص توجہ نہ

دی اور دونوں وکیلوں کی جرح و بحث کے بعد مذکورہ ضمانت کو رد کرتے ہوئے جج نے ہمیں عدالتی کارروائی کو آگے بڑھانے کی ہدایت کر دی۔

یہ بات آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قتل کے ملزم کی ضمانت آسانی سے نہیں ہوتی بلکہ یہ کام ناممکن حد تک مشکل ہوتا ہے۔

گزشتہ پیشیوں پر ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ ہو چکا تھا جس میں اس نے فرد جرم کی مخالفت کرتے ہوئے صحت جرم سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کی باری تھی لیکن اس سے پہلے کہ یہ سلسلہ آغاز ہوتا، میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے ایک چھوٹی سی درخواست کر دی۔

''جناب عالی! میری معزز عدالت سے ایک چھوٹی سی استدعا ہے.....!''

جج نے بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ''جی فرمائیں وکیل صاحب.....؟''

میں نے عرض کیا۔ ''یور آنر! استغاثہ کے گواہوں کے بیان سے پہلے میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں..... اگر معزز عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو.....؟''

''کوئی اعتراض نہیں.....'' جج نے فراخ دلی سے کہا پھر انکوائری آفیسر کی جانب اشارہ کر دیا۔

اس کیس کے انکوائری آفیسر کا نام فرید چیمہ تھا تاہم وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں صرف ''چیمہ'' ہی مشہور تھا۔ وہ عہدے کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا۔ وہ ایک خوش شکل، اسمارٹ اور صحت مند پولیس آفیسر تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی بھی کیس میں انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ کی سی ہوتی ہے..... اور ہر پیشی پر اسے لازماً عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔

جج کے حکم پر آئی او فرید چیمہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہوا تو میں اس کے قریب چلا گیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''کیا میں آپ کو صرف ''چیمہ صاحب'' کہہ کر مخاطب کر سکتا ہوں؟''

''مجھے بڑی خوشی ہوگی۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ ''میں اپنے محکمے میں ''چیمہ'' اور ''چیمہ صاحب'' ہی پکارا جاتا ہوں۔''

''چیمہ صاحب!'' میں نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ اس اندوہناک واقعے کی اطلاع آپ کو کس نے اور کب دی تھی؟''

''ہمارے روزنامچے کے مطابق، اس واقعے کی اطلاع چار فروری کی رات سوا دس بجے دی گئی

تھی۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔'' یہ اطلاع بذریعہ فون مقتولہ کے بھائی نے دی تھی۔''

''مقتولہ کے بھائی سے آپ کی مراد امین الدین ہے نا؟''

''جی..... جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں نے پوچھا۔'' کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ امین الدین نے یہ فون کہاں سے کیا تھا؟''

''مقتولہ کے گھر سے.....!''

''اس کا مطلب ہے، امین الدین اس وقت ملزم کے گھر پر موجود تھا، جب یہ سنگین واقعہ پیش آیا۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔'' یہی بات ہے نا.....؟''

''یقیناً یہی بات ہے۔'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

''کیا آپ نے امین الدین سے یہ سوال کیا کہ وہ عین واردات کے وقت جائے وقوعہ پر کیا کر رہا تھا؟'' میں نے آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مقتولہ اس کی اکلوتی سگی بہن تھی۔'' تفتیشی آفیسر عجیب سے لہجے میں بولا۔'' ظاہر ہے، وہ اپنی بہن سے ملنے کے لیے ہی وہاں پہنچا ہوگا!''

''آپ نے ملزم کی بیوی کے لیے دو تین مرتبہ مقتولہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔'' کیا آپ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ لبنیٰ کی موت کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اسے باقاعدہ قتل کیا گیا ہے اور..... یہ قتل میرے مؤکل نے کیا ہے؟''

''استغاثہ کے پاس ایسے ثبوت اور شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مقتولہ لبنیٰ کی موت میں سراسر ملزم حسن نظامی کا ہاتھ ہے.....!''

''وہ شواہد اور ثبوت کیا کیا ہیں؟''

''سوری! میں سردست آپ کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔'' وہ معذرت آمیز انداز میں کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔'' عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب مواقع پر ان کا ذکر کیا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے..... میں ان مناسب مواقع کا بڑی شدت سے انتظار کروں گا۔'' میں نے انکوائری آفیسر کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا، پھر پوچھا۔'' آپ وقوعہ کی رات جائے حادثہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''لگ بھگ ساڑھے دس بجے.....!''اس نے جواب دیا۔

''وہاٹ این ایفی شینسی!''میں نے طنزیہ انداز میں آئی او کی کارکردگی کی تعریف کی۔''سوا دس بجے آپ کو ایک واقعے کی اطلاع دی جاتی ہے اور ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد آپ جائے وقوعہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کوئی حیرت ناک بات نہیں چیمہ صاحب.....؟''

''ذرا بھی حیرت ناک نہیں وکیل صاحب!''وہ خاصے سنبھلے ہوئے انداز میں بولا۔''ہم نے ہمیشہ ایسی ہی پرفارمنس دی ہے۔ آپ کی حیرت کا ایک خاص سبب ہے میری نظر میں۔''

''پلیز.....ذرا وضاحت کردیں!''میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''آپ نے اور آپ کی برادری نے اور عوام کی اکثریت نے ہمیشہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی کارکردگی کو انڈر اسٹیمیٹ کیا ہے، شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھا ہے، جبکہ ایسی کوئی بات نہیں۔''

''ہاں!''میں نے استعجابیہ نگاہ سے اسے دیکھا اور استفسار کیا۔''کیا واقعی، ایسی کوئی بات نہیں چیمہ صاحب.....؟''

''جی ہاں، میں یہ بات پوری ذمے داری سے کہہ رہا ہوں۔''وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے، جب آپ اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں تو میں آپ کی بات درست تسلیم کرلیتا ہوں۔''میں نے سرسری انداز میں کہا، پھر پوچھا۔''آپ نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر کیا دیکھا تھا؟''

اس سوال کا مقصد ملزم کے اکلوتے صاحب زادے عرفان کے بیان کی تصدیق کرنا تھا۔ عرفان نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے لبنیٰ کو گیلری میں سے گرتے دیکھا تھا اور وہ اس واقعے کو ایک اتفاقیہ حادثہ ہی سمجھا تھا کیونکہ امین الدین کے مطابق، اگر ملزم نے اپنی بیوی کو دھکا دے کر گیلری سے نیچے گرایا ہوتا تو عرفان کو گیلری کے کسی حصے میں اپنے باپ کی جھلک ضرور نظر آتی جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ عرفان کو ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ امین الدین نے پولیس کی ٹھیک ٹھاک مٹھی گرم کی تھی تاکہ اس کی ماں کی اتفاقیہ موت کو قتل کا رنگ دے کر اس کے باپ یعنی میرے مؤکل حسن نظامی کو لمبے عرصے کے لیے جیل بھجوا سکے۔ شاید میں پہلے ذکر کرنا بھول گیا۔ عرفان نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس نے موقعے پر پہنچتے ہی اپنی زخمی اور بے ہوش ماں کو فوراً ٹیکسی میں ڈالا اور سیدھا اسپتال پہنچ گیا لیکن لبنیٰ کی سانسیں پوری ہو چکی تھیں۔ اس کی یہ ہنگامی کوشش ناکام رہی۔ لبنیٰ اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔

انکوائری آفیسر فرید چیمہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''جب ہم جائے واردات پر پہنچے تو وقوعہ، مقتولہ کے وجود سے خالی تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک نوجوان مقتولہ لبنیٰ کو اسپتال لے گیا ہے.....''

''بعد میں آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ نوجوان کون تھا؟''

''جی ہاں.....'' آئی او نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''عرفان نامی وہ نوجوان مقتولہ کا اکلوتا بیٹا تھا جس نے بروقت بہادری اور عقل مندی کا ثبوت دیا لیکن مقتولہ کی بدقسمتی کہ اس کی زندگی ہی اتنی تھی.....''

''عرفان واقعی ایک بہادر اور سمجھ دار نوجوان ہے۔'' میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''اس کی بہادری، جرأت اور طاقت کا اندازہ اس کے بیان سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔'' میں نے ڈرامائی انداز میں لمحاتی توقف کیا پھر پوچھا۔ ''چیمہ صاحب! جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو ملزم کا بیٹا اپنی زخمی، بے ہوش ماں کو اٹھا کر اسپتال کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے بڑی توجہ سے جائے واردات کا جائزہ لیا اور مشیر نامہ وغیرہ تیار کرنے کے بعد موقعے پر موجود گواہوں کے بیانات قلم بند کیے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا.....؟''

''نہیں جناب، بالکل ایسا ہی پیش آیا تھا۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔''

''آپ نے ملزم کو کہاں سے گرفتار کیا تھا؟''

''اس کے گھر واقع گلشن اقبال سے.....!''

''کتنے بجے؟''

''ساڑھے بارہ بجے رات کو.....!''

''یعنی پانچ فروری کو؟''

''جی ہاں.....'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''یہ بات تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ رات بارہ بجے کے بعد تاریخ تبدیل ہو جاتی ہے۔''

''تو آپ اتنی دیر تک مقتولہ کے گھر میں ہی بیٹھے رہے تھے۔'' میں نے قدرے تیکھے انداز میں پوچھا۔ ''کیا آپ کو کہیں سے خبر ملی تھی کہ وہ لوٹ پلٹ کر گھر ہی آئے گا.....؟''

''ایسی بات نہیں ہے جناب.....!''

''پھر کیسی بات ہے؟'' میں نے تیز آواز میں پوچھا۔

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''جناب! اگر آپ وقت کا حساب کریں تو ساری بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی۔ ہم ساڑھے دس بجے جائے وقوعہ پر پہنچے اور ٹھیک ساڑھے بارہ بجے ملزم کی گرفتاری عمل میں آئی۔ ان دو گھنٹوں کے دوران میں ہم نے جتنے کام کیے، کوئی مائی کا لال کر کے دکھا دے.....!''

میں نے شاید اس کی دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی۔ وہ ایک طرح سے بلبلا اٹھا تھا۔ میں نے جانتے ہوئے استفسار کیا۔ ''مثلاً کون کون سے کام کر ڈالے آپ نے چیمہ صاحب.....؟''

''جائے وقوعہ کی ضروری کارروائی ایک گھنٹے سے کم وقت کا کام نہیں ہوتا جناب۔'' وہ فخر سے سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔ ''اس پر گواہوں کے بیانات، اسپتال جا کر مقتولہ کی ''خیر خبر'' لینا اور ملزم کی گرفتاری..... کیا آپ انہیں معمولی کام سمجھتے ہیں.....؟''

''نہیں جناب..... یہ تو واقعی بڑے عظیم کارنامے ہیں۔'' میں نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے مان لیا کہ آپ ایک مستعد اور چاق و چوبند پولیس آفیسر ہیں۔''

وہ خوشی سے پھول گیا۔ میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''

جج نے سر کو ہلکی سی اثباتی جنبش دی اور دیوار گیر کلاک پر ایک بھرپور نظر ڈالنے کے بعد وکیل استغاثہ سے پوچھا۔ ''وکیل صاحب! آپ استغاثہ کا گواہ پیش کر رہے ہیں؟''

وکیل استغاثہ نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''جناب عالی! عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ اتنی قلیل مدت میں گواہ کو بہ طریق احسن بھگتانا ممکن نہیں.....''

دراصل، اس روز ہمارے کیس کو بہت زیادہ وقت نہیں ملا تھا اور اس وقت میں سے بھی زیادہ تر میں ''کھا'' گیا تھا لہٰذا وکیل استغاثہ کی اس بات سے میں مکمل متفق تھا کہ دس منٹ کے لیے کسی گواہ کو کٹہرے میں بلانا اور وہ بھی استغاثہ کا ابتدائی گواہ، قطعی مناسب نہیں تھا۔

جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں آپ کو پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بارے میں بتاتا چلوں جو کہ انتہائی سادہ سی تھی یعنی اس رپورٹ کی رو سے ملزم کی بیوی لتی کی موت چار فروری کی رات دس

اور گیارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور موت کا سبب وہی تھا، بلندی سے پختہ سڑک پر گرنا اور .....اس گرنے میں لبنیٰ کی کھوپڑی تو بری طرح چٹخی ہی تھی، علاوہ ازیں اس کے دونوں بازوؤں اور ایک ٹانگ کی ہڈیاں بھی کئی مقامات سے ٹوٹ گئی تھیں۔ مذکورہ رپورٹ میں یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ لبنیٰ کی موت آناً فاناً میں واقع ہوئی تھی۔ یعنی ادھر وہ گیلری سے پرواز کر کے پختہ سڑک تک پہنچی، ادھر اناللہ.....!

عرفان کو پورا یقین تھا کہ اس کی ماں ایک اتفاقیہ حادثے کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلی گئی تھی، استغاثہ کا دعویٰ تھا کہ میرے مؤکل نے دھکا دے کر اپنی بیوی کو موت کے حوالے کیا تھا۔ حقیقت کیا تھی، وہ اس کیس کی عدالتی کارروائی کے نتیجے میں کھل کر سامنے آنے والی تھی۔

میں صرف اتنا جانتا تھا کہ میرا موکل قاتل نہیں.....

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں استغاثہ کا گواہ حنیف احمد کھڑا تھا۔ حنیف کی عمر لگ بھگ چالیس سال رہی ہوگی۔ اس نے سفید شلوار قمیص زیب تن کر رکھی تھی اور سر پر ایک ٹوپی نظر آ رہی تھی۔ حنیف کی، مین اسٹریٹ پر کولڈ ڈرنکس اور ناریل وغیرہ کی دکان تھی جہاں پر پانی والے ہرے ناریل بھی دستیاب تھے اور کھوپرے والے براؤن بھی۔ یہ ایک بڑی اور چلتی ہوئی دکان تھی جس پر موسم سرما و موسم گرما اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔

حنیف نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے اس کے قریب چلا گیا۔ اس نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''حنیف صاحب! کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کی دکان اسی اسٹریٹ پر واقع ہے جہاں گر کر مقتولہ لبنیٰ کی موت واقع ہوئی تھی؟''

''جی ہاں.....آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میری دکان سڑک کی دوسری جانب ہے اور ملزم کی بیوی مخالف طرف گری تھی.....میری دکان کے بالکل سامنے، سڑک کی دوسری جانب۔''

''جب مقتولہ آ کر روڈ پر گری تو آپ اپنی دکان پر موجود تھے؟''

''جی ہاں.....موجود تھا۔''

''پھر کیا ہوا تھا؟''

''اسی لمحے مقتولہ کا بیٹا وہاں نمودار ہوا۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''اس نے اپنی موٹر سائیکل ایک جانب کھڑی کی اور مقتولہ کو ایک ٹیکسی میں ڈال کر فوراً اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا تھا.....''

''اس کے علاوہ آپ نے کیا دیکھا؟''

جواب دینے سے پہلے اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم حسن نظامی کو کن انکھیوں سے دیکھا اور بولا۔ ''میں نے اس وقت ملزم کو بھی وہاں دیکھا تھا۔''

''ملزم.....'' وکیل استغاثہ نے حیرت بھرے انداز میں دہرایا۔ ''ملزم وہاں کیا کر رہا تھا؟''

''یہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہا تھا۔''

''کمال ہے.....'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اوپر گیلری میں سے اس کی بیوی گر کر ہلاک ہو گئی تھی اور یہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہا تھا..... کیا اسے اس افسوس ناک حادثے کی خبر نہیں تھی یا..... یہ جائے وقوعہ سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا؟''

''یہ تو مجھے پتا نہیں جناب۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میں نے تو یہی دیکھا کہ یہ بڑی جلد بازی میں جائے وقوعہ سے روانہ ہو رہا ہے۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ یہ بھی اپنے بیٹے کے پیچھے اسپتال جا رہا ہے۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ اسی نے اپنی بیوی کو دھکا دے کر فلیٹ کی گیلری میں سے نیچے گرایا تھا اور اس وقت یہ اسپتال نہیں جا رہا تھا بلکہ وہاں سے فرار ہو رہا تھا۔''

''دیٹس آل یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔''

وکیل استغاثہ کے بعد جج کی اجازت حاصل کر کے میں وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ میں چند لمحات تک تنقیدی نظر سے گواہ کا جائزہ لیتا رہا پھر اس سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

''حنیف صاحب! آپ نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں بتایا ہے کہ ملزم کی بیوی لبنیٰ کی موت آپ کی آنکھوں کے سامنے واقع ہوئی تھی۔ آپ کی دکان کی مخالف سمت میں، روڈ کی دوسری جانب.....؟''

''جی ہاں۔ یہ بالکل درست ہے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''حنیف صاحب! کیا آپ نے لبنیٰ کو گیلری میں سے نیچے گرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔؟''

''جی نہیں.....'' گواہ نے نفی میں گردن ہلائی۔''میں نے مقتولہ کو اس وقت دیکھا جب وہ سڑک کے کنارے پڑی تھی.....گرنے کے بعد.....!''

''آپ کی توجہ اس طرف کیسے مبذول ہوئی تھی؟''میں نے انتہائی سادہ سوالات کی مدد سے رفتہ رفتہ اسے گھسیٹنے کی کوشش کی۔''کیا لوگوں کا شور سن کر یا.....؟''

''نہیں جناب! لوگوں نے تو بہت بعد میں شور مچایا تھا۔''گواہ میری بات مکمل کرنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔''اس سے پہلے ہی میں دھماکے کی آواز سن کر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔''

''دھماکے کی آواز.....؟''میں نے دانستہ نا سمجھنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔''کیا انہی لمحات میں وہاں کوئی بم وغیرہ بھی پھٹا تھا.....؟''

''وکیل صاحب.....!''استغاثہ کے گواہ حنیف نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔''یا تو آپ بہت ہی سادہ ہیں یا پھر مجھے اُلّو بنانے کی کوشش کر رہے ہیں.....''

''آپ کا پہلا خیال بالکل درست ہے۔''میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''میں واقعی بہت سیدھا سادا انسان ہوں۔''پھر پوچھا۔''آپ نے میری کس بات سے محسوس کیا کہ میں آپ کو انسان سے اُلّو بنانے کی کوشش کر رہا ہوں؟''

''جناب! یہ جو آپ نے بم پھٹنے کی بات کی ہے نا.....اس سے!''وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔''میں مقتولہ کے گرنے کی آواز کا ذکر کر رہا ہوں اور آپ کا ذہن فوراً بم دھماکے کی طرف چلا گیا.....؟''

''تو اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے حنیف صاحب!''میں نے استغاثہ کے گواہ سے مزہ لیتے ہوئے کہا۔''آپ ایک انتہائی سادہ سے جملے میں کہہ دیں کہ وہ دھماکا دراصل لبنیٰ کے نیچے گرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔''

''جی ہاں.....یہی حقیقت ہے۔''اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''میں مقتولہ کے گرنے سے پیدا ہونے والے دھماکے سے، اس طرف متوجہ ہوا تھا.....''

''آپ ملزم کی بیوی لبنیٰ کے نیچے گرتے ہی اس طرف متوجہ ہوئے تھے۔''میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''کیا اس وقت آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ اوپر سے گرنے والی عورت، ملزم کی بیوی لبنیٰ تھی؟''

''نہیں جناب، یہ تو بعد میں پتا چلا تھا۔''اس نے بتایا۔''خاص طور پر جب مقتولہ کا بیٹا جائے

وقوعہ پر پہنچا اور وہ فی الفور اپنی والدہ کو ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال روانہ ہو گیا تو یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ حادثے کا شکار ہونے والی عورت ملزم کی بیوی اور عرفان کی والدہ لبنیٰ تھی۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے اطمینان بھرے انداز میں جواب دیا پھر ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔ ''حنیف صاحب! کیا آپ ملزم کے بیٹے عرفان کو اچھی طرح پہچانتے ہیں؟''

''جی ہاں..... بالکل!'' اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔ ''آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟''

''اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہوا ہو..... جائے وقوعہ سے کوئی اور نوجوان لبنیٰ کو اٹھا کر اسپتال لے گیا ہو اور آپ یہ سمجھ رہے ہوں کہ وہ عرفان تھا.....!'' میں نے اسے چکر دینے کی غرض سے کہا۔ ''بھئی، اس نوعیت کی ہنگامی صورت حال میں تو سب کچھ ممکن ہے نا.....!''

''نہیں جناب، ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''میں عرفان کو اور اس کی بائیک کو بڑی اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں۔'' وہ میری دکان سے خریداری وغیرہ کرتا رہتا ہے۔''

''آپ عرفان کو اور اس کی بائیک کو بڑی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں.....'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''مقتولہ اور ملزم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''جی، کیا مطلب.....؟'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''مطلب یہ کہ.....'' میں نے جرح کے سلسلے کو اپنی مرضی کے ڈھب پر لاتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ مقتولہ اور ملزم کو بھی اتنی ہی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جتنا کہ عرفان کو اور اس کی بائیک کو؟''

''جی ہاں، جی نہیں.....'' وہ ایک لمحے کے لیے الجھا پھر سنبھلتے ہوئے بولا۔ ''میرا مطلب ہے کہ ملزم سے تو کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے لیکن مقتولہ کو اچھی طرح جاننے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ میں نے اسے دیکھ رکھا تھا لیکن اس کے ساتھ کبھی واسطہ نہیں رہا تھا.....''

''مقتولہ کے ساتھ آپ کا کبھی واسطہ نہیں رہا.....'' میں زیر لب بڑبڑایا پھر سوال کیا۔ ''جبکہ ملزم اور اس کے بیٹے کے ساتھ آپ کا واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ آپ عرفان کی بائیک کو اچھی طرح پہچانتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ملزم کی گاڑی کو بھی بخوبی پہچانتے ہوں گے..... ہیں نا؟''

''جی..... جی ہاں.....!'' وہ متذبذب انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔

جواب تو اس نے روا روی میں دیا تھا لیکن وہ میرے سوال کی تہ میں نہیں اتر سکا تھا۔ وہ سمجھ نہیں

پایا تھا کہ اس استفسار سے میرا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے سمجھنے یا سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اپنا کام جاری رکھا۔

''حنیف صاحب!'' میں نے استغاثہ کے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔ ''ذرا سوچ کر بتائیں، ملزم کی گاڑی کا کلر اور میک کیا ہے.....؟''

''جناب.....'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔ ''اس کی گاڑی سلور کلر کی ہے اور.....'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''میک کا مجھے پتا نہیں۔''

''میک کا پتا نہیں یا آپ کو گاڑیوں اور ان کے ماڈلز وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں؟'' میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''جی یہی سمجھ لیں۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''مجھے گاڑیوں کے معاملات سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔''

''او کے..... یہ کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ پھر اگلا سوال کیا۔ ''حنیف صاحب! آپ نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں بتایا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا، انہی لمحات میں آپ نے ملزم کو اپنی سلور کار گاڑی میں جائے وقوعہ سے فرار ہوتے دیکھا تھا۔ یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ ملزم کے پاس سلور کلر جو گاڑی ہے، اس کا میک ہے کرولا.....ٹویوٹا کرولا۔ اب ایک بات آپ بھی مجھے بتا دیں.....!''

میں نے لمحاتی توقف کیا تو وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے پوچھا۔ ''حنیف صاحب! آپ کے بیان کے مطابق، ملزم جب جائے وقوعہ سے فرار ہو رہا تھا تو اس نے کس قسم کا لباس پہن رکھا تھا؟''

''لباس.....!'' وہ مزید الجھ گیا۔ ''لباس تو جناب، لباس ہی ہوتا ہے۔ قسم سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''قسم سے میری مراد یہ ہے کہ.....'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وضاحت کر دی۔ ''جب ملزم جائے حادثہ سے فرار ہو رہا تھا تو اس نے اپنے جسم پر کیا پہن رکھا تھا.....شلوار قمیص، کرتہ پائجامہ، تھری پیس سوٹ، دھوتی بنیان، ٹراؤزر ٹی شرٹ، پتلون شرٹ.....؟''

''میں آپ کا مطلب سمجھ گیا جناب!'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''ملزم اس وقت پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔''

''اچھی طرح سوچ کر جواب دے رہے ہیں!'' میں نے تیز نظر سے اسے گھورا۔ ''ایسا تو نہیں کہ جلدی میں بتا رہے ہوں اور بعد میں آپ کو اپنا بیان بدلنا پڑے؟''

''نہیں جناب، بیان بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''ملزم کو میں نے بہت غور سے دیکھا تھا۔ اس نے پینٹ اور شرٹ ہی پہن رکھی تھی۔''

''غور سے دیکھا تھا.....!'' میں نے اسی کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے اور جرح کے سلسلے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے پوچھا۔ ''ویری گڈ.....! اگر آپ نے ان لمحات میں ملزم کو بہت غور سے دیکھا تھا تو پھر آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ ملزم کے لباس کا کلر اور ڈیزائن وغیرہ کیا تھا؟''

چند لمحات کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑی مصیبت میں گھر گیا ہو۔ اس نے پریشان نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا لیکن میں اس موقعے پر گواہ کو ایک سیکنڈ بھی نہیں دے سکتا تھا لہٰذا قبل اس کے کہ وکیل استغاثہ اس کی مدد کو لپکتا، میں نے خاصے جارحانہ انداز میں کہا۔

''حنیف صاحب..... جائے وقوعہ پر آپ موجود تھے، آپ کے وکیل صاحب نہیں..... ملزم کو فرار ہوتے آپ نے بڑے غور سے دیکھا تھا، آپ کے وکیل صاحب نے نہیں..... یہ سوال میں نے آپ سے کیا ہے، آپ کے وکیل صاحب سے نہیں..... جواب بھی آپ ہی کو دینا ہے، آپ کے وکیل صاحب کو نہیں اس لیے آپ ان سے تو کسی تعاون کی امید نہ رکھیں..... سیدھی طرح میرے سوال کا جواب دیں..... آپ سمجھ رہے ہیں نا، میں کیا کہہ رہا ہوں.....؟''

''جج..... جی.....!'' وہ میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے لکنت زدہ انداز میں بولا۔

میں نے کہا۔ ''تو پھر بتائیں، وقوعہ کے روز جائے واردات سے فرار ہوتے ہوئے ملزم نے کس قسم کی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی؟''

''جی..... پتلون تو سیاہ تھی لیکن شرٹ کا کلر مجھے اچھی طرح یاد نہیں.....'' وہ صورت حال کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''شاید شرٹ کا رنگ گرے تھا..... یا پھر آف وہائٹ.....!''

میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ میں استغاثہ کے گواہ کا جھوٹ پکڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے اگلے ہی لمحے اسے دھوبی سوڈے سے دھو ڈالا لیکن بڑے پیار سے.....!''

''حنیف صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''آج کل موسم کیسا ہے؟''

انداز کی اس اچانک تبدیلی پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا لیکن جواب دینا بھی تو ضروری تھا

لہٰذا الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

''موسم تو ٹھیک ہی ہے وکیل صاحب.....!''

''ڈیڑھ دو ماہ پہلے بھی کیا موسم ٹھیک ہی تھا!'' میں نے معنی خیز نظر سے اسے دیکھا۔ ''جب لبنیٰ اپنے فلیٹ کی گیلری میں سے نیچے گر کر موت کے منہ میں چلی گئی تھی.....؟''

''جناب! میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ موسم کے ٹھیک ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ذہن کی الجھن اس کی زبان تلک آ ہی گئی تھی۔

میں نے اس کی آسانی کے لیے کہہ دیا۔ ''میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ کیا وقوعہ کی رات بھی ایسا ہی گرم موسم تھا جیسا کہ آج کل ہے؟''

وہ اب بھی کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ میں آخر ہاتھ دھو کر موسم کے پیچھے کیوں پڑ گیا تھا اور میں اسے یہ راز سمجھنے دینا بھی نہیں چاہتا تھا لہٰذا اسے مزید الجھاتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''نہیں جناب..... آج کل تو اچھی خاصی گرمی ہو رہی ہے اور فروری کے ابتدائی دنوں میں تو موسم بڑا خوشگوار تھا..... بلکہ رات میں اچھی بھلی خنکی ہو جاتی تھی۔''

''فروری کے ابتدائی دنوں میں.....'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یعنی آپ کا مطلب ہے، جن دنوں یہ واقعہ پیش آیا تھا..... استغاثہ کے ریکارڈ کے مطابق لبنیٰ چار فروری کی رات کو لقمہ اجل بنی تھی.....''

''جی ہاں..... جی ہاں.....'' اس نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلائی۔

''فروری کے ابتدائی ایام میں رات اچھی خاصی خنک ہو جاتی تھی۔'' میں نے زیر لب دہرایا پھر گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''حنیف صاحب! اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ٹھنڈے موسم میں آپ کا کاروبار بھی بری طرح متاثر ہوتا ہوگا.....!''

''نہیں جناب..... ایسی کوئی بات نہیں!'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میرا کاروبار پورا سال ایک جیسا چلتا ہے۔ موسم کے اثرات اس پر مرتب نہیں ہوتے۔'' ''اور پھر..... کراچی میں موسم سرما بھلا آتا ہی کتنے دنوں کے لیے ہے..... کبھی تو دس دن تو کبھی پندرہ دن..... زیادہ سے زیادہ ہوا تو ایک مہینا کھینچ لیا، پھر گرمی شروع.....''

''جب انیس بیس کے فرق سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو.....'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''تو

پھر آپ نے کمائی کے لیے دوسرے دھندے کے بارے میں کیوں سوچا؟''

''دوسرا دھندا.....کمائی.....!'' وہ تعجب خیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔''یہ.....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ.....!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر جارحانہ لہجے میں کہا۔ ''استغاثہ کی جانب سے آپ کو کتنی رقم دی گئی ہے.....حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کے لیے؟''

''مجھے کسی نے کوئی رقم نہیں دی۔'' وہ بھڑک اٹھا۔''آپ خوامخواہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں.....''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے صدائے احتجاج بلند کی۔''ڈیفنس، استغاثہ کے معزز گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہا ہے.....!''

وکیل استغاثہ کے اس اچانک اعتراض پر میں نے چونکنے کی اداکاری کی اور حیرت بھرے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کے سے اسٹائل میں بڑبڑایا۔

''میں استغاثہ کے گواہ کو کیسے ہراساں کر سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ میں نہ تو کوئی خطرناک گن ہے اور نہ ہی کوئی زہریلا سانپ.....''

''جناب عالی! میرے فاضل دوست کی معصومیت پر تو قربان جانے کو جی چاہتا ہے۔'' وکیل استغاثہ نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔''یہ اتنے بنے ہوئے ہیں کہ انہیں اپنے الفاظ کی تاثیر کی خبر ہی نہیں!''

''مائی ڈیئر کونسلر!'' میں نے بدستور انجان بننے کی اداکاری جاری رکھی۔''اگر میں کسی حوالے سے واقعی بے خبر ہوں تو آپ براہ مہربانی مجھے باخبر کیجئے.....میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا.....پلیز!''

''آپ جو یہ کہہ رہے ہیں.....'' وہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔''کہ استغاثہ کے حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کے لیے گواہ کو کوئی رقم دی ہے، اس سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ اس قسم کے الزامات تو ہراساں اور پریشان کرنے کے لیے ہی لگائے جاتے ہیں.....؟''

میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔''کوئی بھی بات یا بیان اس وقت الزام کہلاتا ہے جب تک اس کے حوالے سے کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو۔ میں نے جو کچھ کہا، اسے ثابت بھی کر سکتا ہوں۔''

''کیا ثابت کر سکتے ہیں؟'' وکیل استغاثہ سٹپٹا کر بولا۔''اس الزام کا آپ کے پاس کیا ثبوت

ہے کہ گواہ نے کسی غلط بیانی کے لیے موٹی رقم وصول کی ہے.....؟''

''میرے فاضل دوست!'' میں نے اپنے لہجے کو بہ دستور سلگانے والا رکھا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''شاید آپ نے میرے سوال کو غور سے سنا ہی نہیں جب ہی آپ کے ذہن میں اس نوعیت کے پراگندہ خیالات جنم لے رہے ہیں.....!''

وہ میری اس کاری ضرب پر جی ہی جی میں تڑپ اٹھا۔ وہ پھنکار سے مشابہ لہجے میں بولا۔

''کیا غور نہیں کیا میں نے.....آپ اپنے سوال کو دہرائیں ذرا.....؟''

''میں نے استغاثہ کے گواہ سے یہ پوچھا تھا کہ حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کے ضمن میں اس نے استغاثہ کی جانب سے کتنی رقم وصول کی ہے؟'' میں نے گمبھیر لہجے میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس نے کتنی رقم وصول کی ہے تو پھر میں اس ''وصولی'' کے لیے کوئی ثبوت بھی اپنے پاس سنبھال کر رکھتا۔ ایسی صورت میں اس سوال کی کوئی تک نہیں بنتی تھی کہ میں استغاثہ کے گواہ سے پوچھا۔ ہاں، البتہ.....!'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''البتہ.....اس امر کا میرے پاس ٹھوس ثبوت ہے کہ استغاثہ کے گواہ نے بڑی بے دردی سے حقائق کی شکل کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے جو سراسر دروغ گوئی کے زمرے میں آتا ہے جبھی مجھے .....ہاں جبھی مجھے یہ شک گزرا تھا کہ اس کارنامے کے عوض معزز گواہ نے کوئی تگڑی رقم وصول کی ہو گی.....!''

جج کافی دیر سے ہماری بحث و جرح کو بڑی دلچسپی اور خاموشی سے دیکھ اور سن رہا تھا اور گاہے بہ گاہے ضرور نوٹ بھی لیتا جا رہا تھا۔ میرے انکشاف نے اسے ہمارے بیچ ''چھلانگ لگانے'' پر مجبور کر دیا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''بیگ صاحب! معزز عدالت اس بات کی وضاحت چاہتی ہے کہ آپ کی نظر میں استغاثہ کے گواہ نے کس نوعیت کی دروغ گوئی کی ہے؟''

''نہایت ہی سنگین نوعیت کی دروغ گوئی جناب عالی.....!'' میں نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''وضاحت کریں.....؟'' جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یور آنر.....!'' میں نے مستحکم انداز میں بولنا شروع کیا۔ ''نمبر ایک.....جس وقت ملزم کی

بیوی لبنیٰ اس خوف ناک حادثے کا شکار ہوئی، رات کے کم و بیش دس بجے تھے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ لبنیٰ کی موت چار فروری کی رات دس اور گیارہ بجے کی درمیان واقع ہوئی تھی۔ گواہ نے بڑے دعوے سے بتایا ہے کہ انہی لمحات میں اس نے ملزم کو جائے وقوعہ سے فرار ہوتے دیکھا تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دس بجے تو ملزم ایک معروف سینما کے ائر کنڈیشنڈ ماحول میں بیٹھا فلم دیکھ رہا تھا۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے طنزیہ انداز میں وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر جج کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا۔

''میری معلومات کے مطابق میرا موکل وقوعہ کی رات نو بجے اپنے گھر سے نکلا تھا اور پھر رات ساڑھے بارہ بجے اس کی واپسی ہوئی۔ اس نے یہ تمام وقت ایک پکچر ہاؤس میں گزارا تھا۔ پھر جیسے ہی رات کو اس نے اپنے گھر میں قدم رکھا، اس کے استقبال کے لیے وہاں موجود پولیس نے اسے اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں فوراً گرفتار کر لیا۔ یہاں پر یہ نکتہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ جب دس بجے ملزم جائے وقوعہ پر یا اس کے آس پاس کہیں موجود ہی نہیں تھا تو پھر استغاثہ کے معزز گواہ نے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہوتے کیسے دیکھ لیا.....؟''

میں نے ذرا دیر کو رک کر حاضرین عدالت پر ایک جائزہ نگاہ ڈالی پھر دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''نمبر دو.....استغاثہ کے گواہ نے ابھی ابھی معزز عدالت کے روبرو، میری جرح کے جواب میں بڑے وثوق سے بتایا ہے کہ جب اس نے ملزم کو جائے وقوعہ سے فرار ہوتے دیکھا تو وہ سیاہ پتلون اور گرے یا آف وہائٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا لیکن ایک مرتبہ پھر حقیقت اس کے برعکس ہے.....یعنی وقوعہ کے روز جب ملزم اپنے گھر سے روانہ ہوا تو اس نے کریم کلر کی پینٹ کے ساتھ چیک دار شرٹ پہن رکھی تھی اور اس چیک میں سیاہ اور نارنجی دھاریاں نمایاں تھیں۔ جب میرے موکل کو گرفتار کیا گیا اس وقت بھی وہ اسی لباس میں ملبوس تھا۔ اس بات کی تصدیق تو انکوائری آفیسر صاحب بھی کر سکتے ہیں۔''

جج نے سوالیہ نظر سے آئی او کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''جی، آپ کیا کہتے ہیں؟''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''گرفتاری کے وقت ملزم کے بدن پر وہی لباس تھا جس کا ابھی وکیل صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن جب وہ جائے وقوعہ سے فرار ہوا تھا تو ہو سکتا ہے، وہ ویسا ہی لباس پہنے ہوئے ہو جیسا گواہ نے بیان کیا ہے۔ لباس تبدیل کرنا کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں کہ اسے ایشو بنایا جائے.....؟''

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ''میرے پیارے دوست! آپ اپنی ایک انگلی کو حرکت دے سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں.....'' وہ جلدی سے بولا۔ ''یہ لیں.....!''

اس نے باقاعدہ اپنی انگشت شہادت کو ہلا کر دکھایا۔ میں نے پوچھا۔

''کیا اس طرح انگلی کو ہلانا مشکل کام ہے؟''

''نن، نہیں.....'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''یہ اس لیے مشکل نہیں ہے کہ آپ اسے ہلانا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے اسے ہلا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اسی طرح آپ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ لباس تبدیل کرنا کوئی ایسا مشکل کام نہیں، اسے ایشو نہ بنایا جائے لیکن شرط وہی ہے کہ اگر ملزم لباس تبدیل کرنا چاہتا تو.....اور حقیقت یہ ہے کہ اسے اس چیز کی ضرورت ہی نہیں تھی!''

''بیگ صاحب!'' جج مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''کیا آپ اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ وقوعہ کے روز ملزم اسی لباس میں گھر سے روانہ ہوا تھا جس لباس میں اس کی گرفتاری عمل میں آئی ہے؟''

''جی ہاں.....'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اپارٹمنٹس بلڈنگ کا چوکیدار منظور حسین اس بات کا گواہ ہے کہ وقوعہ کے روز ملزم کریم کلر کی پینٹ اور چیک دار شرٹ میں بلڈنگ سے روانہ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کی تصدیق کرے گا کہ ملزم مذکورہ روز بلڈنگ کے احاطے ہی میں سے اپنی گاڑی پر سوار ہو گیا تھا جبکہ استغاثہ کے معزز گواہ کا بیان ہے کہ اس نے اپنی دکان پر کھڑے کھڑے ملزم کو گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا تھا۔ اس نوعیت کے کھلم کھلا جھوٹ پر تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ استغاثہ کا گواہ کسی خاص فیور میں غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔''

''ہوں.....!'' جج نے گمبھیر انداز میں کہا پھر مجھ سے پوچھا۔ ''کیا آپ آئندہ پیشی پر چوکیدار منظور حسین کو گواہی کے لیے کورٹ میں لا سکتے ہیں؟''

''جی ہاں!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

جج نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں چند منٹ ہی باقی تھے۔ جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بیگ صاحب! آپ استغاثہ کے گواہ سے کچھ اور پوچھنا چاہیں گے یا آپ کی جرح مکمل ہو

گئی؟''

''اٹس اوور یور آنر.....!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا!''

جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی سے قبل میں نے ایک دو چکر لگا کر جائے وقوعہ کا اچھی طرح جائزہ لے لیا، خاص طور پر میں نے فورتھ فلور کے فلیٹ کی اس گیلری کا تنقیدی مشاہدہ کیا تھا جہاں سے گرنے کے بعد میرے مؤکل کی بیوی موت کے منہ میں چلی گئی تھی۔ استغاثہ کے مطابق لبنیٰ کی موت کا ذمے دار اس کا شوہر حسن کمال نظامی تھا۔ عرفان کے مطابق، اس کے باپ نظامی کا اس حادثے سے کوئی تعلق نہیں تھا اور میرے مطابق میرا مؤکل حسن نظامی بے گناہ تھا، بہ الفاظ دیگر میں بھی عرفان کے خیالات کا حامی تھا جیسا کہ مجھے ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ میرا خیال درست ہے۔ اس صورت میں لبنیٰ کی موت کو تین میں سے کسی ایک خانے میں فٹ کیا جا سکتا تھا۔

نمبر ایک..... یہ ایک اتفاقیہ حادثہ تھا۔ وہ کسی بھی سبب گیلری میں سے نیچے جا گری تھی جیسا کہ اس کا بیٹا عرفان سوچ رہا تھا۔

نمبر دو..... یہ اتفاقیہ حادثہ نہ ہو بلکہ لبنیٰ نے دیدہ و دانستہ گیلری میں سے کود کر اپنی جان لے لی ہو، مطلب یہ کہ خودکشی کا کیس بھی ہو سکتا تھا۔

نمبر تین..... لبنیٰ کو کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت باقاعدہ قتل کیا گیا تھا۔

اگر پوائنٹ نمبر تین پر غور کریں تو پھر ذہن کسی ایسے شخص کی تلاش پر مامور نظر آتا ہے جس نے لبنیٰ کو گیلری میں سے دھکا دے کر نیچے گرایا تھا۔ یہی شخص اس کا قاتل تھا۔

اگر وہ شخص میرا مؤکل نہیں تھا تو پھر کون تھا؟

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب ڈھونڈ کر لانا میرے فرائض کا حصہ نہیں تھا۔ مجھے تو صرف اپنے مؤکل کو بے گناہ ثابت کرتے ہوئے باعزت رہائی دلانا تھی اور میں اسی مقصد کے لیے کوشاں تھا..... نہ صرف کوشاں تھا بلکہ جج کے سامنے ایسے ثبوت اور شواہد بھی لا رہا تھا، جس سے میرے موکل کی بے گناہی ثابت ہوتی تھی۔

میں اپنی اب تک کی کارکردگی سے قطعی مطمئن تھا۔

✠ ✠ ✠

عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا.....!

اس روز ہمارے کیس کا پہلا نمبر تھا لہٰذا ہمارے پاس وقت کی کوئی کمی نہ تھی۔ حسب پروگرام میں نے سب سے پہلے چوکیدار منظور حسین کو گواہی کے لیے پیش کر دیا۔ منظور کی عمر پچپن کے آس پاس رہی ہوگی۔ وہ گورا چٹا اور پستہ قامت شخص تھا۔ اس نے داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ منظور حسین نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا، پھر اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس کے بعد میں جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ یہ منظور حسین سے میری پہلی ملاقات نہیں تھی۔ میں نے چونکہ صفائی کے گواہ کی حیثیت سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی لہٰذا عدالت میں اس کا نام پیش کرنے سے پہلے میں اس سے دو تین بار مل چکا تھا۔ نہ صرف مل چکا تھا بلکہ اسے ضروری ہدایات بھی دی تھیں تا کہ ان ہدایات کی روشنی میں عدالت اس کیس کے اصلی رنگ روپ کا جائزہ لے سکے۔

''منظور حسین!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جرح کا آغاز کیا۔ ''آپ کو اس اپارٹمنٹس بلڈنگ میں چوکیداری کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''لگ بھگ پانچ سال۔'' گواہ نے جواب دیا۔

''اور مقتولہ.....؟''

وہ میرے مختصر اور نامکمل سوال کی تہ میں اترتے ہوئے بولا۔ ''یہ لوگ تو مجھ سے بھی پہلے اس بلڈنگ میں رہ رہے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے، تم ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو؟''

''جی ہاں..... جانتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''منظور حسین! تم چونکہ اس بلڈنگ کے چوکیدار ہو اس لیے وہاں رہائش پذیر افراد کی گاڑیاں تمہاری نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''نہیں جناب، آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ خاصے توانا لہجے میں بولا۔ ''مجھے ایک ایک آدمی کے بارے میں پتا ہے کہ کس کے پاس کون سی گاڑی ہے کیونکہ.....'' وہ لمحے بھر کے لیے سانس لینے کو رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''کیونکہ میں پارکنگ کے وقت ان لوگوں کی مدد کرتا ہوں اور ان میں سے اکثر اپنی گاڑیوں کی صفائی دھلائی بھی مجھ ہی سے کراتے ہیں اس لیے بھی میں گاڑیوں کے بارے میں زیادہ جانتا

ہوں۔ایک چوکیدار کی حیثیت سے مجھے یہ جاننا بھی چاہیے۔''

''تمہیں بلڈنگ کے ایک ایک رہائشی کے بارے میں پتا ہے کہ کس کے پاس کون سی گاڑی ہے۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔''منظور حسین! ملزم کے پاس کون سی گاڑی ہے؟''

''ٹویوٹا کرولا.....سلور کلر۔'' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''کیا ملزم اپنی ٹویوٹا کرولا کو بلڈنگ کے اندر پارک کیا کرتا تھا؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔''بلڈنگ کی پارکنگ میں اتنی گنجائش ہے کہ تمام گاڑیاں کھڑی کرنے کے بعد بھی وہاں مزید دس گاڑیوں کی جگہ باقی رہتی ہے۔''

''کیا وقوعہ کے روز بھی ملزم نے بلڈنگ کی پارکنگ ہی میں گاڑی کھڑی کی تھی؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو اصل مدعا کی طرف لاتے ہوئے صفائی کے گواہ سے سوال کیا۔

''جی ہاں.....'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی پھر وضاحت کرتے ہوئے بتانے لگا۔''مجھے اچھی طرح یاد ہے، وقوعہ کے روز ملزم حسب معمول شام سات بجے گھر آ گیا تھا۔اس نے پارکنگ میں، ایک مخصوص جگہ پر اپنی گاڑی کو کھڑا کیا اور اپنے فلیٹ کی جانب بڑھ گیا جو اسی بلڈنگ کے چوتھے فلور پر واقع ہے۔ میں نے ملزم کی گاڑی پر کپڑا اچڑھایا اور اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔''

''ملزم دوبارہ نیچے کب اترا تھا؟''

''اس وقت رات کے نو بجے تھے۔'' گواہ نے جواب دیا۔

''کیا ملزم روزانہ رات کو نو بجے دوبارہ نیچے اترا کرتا تھا؟''

''نہیں جناب، یہ کوئی فارمولا نہیں ہے۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔''وہ ناشتا وغیرہ لینے کے لیے نیچے اترا کرتا تھا لیکن اس کام کا کوئی مخصوص وقت نہیں تھا اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ روزانہ نیچے اترے۔ اکثر وہ آفس سے واپسی پر یہ کام کرتا آتا تھا۔ ہاں البتہ، اگر اسے کسی تقریب میں جانا ہوتا تو وہ بن ٹھن کر نیچے اترتا تھا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو جاتا۔''

''کیا وقوعہ کے روز بھی وہ کسی تقریب میں شرکت کے لیے ہی گھر سے نکلا تھا؟''

''یہ تو مجھے پتا نہیں جناب۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔''لیکن اس بات پر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ اتنی جلدی تیار ہو کر وہ گاڑی لے کر کہاں جا رہا تھا۔ پہلے میرے جی میں آئی کہ اس سے پوچھوں پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور گاڑی کا کپڑا اتارنے کے بعد گیٹ کھولنے چلا گیا۔''

''تم نے ملزم کی گاڑی کے لیے گیٹ کھولا اور وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو کر بلڈنگ سے روانہ ہو گیا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ایسا ہی ہوا تھا نا منظور حسین؟''

''جی ہاں، بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔'' وہ پورے یقین سے بولا۔

''آخری سوال.....!'' میں نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''منظور حسین! اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ، وقوعہ کے روز جب ملزم رات نو بجے اپنی سلور کلر ٹویوٹا کرولا میں بیٹھ کر بلڈنگ سے روانہ ہو رہا تھا تو اس نے کس رنگ کا لباس پہن رکھا تھا؟''

''اس میں یاد کرنے یا سوچنے والی کون سی بات ہے وکیل صاحب!'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''اس وقت ملزم نے کریم کلر کی پینٹ اور چیک والی شرٹ پہن رکھی تھی..... اس چیک میں کالی اور نارنجی دھاریاں بنی ہوئی تھیں.....''

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور حتمی لہجے میں کہا۔ ''دیٹس آل یور آنر!''

میں نے منظور حسین کو صفائی کے گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش کر کے اپنے مؤکل کی بے گناہی کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور میں اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔ اس گواہی نے واضح کر دیا تھا کہ استغاثہ کے گواہ حنیف احمد نے کئی مقامات پر دروغ گوئی سے کام لیا تھا جو میرے مؤکل کو اس کیس میں پھانسنے کی کھلی سازش تھی۔

جج نے اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر چند نوٹس لیے پھر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وکیل صاحب! آپ گواہ سے کوئی سوال کرنا چاہیں گے؟''

اگرچہ وکیل استغاثہ کے غبارے کی ہوا خاصی حد تک نکل چکی تھی تاہم وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور بڑے جارحانہ انداز میں صفائی کے گواہ سے سوالات کرنے لگا۔

''منظور حسین! تم نے ڈیفنس کونسلر کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ وقوعہ کے روز ملزم ٹھیک نو بجے رات اپنی گاڑی میں بیٹھ کر بلڈنگ سے روانہ ہوا تھا..... یہی کہا ہے نا تم نے.....؟''

''جی ہاں..... میں نے یہی بیان دیا ہے۔''

''تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''جی، کیا مطلب.....!'' گواہ نے الجھن زدہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

''میں آپ کے سوال کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔''

''میں نے پوچھا ہے.....'' وکیل استغاثہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''ملزم کی روانگی کے وقت کے بارے میں تم اتنے پروثوق کیوں ہو.....وہ نو بجے کے بجائے ساڑھے نو یا پھر دس کا وقت بھی تو ہوسکتا ہے.....تمہارا اندازہ غلط بھی تو ہوسکتا ہے.....انسان سے غلطی ہوسکتی ہے.....؟''

''میں آپ کی اس بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، اس سے غلطی ہو سکتی ہے۔'' گواہ نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔''لیکن وقوعہ کے روز ملزم کی روانگی کے وقت کے حوالے سے میرا اندازہ غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ میں نے اندازہ قائم نہیں کیا بلکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اس وقت رات کے نو ہی بجے تھے.....''

''کیا تم نے گھڑی میں وقت دیکھا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں پوچھا۔

''میں نے عرض کیا ہے نا کہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔'' گواہ نے اصراری لہجے میں کہا۔''اگر اس روز ملزم ساڑھے نو.....یا دس بجے بلڈنگ سے روانہ ہوتا تو ہماری ملاقات ممکن نہیں تھی۔''

''ملاقات ممکن نہیں تھی.....!'' وکیل استغاثہ نے منہ بگاڑ کر کہا۔''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟''

''مطلب یہ ہے جناب کہ.....'' منظور حسین بڑے ڈرامائی انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''اگر ملزم سوا نو، ساڑھے نو، پونے دس، دس.....یا اس کے بعد بلڈنگ سے روانہ ہوتا تو اس کی ملاقات مجھ سے نہیں بلکہ اللہ دتہ سے ہوتی.....!''

''اللہ دتہ!'' وکیل استغاثہ نے چونک کر گواہ کی طرف دیکھا۔''یہ کون ہے.....؟''

گواہ بہ دستور ڈرامائی انداز اختیار کیے رہا۔''اللہ دتہ اس اپارٹمنٹس بلڈنگ میں چوکیداری کرتا ہے جہاں چوتھے فلور کے ایک فلیٹ میں ملزم رہائش پذیر ہے.....اسی فلیٹ کی بیرونی گیلری میں سے ملزم کی بیوی نیچے گر کر موت کے منہ میں چلی گئی تھی.....''

''لل.....لیکن.....؟'' وکیل استغاثہ کی الجھن دیدنی تھی۔''اس بلڈنگ کے چوکیدار تو تم ہو.....؟''

''میں دن کا چوکیدار ہوں!'' منظور حسین نے ٹھوس لہجے میں بتایا۔''اور اللہ دتہ رات میں چوکیداری کرتا ہے۔ میری ڈیوٹی صبح نو سے رات نو بجے تک ہوتی ہے اور اللہ دتہ رات نو سے صبح نو بجے تک ڈیوٹی دیتا ہے۔ میں نے وقوعہ کے روز جب ملزم کے روانہ ہونے پر گیٹ بند کیا تو ٹھیک

پانچ منٹ کے بعد اللہ دتہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ میں جب اپنے ڈیوٹی ختم کر کے بلڈنگ سے نکلا تو اس وقت رات کے سوا نو بجے تھے.....!''

وکیل استغاثہ کی لاجوابیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بے بسی اور احساس ناکامی پورے طمطراق کے ساتھ اس کے چہرے پر سجے نظر آتے تھے۔ میں وکیل مخالف کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ اس نے پسپائی اختیار کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا۔

''جناب عالی! مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا.....!''

اس کے بعد استغاثہ کی جانب سے دو گواہوں کو یکے بعد دیگرے عدالت میں پیش کیا گیا لیکن ان دونوں کے بیانات اور بعد ازاں ان پر ہونے والی جرح کے نتیجے میں کوئی اہم بات نکل کر سامنے نہیں آئی۔

عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں لگ بھگ ایک گھنٹا باقی رہ گیا تو میں نے جج سے درخواست کی۔

''جناب عالی! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں اپنے مؤکل سے چند اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں.....!''

''کیا ان سوالات کا تعلق زیر سماعت کیس سے ہے؟'' جج نے سنجیدہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''ڈیفینیٹلی یور آنر.....!''

جج نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا اور مجھ سے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ کو اپنے مؤکل سے جو کچھ بھی پوچھنا ہے، عدالت کا وقت ختم ہونے سے پہلے پوچھ لیں۔''

''تھینک یو یور آنر.....!'' میں نے نہایت ہی فرمانبرداری سے کہا پھر اس کیس کے ملزم اور اپنے مؤکل حسن کمال نظامی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''جب آپ وقوعہ کے روز اپنے گھر سے نکلے تو اس وقت گھر میں اور کون کون موجود تھا؟''

''میری بیوی لبنیٰ موجود تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور اس کا بھائی بھی تھا جو تھوڑی دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا۔''

''لبنیٰ کا بھائی!'' میں نے تصدیق طلب نظروں سے ملزم کی طرف دیکھا۔ ''یعنی امین الدین.....اس کیس کا مدعی؟''

''جی ہاں، میں نے اسی کا ذکر کیا ہے۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

''اپنے اکلوتے سالے صاحب کا نام لیتے ہوئے آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات ابھرے ہیں۔'' میں نے کریدنے والے انداز میں کہا۔''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امین الدین کی اپنے گھر میں آمدورفت آپ کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں جناب..... آپ کا تجزیہ بالکل درست ہے۔'' وہ تصدیقی انداز میں بولا۔''گھر میں آمدورفت تو بہت بڑی بات ہے، مجھے تو اس شخص کی شکل سے نفرت ہے.....''

بات کے اختتام پر اس کا لہجہ خاصا تلخ ہوگیا تھا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔''اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ امین الدین بھی آپ کو پسند نہیں کرتا ہوگا؟''

''جی یہی حقیقت ہے۔'' ملزم نے اثبات میں گردن ہلائی۔''وہ مجھے اپنا دشمن سمجھتا ہے اور دشمنی نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ یہ تازہ ترین مثال آپ کے سامنے ہے۔ لبنیٰ ایک اتفاقیہ حادثے کا شکار ہوکر موت کے منہ میں چلی گئی اور اس شخص نے ایک گہری سازش کے تحت مجھے اس کیس میں پھنسا دیا ہے۔ اس کی دشمنی اور بدخواہی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا.....؟''

واضح رہے کہ اس وقت تک عرفان کی طرح نظامی بھی یہی سمجھتا تھا کہ لبنیٰ کسی حادثے کا شکار ہوئی تھی..... کوئی اتفاقیہ حادثہ!

میں نے طنزیہ انداز میں باری باری وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کی جانب دیکھا پھر دوبارہ اپنے مؤکل کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا امین الدین اس سے پہلے بھی تمہیں تنگ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے؟''

''تنگ..... بہت چھوٹا لفظ ہے جناب۔'' وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔''اس نے تو میرا گھر اجاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی.....''

''مثلاً؟'' میں نے تمام تر حقائق سے آشنا ہونے کے باوجود بھی عدالتی وضاحت کے لیے پوچھنا ضروری جانا۔''اس نے کس طرح آپ کا گھر اجاڑنے کی کوشش کی تھی.....؟''

''امین الدین عمر میں لبنیٰ سے چند سال بڑا ہے اس لیے وہ اسے ''بھائی جان'' کہا کرتی تھی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''لبنیٰ، امین الدین پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ امین الدین کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پتھر کی لکیر ہوں اور لبنیٰ کی اسی عادت اور اسٹائل سے میرا خون کھول اٹھتا تھا۔ وہ مجھے زچ کرنے اور اذیت پہنچانے کے لیے

لبنیٰ کے توسط سے مختلف نوعیت کی کمینی حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ ان میں سب سے خطرناک اور گری ہوئی حرکت یہی تھی کہ میرا گھر اجڑ جائے۔ اس مکار انسان نے بڑی چال بازی سے میری بیوی کے کان بھرنا شروع کر دیئے تھے.....''

''آبجیکشن یور آنر.....!'' وکیل استغاثہ نے صدائے احتجاج بلند کی۔ ''اس عدالت میں لبنیٰ مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے۔ امین الدین کی گھریلو سازشوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق..... میرے فاضل دوست غیر متعلق معاملات کو زیر بحث لا کر عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں.....''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے جناب عالی!'' میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی حکمت عملی اپنائی اور کہا۔ ''میں ملزم سے سوال جواب کرنے سے پہلے ہی معزز عدالت کو اس بات کا یقین دلا چکا ہوں کہ میں زیر سماعت کیس سے ہٹ کر ایک سوال بھی نہیں کروں گا۔ اگر میرے فاضل دوست .....'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''چند منٹ کے لیے صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے بیٹھے رہیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

جج نے سنجیدہ لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ.....''

میں نے روئے سخن اپنے مؤکل کی طرف موڑا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم اس قصے کو مکمل کرو جس کے مطابق امین الدین نے تمہارا گھر برباد کرنے کی کوشش کی تھی.....!

''سب سے پہلے تو اس شخص نے میری بیوی کو یہ پٹی پڑھانا شروع کی کہ میں نے بعض پیشہ ور عورتوں سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔'' ملزم نے بڑے رسان سے بتانا شروع کیا۔ ''جس کے نتیجے میں آئے روز ہم میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونے لگا۔ آپ بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس نوعیت کی صورت حال میں کوئی گھر کس طرح جہنم کا نمونہ پیش کرنے لگتا ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''میرے اور لبنیٰ کے بیچ لڑائی جھگڑا تو ہو رہا تھا لیکن شاید امین الدین اس سے بھی کچھ بڑھ کر چاہتا تھا۔ اس کی خواہش کی خاطر خواہ تکمیل نہ ہوئی تو اس نے ایک اور خطرناک چال چلی۔ اس نے لبنیٰ کو بتایا کہ میں عنقریب ایک مال دار بیوہ سمیرا سے شادی کرنے والا ہوں۔ اس اطلاع نے لبنیٰ کو آگ بگولا کر دیا پھر میں نے بڑی مشکل سے اس معاملے کو ہینڈل کیا تھا۔ مجھے لبنیٰ کی خواہش کے

مطابق ایک قانونی دستاویز تیار کروانا پڑی تھی جس پر دو گواہوں کے علاوہ ہم دونوں میاں بیوی کے دستخط بھی موجود تھے اور یہ دستاویز ایک وکیل کے ذریعے باقاعدہ کے کاغذات پر تیار کی گئی تھی۔ جو ہم میاں بیوی کے درمیان ہونے والا ایک قانونی معاہدہ تھا۔''

''یہ کہیں وہی دستاویز تو نہیں جس کے بارے میں مجھے آپ کے بیٹے عرفان نے بتایا تھا۔'' میں نے سوال کیا۔ ''اس کی رُو سے آپ کسی بھی قیمت پر اپنی بیوی کی جان لینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ورنہ ایک بہت بڑا مالی خسارہ اٹھانا پڑتا.....؟''

''جی ہاں، میں اسی دستاویز کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''دستاویز مذکورہ'' ایک ایسا ٹھوس ثبوت تھا جو میرے مؤکل کو بے گناہ ثابت کرتا تھا لہٰذا معزز عدالت کے سامنے میں نے اس کا تفصیلی ذکر ضروری جانا اور ملزم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''اس دستاویز کے مضمون کو بیان کیا جائے.....''

''امین الدین کی لگائی ہوئی آگ پوری طرح بھڑک رہی تھی۔ ہم میاں بیوی کے درمیان اٹھتے بیٹھتے جھگڑا ہونے لگا تھا۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانا شروع کیا۔ ''پھر جب مال دار بیوہ سمیرہ کا ایشو اٹھا تو لبنیٰ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئی۔ میں نے لاکھ صفائی پیش کی کہ اس بات میں کوئی حقیقت نہیں۔ امین الدین خوامخواہ فساد پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لبنیٰ چونکہ امین الدین کی بات پر بہت بھروسا کرتی تھی لہٰذا اسے میری صفائی کا یقین نہ آیا اور اس نے مجھ پر ایک کڑی شرط عائد کر دی.....''

''کیسی شرط؟'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا تو میں نے اس سے پوچھا۔

''یہ شرط کہ میں فلیٹ اس کے نام کر دوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور اس کے ساتھ ہی ایک خاص نوعیت کا لیگل ایگریمنٹ بھی تیار کراؤں۔ اس ایگریمنٹ کی رو سے اگر لبنیٰ کی موت غیر طبعی انداز میں واقع ہوتی تو میں عدالتی سطح پر خود کو بے گناہ ثابت کیے بغیر اس کی پراپرٹی میں سے ایک کوڑی بھی لینے کا حق دار نہیں ہوں گا۔ اسی طرح اگر میں دوسری شادی کروں تو بھی لبنیٰ اور اس کی کسی شے پر میرا کوئی حق نہیں ہوگا۔ صرف اپنی بیوی کی طبعی موت کی صورت ہی میں مجھے اس کے ترکے کے حصول کا حق ہوگا، بہ صورت دیگر مذکورہ فلیٹ ایک فلاحی ادارے کی کسٹڈی میں چلا جائے گا۔ دستاویز کے اندر مذکورہ فلاحی ادارے کا باقاعدہ ذکر بھی کیا گیا تھا۔ میں نے اپنے گھر کے امن

اور سکون کو بچانے کے لیے لبنیٰ کی وہ ضد بھی پوری کر دی تھی حالانکہ جو بھی میرے فیصلے اور اس دستاویز کے بارے میں سنے گا، اس کا تبصرہ یہی ہوگا کہ میں دنیا کا احمق ترین انسان ہوں۔ اب آپ ہی بتائیں وکیل صاحب.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا، ایک افسردہ سی سانس خارج کی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ایمان داری سے بتائیں وکیل صاحب.....ان حالات وحقائق میں مجھے کیا کسی پاگل کتے نے کاٹا تھا کہ میں لبنیٰ کو دھکا دے کر گیلری سے نیچے پھینک دیتا اور خود ہر حوالے سے خسارے میں رہتا..... بیوی جان سے جاتی، فلیٹ ہاتھ سے جاتا اور میں فٹ پاتھ پر آ جاتا.....؟''

''آپ کو قطعاً کسی پاگل کتے نے نہیں کاٹا اور نہ ہی آپ اپنی بیوی کی موت میں کسی حوالے سے ملوث ہیں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا وہ فیصلہ شرافت کی آخری حدود کو چھوتا نظر آتا ہے..... بہرحال، یہ بتائیں کہ آپ نے اپنی بیوی کی فرمائش پر جو دستاویز تیار کرائی تھی اس کا علم آپ دونوں کے علاوہ اور کس کس کو تھا؟''

''کسی کو نہیں، سوائے ان وکیل صاحب کے جنہوں نے وہ لیگل ایگریمنٹ تیار کیا تھا۔'' ملزم نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''مذکورہ وکیل ہم دونوں کے لیے قابل بھروسا تھا اور اس دستاویز کی رو سے اگر لبنیٰ کی غیر طبعی موت واقع ہو جاتی تو بعد کے معاملات بھی اسی وکیل کو نمٹانا تھے۔ لبنیٰ کی موت کی خبر ان وکیل صاحب تک پہنچی تو وہ تھانے کی حوالات میں مجھ سے ملنے آئے تھے لیکن چونکہ یہ کیس عدالت میں زیر سماعت ہے لہٰذا وہ اس وقت تک کسی قسم کی قانونی کارروائی نہیں کریں گے جب تک عدالت کا واضح فیصلہ نہیں آ جاتا۔ آئندہ کی کارروائی عدالتی فیصلے کی رہین منت ہوگی۔''

''ٹھیک ہے!'' میں نے مدبرانہ انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''لیکن آپ کے بیٹے عرفان کے بیان کے مطابق وہ اس قانونی دستاویز کی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا؟''

''اسے یہ آگاہی میری گرفتاری کے بعد ہوئی تھی۔'' ملزم حسن نظامی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''یہ معلومات میں نے ہی اسے فراہم کی تھیں۔''

''ایک بات بتائیں.....'' میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ ''جب آپ کو امین الدین سے اور امین الدین کو آپ سے اتنی شدید نفرت تھی تو پھر آپ اسے اپنے گھر میں کس طرح برداشت کرتے تھے؟''

''لبنیٰ کی وجہ سے.....'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''وہ میری بیوی کا بھائی ہے اور لبنیٰ اس

سے بہت محبت بھی کرتی تھی لہٰذا ہزار ذہنی اذیت کے باوجود میں نے بہن بھائی کے تعلقات میں کبھی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آپ اسے میری بزدلی یا کمزوری..... جو بھی سمجھ لیں۔''

''یہ نہ تو بزدلی کہلائے گی اور نہ ہی اس کا شمار کمزوری میں کیا جا سکتا ہے بلکہ میری نظر میں یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی تھی۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا، پھر پوچھا۔ ''امین الدین آپ کا دشمن کیوں بنا ہوا تھا؟''

''یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کا میں تفصیلی جواب دوں گا۔'' وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا تو اس نے نپے تلے الفاظ میں اپنا اور امین الدین کی کاروباری چپقلش کی تفصیل بیان کر دی کہ جب وہ دونوں مل کر گارمنٹس کا بزنس کر رہے تھے تو بعض معاملات میں سالار صاحب نے کس طرح اسے چونا لگانے کی کوشش کی تھی اور جب ملزم نے ثبوت کے ساتھ اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا، ان کے بیچ بہت بڑا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا جس کے نتیجے میں پارٹنر شپ بزنس ختم کر دیا گیا تھا تاہم اس واقعے کو لے کر امین الدین گاہے بہ گاہے ملزم کو نقصان پہنچانے کی تاک میں رہتا تھا..... وغیرہ وغیرہ!

میں نے ایک مرتبہ پھر زاویہ سوالات کو موڑا اور سلسلہ جرح کو سمیٹتے ہوئے اپنے مؤکل سے پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز جب آپ رات نو بجے اپنے گھر سے روانہ ہوئے تو آپ کے بیان کے مطابق امین الدین فلیٹ کے اندر موجود تھا۔ ایم آئی رائٹ؟''

''یس! یور آر رائٹ۔'' وہ تصدیقی انداز میں بولا۔

''امین الدین اس روز کتنے بجے آپ کے گھر آیا تھا؟''

''اس کی آمد کا بالکل درست وقت تو مجھے پتا نہیں جناب۔'' ملزم نے بتایا۔ ''جب میں فیکٹری سے گھر پہنچا تو وہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔''

''آپ وقوعہ کے روز کتنے بجے گھر آئے تھے؟''

''لگ بھگ سات بجے۔''

''اور نو بجے دوبارہ گھر سے نکل گئے؟''

''جی ہاں.....!''

''اس کا کوئی خاص سبب تھا؟''

''جی ہاں!'' ملزم نے اثبات میں گردن ہلائی اور بتایا۔ ''جب میرے اور لبنیٰ کے درمیان وہ تحریری معاہدہ ہوا تھا تو یہ بھی طے پایا تھا کہ اس کا بھائی میری غیر موجودگی میں ہی گھر پر اس سے ملنے آئے گا۔ میں نے امین الدین کی آمد پر پابندی عائد نہیں کی تھی تاہم مجھے اس کی شکل دیکھنا گوارا تھا اور نہ ہی اپنی آنکھوں کے سامنے اس کا وجود برداشت تھا لہٰذا جب وقوعہ کے روز میں نے اسے اپنے گھر میں پایا تو میرا موڈ خراب ہو گیا۔ لبنیٰ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں کتنے بجے گھر آتا ہوں۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اس نے شریفانہ معاہدے کی کھلی خلاف ورزی کی تھی۔ اس روز کافی دنوں کے بعد ہمارے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی۔ امین الدین کے ہوتے ہوئے مجھے گھر میں رکنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا چنانچہ میں نے باتھ لیا، لباس تبدیل کیا اور پکچر ہاؤس کی طرف نکل گیا۔ یہی سوچا تھا کہ تین گھنٹے سکون سے گزار کر گھر آؤں گا تو میری ناپسندیدہ شکل گم ہو چکی ہو گی لیکن واپسی پر، آدھی رات کو میرے گھر میں میرے ساتھ جو کچھ ہوا، اسی کے نتیجے میں، میں ایک ملزم کی حیثیت سے آج عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوں.....!''

''آپ اس روز کس سینما میں، کون سی پکچر دیکھنے گئے تھے؟''

اس نے بندر روڈ پر واقع ایک معروف پکچر ہاؤس کا نام لیا اور بتایا۔ ''اس رات میں نے بروس لی کی فلم ''انٹر دی ڈریگن'' دیکھی تھی۔''

''انٹر دی ڈریگن والا شو کتنے بجے چھوٹا تھا؟''

''تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات۔'' اس نے بتایا۔ ''یا زیادہ سے زیادہ پونے بارہ بجے ہوں گے۔''

''پکچر ہاؤس سے نکلنے کے بعد آپ سیدھے گھر آئے تھے یا کہیں اور بھی گئے تھے؟''

''میں سیدھا گھر آیا تھا۔''

''آپ کتنے بجے گھر پہنچ گئے تھے؟''

''کم و بیش ساڑھے بارہ بجے۔''

''پھر کیا ہوا تھا؟''

''ہونا کیا تھا..... مجھے لبنیٰ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق آپ کی بیوی لبنیٰ کی موت چار فروری کی رات..... دس اور گیارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ ''اس

عرصے کے دوران میں آپ پیچر ہاؤس میں بیٹھے بروس لی کے کنگ فو اسٹائل ''جیٹ کون ڈو'' کا عملی مظاہرہ دیکھ رہے تھے، اتنی دور بیٹھ کر آپ اپنی بیوی کو فلیٹ کی گیلری میں سے کیوں کر دھکا دے سکتے ہیں.....؟'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر عجیب سے انداز میں اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بروس لی کا مارشل آرٹس دیکھ کر آپ کے بازو دس، بارہ میل طویل ہو جاتے ہیں جو آپ بندر روڈ کے ایک پیچر ہاؤس میں بیٹھے بیٹھے بہ آسانی گلشن اقبال کے ایک فلیٹ کی گیلری میں کھڑی اپنی بیوی کو دھکا دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں.....؟''

''یہ تو آپ استغاثہ سے پوچھیں جناب کہ وہ مجھے اتنا با صلاحیت کیوں سمجھتا ہے۔'' ملزم کے لہجے میں بے پناہ تلخی گھلی ہوئی تھی۔ ''میں نے نہ تو اپنی بیوی کو قتل کیا ہے اور نہ ہی کسی حوالے سے اس معاملے میں ملوث ہوں۔''

''یہ حقیقت آپ نے گرفتاری کے وقت پولیس کے گوش گزار نہیں کی تھی؟''

''میں نے انہیں بتایا تھا، سب کچھ تفصیل سے بیان کیا تھا۔'' وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں نے تو انہیں سینما کا ٹکٹ بھی دکھایا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی اور گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے.....''

''وقوعہ کی رات پولیس نے آپ کی ایک نہیں سنی تھی لیکن آج معزز عدالت نے آپ کی دکھ بھری داستان بڑی تفصیل سے سماعت کی ہے۔'' میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''اس سے پہلے عدالتی کارروائی کے دوران میں بھی میں نے آپ کی بے گناہی کے ثبوت کے طور پر بڑے مضبوط پوائنٹس اٹھائے ہیں لہٰذا آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ.....!'' میں نے ڈرامائی انداز میں رک کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر دوبارہ ملزم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''بس.....آپ میرے آخری سوال کا جواب دے دیں جو کہ آپ کے فلیٹ کی گیلری سے متعلق ہے.....!''

''گیلری سے متعلق؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

اس کی دیکھا دیکھی جج سمیت وکیل استغاثہ، انکوائری آفیسر اور حاضرین عدالت بھی گردنیں موڑ کر اضطراری نظروں سے مجھے تکنے لگے جیسے میں نے کوئی انہونی اور ناقابل یقین بات کر دی ہو.....!

''ہاں گیلری سے متعلق!'' میں نے حسن نظامی کے الفاظ کو دہراتے ہوئے بات کو آگے بڑھایا۔ ''یہ کیس ہاتھ میں لینے کے بعد میں نے گلشن اقبال کے دو تین چکر لگائے تھے تاکہ جائے وقوعہ کا اچھی طرح جائزہ لے سکوں اور اسی جائزے کے دوران ہی میں آپ کے فلیٹ کی اس گیلری نے مجھے بری طرح چونکنے پر مجبور کر دیا، استغاثہ کے مطابق جہاں سے گرنے کے بعد لبنیٰ موت کی آغوش میں چلی گئی تھی.....''

''آپ کے چونکنے کا سبب کیا تھا؟'' جج نے بے ساختہ مجھ سے سوال کیا۔

یہ بھی میری واضح جیت تھی کہ جج میرے اٹھائے ہوئے پوائنٹس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

میں نے روئے سخن جج کی سمت موڑتے ہوئے بڑے رسان سے جواب دیا۔

''جناب عالی! مین روڈ کی جانب صرف ملزم کے فلیٹ ہی کی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے فلیٹس کی گیلریز پڑتی ہیں مگر ملزم کی گیلری اور متذکرہ گیلریز میں مجھے ایک نمایاں فرق محسوس ہوا تھا.....!''

''کیسا فرق؟'' جج کی حیرت میں الجھن بھی شامل ہوگئی۔

میں نے بہ دستور ڈرامائی لہجے میں بتایا۔ ''تمام گیلریز میں مجھے مضبوط اور محفوظ آہنی ریلنگ گرل نصب دکھائی دی، سوائے ملزم کی گیلری کے.....وہاں صرف فٹ بھر بلند منڈیر نظر آ رہی تھی جبکہ باقی گیلریز کی ریلنگ دو ڈھائی فٹ سے کچھ زیادہ ہی اونچی تھی۔ ملزم کی گیلری کا تو وہ حال تھا کہ وہاں کھڑا انسان ذرا سی بے احتیاطی سے نیچے گر سکتا تھا۔''

''ایسا کیوں؟'' اس مرتبہ جج نے ملزم حسن نظامی کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جناب! ہماری گیلری میں بھی بالکل ویسی ہی گرل اور ریلنگ نصب تھی جیسی دوسری گیلریز میں موجود ہے۔'' ملزم نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''لیکن وقوعہ سے چند روز پہلے امین الدین کے کہنے پر لبنیٰ نے وہ ریلنگ نکلوا دی تھی۔''

''امین الدین کے کہنے پر کیوں؟'' میں نے قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا امین الدین اس ریلنگ کا اچار یا مربہ ڈالنا چاہتا تھا.....؟''

میرے آخری استفساریہ جملے نے حاضرین عدالت کو خاصا محظوظ کیا۔ بعض کی تو ہنسی بھی چھوٹ گئی تاہم ملزم نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لبنیٰ کے بھائی جان کا خیال تھا کہ وہ گرل اور ریلنگ اپنی جگہ سے ہٹ رہی ہے اور بعض مقامات پر اسے مرمت کی بھی ضرورت ہے لہٰذا وہ ریلنگ کو گیلری میں سے اکھڑوا کر مرمت کے

لیے دے آیا تھا۔''

''بڑی عجیب بات ہے.....ایسا پہلی بار سنا ہے کہ چوتھے فلور کی کسی گیلری میں سے پوری ریکنگ کو اکھاڑ کر مرمت کے لیے کسی مکینک کے پاس بھیج دیا جائے۔'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔''اس نوعیت کے معاملات میں تو مکینک ویلڈنگ پلانٹ کے ساتھ متعلقہ فلیٹ تک پہنچتا ہے اور ہاتھ کے ہاتھ کام کر کے واپس چلا جاتا ہے.....آپ لوگوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''

''یہ تو آپ مرحومہ کے ''بھائی جان'' سے پوچھیں جناب.....!''

''پوچھیں گے.....اور بھی بہت کچھ پوچھیں گے امین الدین سے.....'' میں نے کہا۔

پھر عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ جج نے وکیل استغاثہ سے پوچھا۔

''استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں ملزم کے سالا صاحب امین الدین کا نام بھی شامل ہے۔ کیا آئندہ پیشی پر آپ اسے عدالت میں حاضر کر رہے ہیں؟''

''جی.....امین الدین استغاثہ کا آخری گواہ ہے۔'' وکیل استغاثہ نے کمزور سے لہجے میں کہا۔''اگلی پیشی پر اسے گواہی کے لیے عدالت میں لایا جائے گا۔''

''عینی شاہد.....!'' میں نے وکیل استغاثہ کی بات پر گرہ لگائی۔''استغاثہ کے مطابق امین الدین نے اپنی آنکھوں سے ملزم کو اپنی بیوی کو گیلری میں سے دھکا دیتے دیکھا تھا.....؟''

وکیل استغاثہ نے معاندانہ انداز میں مجھے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی جج نے عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ.....!''

منظر اسی عدالت کا تھا اور وٹنس باکس میں امین الدین کھڑا تھا۔

امین الدین کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گی۔ اس کو دیکھ کر ذہن میں گینڈے کا تصور ابھرتا تھا۔ بس، اس شخص کی اتنی ہی تعریف کافی ہے۔ آپ بڑی تفصیل سے سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ کس قسم کی شخصیت ہو گا۔

امین الدین اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا چکا تو وکیل استغاثہ جرح کے لیے اس کے پاس چلا گیا۔ وہ گھما پھرا کر مختلف زاویوں سے اپنے گواہ سے سوال کرتا رہا۔ اس دوران میں، میں نے مداخلت

کرنا مناسب نہ سمجھا اور جب وکیل استغاثہ نے اسے فارغ کیا تو میں جج کی اجازت سے اس کے کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے محسوس کیا کہ ان لمحات میں وہ خاصا خائف دکھائی دیتا تھا۔ آج وہ اس کیس کے ضمن میں ایک گواہ کی حیثیت سے پہلی مرتبہ عدالت میں حاضر ہوا تھا۔ اس سے پہلے اس کی حیثیت صرف مدعی کی رہی تھی۔ تاہم اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ اب تک ہونے والی عدالتی کارروائی سے اچھی طرح واقف تھا.....اور یہی اس کی پریشانی کا سبب بھی تھا۔

''امین الدین صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جرح کا آغاز کیا۔ ''کیا یہ بات درست ہے کہ آج کل آپ کنسٹرکشن کے کام میں گھسے ہوئے ہیں اور خود کو بلڈر شو کرتے ہیں؟''

''آبجیکشن یور آنر!'' میرے پہلے ہی سوال پر وکیل استغاثہ نے اعتراض جڑ دیا۔

جج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''وکیل صاحب! آپ کو کس بات پر اعتراض ہے؟''

''جناب عالی! اس وقت عدالت میں لبنیٰ مرڈر کیس کی سماعت جاری ہے۔'' وہ رٹو طوطے کی طرح بولا۔ ''اس میں گواہ کے بزنس کا ذکر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وکیل صفائی غیر متعلقہ باتوں کو زیر بحث لا کر خوامخواہ عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ انہیں اس قسم کی حرکت سے روکا جائے.....!''

مجھے ان لمحات میں وکیل استغاثہ کی حالت پر ترس آیا۔ محاورتاً آپ اسے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پچھلی پیشی پر میں نے اپنے دلائل سے عدالت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ میرا مؤکل سراسر بے قصور ہے۔ لبنیٰ کو پیش آنے والے واقعے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ ایک طرح سے استغاثہ کی کھلی ناکامی تھی جب ہی وکیل استغاثہ کسی شکست خوردہ زخمی سانپ کے مانند بس گھل رہا تھا۔

وکیل استغاثہ کے آبجیکشن پر جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ اس نظر میں یہی مقصد پوشیدہ تھا کہ میں وکیل مخالف کے اعتراض کے جواب میں کیا کہنا چاہوں گا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''مائی ڈیئر کونسلر! کیا آپ آج کل مستقبل بینی اور ٹیلی پیتھی وغیرہ کی پریکٹس بھی کر رہے

ہیں؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ بھڑک کر بولا۔

''مطلب یہ کہ آپ جو مستقبل کی خبریں دے رہے ہیں.....'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اور اپنے سامنے والے کی سوچ پڑھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بھی مارکیٹ سے وہ کتاب خرید لائے ہیں جو ٹیلی پیتھی اور مستقبل بینی کے لیے ایک راہنما کی حیثیت رکھتی ہے.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہ صرف کتاب خرید لائے ہیں بلکہ ارغوانی موم بتی روشن کر کے، راتوں کو جاگ جاگ کر اس کی مشقیں بھی شروع کر دی ہیں.....کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

میرے آخری سوالیہ جملے نے اسے بلبلا کر رکھ دیا، جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں اس نے کہا۔

''آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے کوئی کتاب خریدی ہے اور نہ ہی اس قسم کی کوئی مشق کر رہا ہوں۔''

''اگر آپ ٹیلی پیتھی اور مستقبل بینی کا علم نہیں رکھتے تو پھر آپ کو یہ کیسے پتا چلا کہ میں گواہ سے جو کچھ پوچھنے جا رہا ہوں وہ زیر سماعت کیس سے متعلق نہیں؟ میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اس سے عدالت کا قیمتی وقت برباد ہوگا، یہ فتویٰ آپ نے کس بنیاد پر جاری کیا ہے.....؟''

''یہ آپ کی ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ.....!''

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!'' وکیل استغاثہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''میرے فاضل دوست ایک بے بنیاد ایشو کھڑا کر کے پچھلے دس منٹ سے معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ انہیں اس سلسلے میں سرزنش کی جائے تاکہ میں عدالتی کارروائی کو آگے بڑھا سکوں.....''

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کے پاس بیگ صاحب کے سوالات کے ٹھوس جوابات ہیں؟''

یقیناً اس کے پاس مذکورہ جوابات نہیں تھے لہٰذا وہ ندامت آمیز انداز میں بغلیں جھانکنے لگا۔ جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ.....!''

میں نے فاتحانہ انداز میں وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ خاصا

نروس ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''امین الدین صاحب! مجھے اپنا سوال دہرانا پڑے گا یا آپ کے ذہن میں ہے ابھی تک کہ میں نے آپ سے کیا پوچھا تھا.....؟''

''آپ سوال دہرا دیں تو مہربانی ہوگی.....!'' وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

''اس میں مہربانی والی کون سی بات ہے جناب! یہ تو میرا فرض ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا پھر گواہ سے پوچھا۔

''امین الدین صاحب! کیا یہ صحیح ہے کہ آج کل آپ کنسٹرکشن وغیرہ کا کام کر رہے ہیں اور مارکیٹ میں ایک ''بلڈر'' کے طور پر مشہور ہیں؟''

''جی ہاں، یہ درست ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں چھوٹے موٹے تعمیراتی ٹھیکے پکڑتا ہوں۔ دو تین منزلہ گھر..... دو سو سے لے کر چھ سو گز تک کے بنگلے اور اسی حجم کے دیگر تعمیراتی کام اور ظاہر ہے، جب میں کنسٹرکشن کراتا ہوں تو ''بلڈر'' ہی کہلاؤں گا۔''

''مجھے آپ کے ''بلڈر'' ہونے پر کوئی اعتراض نہیں.....'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''یہ سوال تو میں نے کسی اور مقصد سے پوچھا تھا۔''

''کس مقصد سے؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

میں نے اس کے سوال کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور تیز لہجے میں استفسار کیا۔ ''کیا یہ بھی درست ہے کہ کنسٹرکشن کے بزنس میں قدم رکھنے سے پہلے آپ ملزم کے ساتھ مل کر گارمنٹس کا کاروبار کر رہے تھے؟''

میں دراصل ایک مخصوص انداز میں امین الدین پر ''کام'' کر رہا تھا۔ میں غیر محسوس طور پر اسے مختلف نوعیت کے سوالات میں الجھا کر اس کے خلاف ایسے پوائنٹس جمع کر رہا تھا جن کے استعمال سے آخر میں، میں اسے کلین بولڈ کر سکوں۔ مجھے اپنے اس مقصد میں اسی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی تھی جب میں اس کے ذہن کو متضاد اور مختلف زاویوں پر سرپٹ دوڑا کر اسے جھنجلاہٹ اور کوفت میں مبتلا کرتا چلا جاؤں اور میں..... بہ عین ایسا ہی کر رہا تھا۔

''جی ہاں!'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''اور گارمنٹس کے کاروبار کا یہ تجربہ خاصا تلخ ثابت ہوا تھا۔''

''تلخ.....'' میں نے زیر لب دہرایا۔ ''آپ کے لیے یا ملزم کے لیے؟''

''ظاہر ہے، میرے لیے۔'' وہ ناگواری سے بولا۔ ''تبھی تو میں اس بزنس سے الگ ہو گیا تھا۔''

''جبکہ ملزم کا مؤقف آپ کے برعکس ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کے مطابق آپ بزنس کے حسابات میں بڑے گڑبڑ بلکہ غبن کے مرتکب ہو رہے تھے۔ جب ملزم نے آپ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو آپ اس کے دشمن ہو گئے۔ آپ نہیں..... بلکہ ملزم گارمنٹس کے بزنس میں آپ سے الگ ہو گیا اور اس نے آئل اینڈ گھی مل میں ملازمت کر لی جبکہ آپ کچھ عرصے تک گارمنٹس کے کاروبار کو اکیلے ہی چلاتے رہے تھے اور پھر سمیٹ سمٹا کر کنسٹرکشن کے کام میں لگ گئے۔''

''ملزم کو تو ہمیشہ سے جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ ''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب!''

''امین الدین صاحب! مایوسی گناہ ہے۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ آپ اور میں مل کر کم از کم اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ..... جھوٹے پر خدا کی لعنت!''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے زاویہ سوالات کو تبدیل کر دیا۔

''امین الدین! کیا یہ صحیح ہے کہ جب وقوعہ کے روز ملزم گھر پہنچا تو آپ پہلے سے اس کے گھر میں موجود تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا۔ آپ کی وجہ سے میاں بیوی میں اچھا خاصا جھگڑا بھی ہوا جس کے نتیجے میں ملزم گھر سے نکل گیا اور آپ وہیں بیٹھے رہے؟''

''یہ بالکل غلط ہے جناب۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں لگ بھگ دس بجے رات لبنیٰ کے گھر پہنچا تھا اور وہ بھی ایک ضروری کام سے ورنہ میں نے ملزم کی وجہ سے ان کے گھر آنا جانا ترک کر دیا تھا۔ بہرحال.....'' وہ سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''جب رات دس بجے کے قریب میں ملزم کے فلیٹ پر پہنچا تو اسی وقت یہ اپنے فلیٹ سے نکلا تھا اور وہ بھی بڑی افراتفری کے عالم میں۔ میرے دماغ میں کھٹکا ہوا کہ کوئی سنگین گڑبڑ ہو گئی ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ملزم کی مجھ پر نظر نہیں پڑی تھی۔ میں جلدی سے فلیٹ کے اندر داخل ہوا تاکہ صورت حال کا جائزہ لے سکوں۔ میں نے بیل بجانے یا دستک دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میری چھٹی حس چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ فلیٹ کے اندر خیریت نہیں ہے..... اور واقعی خیریت نہیں

تھی۔ اس ظالم انسان نے .....'' اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے میرے موکل کی جانب اشارہ کیا اور نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''اس شیطان نے میری اکلوتی بہن کو موت کے منہ میں دھکیل دیا.....!''

میں گواہ کے جذباتی مکالمات سے ذرا متاثر نہ ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ ''امین الدین صاحب! استغاثہ کے مطابق، آپ اس واقعے کے عینی شاہد ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ملزم نے اپنی بیوی کو گیلری میں سے دھکا دے کر نیچے گرایا تھا لیکن ابھی آپ جو کچھ بتا رہے ہیں اس سے تو آپ کو عینی شاہد کے مرتبے پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیسا تضاد ہے؟''

''میں نے ابھی جو کچھ بتایا ہے وہی بیان پولیس کو بھی دیا تھا۔'' وہ سٹپٹائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''جب ایک گھر میں دو افراد موجود ہوں۔ ان میں سے ایک افراتفری کے عالم میں گھر سے باہر نکلے اور دوسرے کے بارے میں پتا چلے کہ وہ گیلری میں سے نیچے گر کر ہلاک ہو چکا ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہوتا ہے کہ فرار ہونے والے شخص نے دوسرے کو دھکا دے کر نیچے گرایا ہوگا.....''

''اگر آپ کے اس قسم کے اوٹ پٹانگ بیان پر پولیس نے آپ کو عینی شاہد کا ٹائٹل دیا ہے تو میں استغاثہ کی ''عقل'' پر صرف ماتم ہی کر سکتا ہوں۔'' میں نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ آپ کی سوچ بیمار اور خیالات خاصے نامعقول سے ہیں.....''

''جی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ گھور کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''امین الدین! جب ایک شخص افراتفری کے عالم میں فلیٹ سے نکل کر نیچے کی جانب بھاگتا ہے، بقول آپ کے.....اور پھر پتا چلتا ہے کہ دوسرا شخص اسی فلیٹ کی گیلری میں سے گر کر موت کے منہ میں جا چکا ہے، بقول آپ کے.....تو اس کا سب سے زیادہ معقول مطلب یہ نکلتا ہے کہ فریق ثانی کسی حادثے کے باعث فلیٹ کی گیلری سے نیچے گر گیا ہے یا یہ کہ فریق ثانی نے اپنی جان لینے کے لیے از خود گیلری سے چھلانگ لگائی ہے، میرے مطابق .....اور فریق اول افراتفری کے عالم میں بھاگ کر نیچے گیا ہے تاکہ فریق ثانی کی خبر گیری کر سکے کہ وہ چوتھے فلور سے پختہ سڑک پر پہنچنے کے بعد زندہ بھی بچا ہے یا نہیں!''

''اگر.....آپ کی تھیوری کو درست مان لیا جائے تو پھر ملزم کو سڑک پر موجود ہونا چاہیے تھا۔'' وہ ہمت پکڑ کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''جبکہ وہ چپکے سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر مجرموں کی طرح

جائے وقوعہ سے فرار ہو گیا تھا.....''

میں نے چبھتی ہوئی نظر سے استغاثہ کے گواہ امین الدین کو دیکھا اور تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''امین الدین! لگتا ہے، آپ ابھی تک غیر مہذب دنیا کے کسی تاریک گوشے میں رہائش پذیر ہیں اور تازہ ترین عدالتی تحقیق کی روشنی تو کیا، ایک کرن بھی آپ کی رہائش گاہ تک نہیں پہنچی.....؟''

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں!'' وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یوں گھما پھرا کر کیوں بات کر رہے ہیں؟''

''جب انسان کا دماغ..... بلکہ نیت گھومی ہوئی ہو تو اسے سیدھی بات بھی الٹی ہی محسوس ہوتی ہے۔'' میں نے اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو جناب کی خدمت میں صرف اتنا عرض کر رہا تھا کہ اب تک کی عدالتی کارروائی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ میرا مؤکل وقوعہ کی رات ٹھیک نو بجے اپنے گھر سے روانہ ہو گیا تھا۔ ساڑھے نو بجے سے رات بارہ بجے تک کا وقت اس نے بروس لی کی فلم ''انٹر دی ڈریگن'' دیکھتے ہوئے بندر روڈ کے ایک سینما میں گزارا تھا۔ وہ دس اور گیارہ بجے کے درمیان اپنی بیوی کو فلیٹ کی گیلری میں سے دھکا دے ہی نہیں سکتا۔ بیوی کی غیر طبعی موت میں سراسر اس کا نقصان تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر لیڈی کا قاتل نہیں ہے.....''

''جب آپ اپنی وکالت کے زور پر اپنے مؤکل کو بے گناہ ثابت کر چکے ہیں تو پھر یہ کارروائی کس سلسلے میں ہے؟'' اس کے استفسار میں طنز کی کاٹ تھی۔

میں نے بھی اسی ٹون میں جواب دیا۔ ''امین الدین! میں نے اپنی وکالت کے زور پر نہیں بلکہ ٹھوس ثبوت اور شواہد فراہم کر کے اپنے مؤکل کو عدالت کی نظر میں بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو سمجھ لیں کہ یہ عدالتی کارروائی اصل مجرم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جاری ہے۔''

''اصل مجرم..... آپ کس کو اصل مجرم سمجھتے ہیں؟''

''آپ اس چکر میں کیوں پڑتے ہیں امین الدین!'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ ملزم کے فلیٹ کی گیلری میں نصب آہنی ریلنگ اور گرل آپ نے نکلوا کر کہیں مرمت کے لیے دے دی تھی؟''

میں نے پچھلے آدھے گھنٹے میں امین الدین کو شکار کرنے کے لیے اس کے اردگرد سوال و جواب کا جو نادیدہ جال پھیلایا تھا..... اسے دھیرے دھیرے سمیٹنے کا وقت آ گیا تھا اور میں یہی کر رہا

تھا۔ گواہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں..... یہ سچ ہے!''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''کیوں کا کیا سوال؟'' وہ بپھرے ہوئے انداز میں بولا۔ ''ریکنگ کو مرمت کی ضرورت تھی اس لیے.....!''

''آپ کنسٹرکشن کے بزنس میں گھسے ہوئے ہیں اور بڑے فخر سے خود کو ''بلڈر'' بھی کہلواتے ہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''آپ کے ایک اشارے پر دس ویلڈنگ پلانٹ اور سیکڑوں کام کرنے والے ملزم کے فلیٹ پر پہنچ جاتے۔ وہ گرل اینڈ ریکنگ کی مرمت اور تنصیب نو کو یوں چٹکیوں میں نمٹا ڈالتے پھر آپ نے دوسرا راستہ کیوں اختیار کیا؟''

''میری مرضی.....!'' وہ برہمی سے بولا۔ ''آپ کو کیا تکلیف؟''

''کہیں اس لیے تو نہیں کہ.....'' میں نے اس کی برہمی کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کہ .....لبنیٰ کو نیچے گرنے یا نیچے گرانے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو.....؟''

''آپ کا جو جی چاہے سمجھتے رہیں۔'' اس کی برہمی میں غصہ بھی شامل ہو گیا۔

میں نے اپنے انداز میں ایک ہنگامی تبدیلی کی اور ہمدردی بھرے نرم لہجے میں کہا۔ ''امین الدین! کیا یہ درست ہے کہ پچھلے ایک دو سال سے ملزم غیر نصابی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ لبنیٰ کو اس کی بے وفائی کا علم تھا اور وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی تھی؟''

امین الدین نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ میرا ہمدردانہ انداز اسے ہضم نہیں ہو سکا تھا تاہم کوئی منفرد ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے اس نے معتدل لہجے میں جواب دیا۔

''ہاں، یہ درست ہے۔''

''میرے سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ ملزم نے چند آبرو باختہ عورتوں سے بھی تعلقات استوار کر رکھے تھے؟'' میں نے کبوتر پکڑنے کے لیے محتاط انداز میں ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

''ہاں!'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''مجھے لبنیٰ کے دکھ کا بڑی شدت سے احساس تھا لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس ظالم انسان نے اپنے گھر میں میری آمد و رفت پر بھی پابندی لگا دی تھی.....''

''آپ بہت کچھ کر سکتے تھے امین الدین..... بہت کچھ!'' میں نے افسوس بھرے لہجے میں

کہا۔ ''لیکن آپ نے کچھ بھی نہیں کیا اور..... میاں بیوی کو لڑنے جھگڑنے کے لیے چھوڑ دیا.....''

''ان کے بیچ لڑائی جھگڑا اس وقت عروج پر پہنچ گیا تھا جب لبنیٰ کو یہ پتا چلا کہ ملزم کسی مال دار بیوہ سے شادی کرنے والا ہے۔''

وہ پوری طرح ٹریپ ہو چکا تھا۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ میں دم قدم چلاتے ہوئے اسے کون سے عمیق گڑھے کے کنارے لے آیا ہوں۔

''غالباً اس مال دار بیوہ کا نام سمیرا تھا!'' میں نے چٹکی لی۔

''غالباً نہیں یقیناً!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس عورت کے بارے میں اچھی خاصی معلومات بھی حاصل کر لی تھیں۔''

''کچھ فائدہ نہیں امین الدین صاحب!'' میں نے مایوسی بھرے انداز میں گردن ہلائی۔

''آپ نے معلومات جمع کرنے میں وقت برباد کر دیا اور اپنے فرض سے غافل رہے.....''

''میں اپنے فرض سے غافل رہا..... کیا مطلب؟'' وہ حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''امین الدین!'' میں اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔ ''آپ ان دونوں سے بڑے تھے، عمر میں بھی اور تجربے میں بھی۔ آپ کا فرض بنتا تھا کہ بیٹھ کر انہیں سمجھاتے..... آپ اگر انہیں طریقے سلیقے سے سمجھاتے تو یقیناً یہ لوگ لڑائی جھگڑے سے باز آ جاتے.....''

''میں نے انہیں سمجھایا، بہت سمجھایا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن یہ دونوں اپنی اپنی جگہ اڑیل ٹٹو کے مانند ڈٹے رہے۔ کوئی اپنی ضد چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ میری ساری محنت بے کار گئی۔''

''امین الدین!'' میں نے نادیدہ جال کو ایک خطرناک پھندے کی صورت استغاثہ کے گواہ کی گردن کے گرد کستے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ڈھنگ سے محنت کی ہی نہیں ورنہ یہ معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا۔ وقوعہ کے روز بھی ان دونوں میں شدید نوعیت کا پھڈا ہوا تھا اور آپ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ اگر آپ ان دونوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیتے تو ملزم روٹھ کر پکچر دیکھنے نہ چلا جاتا اور.....''

''آپ یقین جانیں.....'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''میں نے انہیں اس رات بھی بہت سمجھایا تھا لیکن.....!'' وہ بولتے بولتے یک دم رک گیا اور پریشان نظر سے وکیل استغاثہ کو تکنے لگا۔

''دیٹس آل یور آنر.....!'' میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔''دی ڈرٹی گیم از اوور.....!''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا۔

وہ کیس امین الدین کے اس بیان پر استوار تھا کہ وقوعہ کے روز جب دس بجے وہ کسی ضروری کام سے لبنیٰ سے ملنے آیا تو اس نے حسن نظامی کو افراتفری کے عالم میں وہاں سے فرار ہوتے دیکھا تھا۔ اسی بیان کی بدولت استغاثہ نے امین الدین کو آئی وٹنس کا مرتبہ عطا کر دیا تھا لیکن جب میرے پھیلائے ہوئے جال کا گھیرا تنگ ہوا تو اس نے بے خیالی میں اگل دیا کہ جب ملزم اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا تو وہ ان کے گھر میں موجود تھا اور اس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی..... بہ قول اس کے۔ یعنی وہ اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کر رہا تھا کہ وقوعہ کی رات، سات اور نو بجے کے درمیان وہ حسن کمال کے فلیٹ میں موجود تھا۔

عدالت کے لیے بس اتنا سا اشارہ ہی کافی تھا۔ احکام عدالت پر گواہ کی دروغ گوئی کو دیکھتے ہوئے جب پولیس نے اسے شامل تفتیش کیا تو اس نے بڑی شرافت کے ساتھ اگلے پچھلے سارے ''اقرار'' بھی کر لیے جن میں ''اقرار اعظم'' یہ ٹھہرا کہ امین الدین نے حسن نظامی کی دشمنی اور دولت کے لالچ میں اپنی سگی بہن لبنیٰ کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

اس کم بخت کو کسی طرح یہ بھنک مل گئی تھی کہ ان میاں بیوی میں کوئی ایسا تحریری معاہدہ ہوا ہے جس کے مطابق لبنیٰ کی غیر طبعی موت واقع ہونے کی صورت میں اس کا ترکہ حسن نظامی کو نہیں مل سکے گا لیکن وہ بد بخت یہ نہیں جانتا تھا کہ معاہدے کی ایک شق یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں حسن نظامی تو جائیداد سے محروم رہے گا ہی، اس کے ساتھ ہی مذکورہ پراپرٹی ایک فلاحی ادارے کی ملکیت ہو جائے گی۔ امین الدین نے وہ ایگری منٹ دیکھنے کے لیے لبنیٰ پر بہت زور ڈالا تھا لیکن لبنیٰ نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ امین الدین نے اندھیرے میں رہتے ہوئے اپنی سگی بہن کو دولت و جائیداد کے لیے قتل کروا لا اور بالآخر خود بھی اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ گیا۔

اس کیس کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ امین الدین نے لبنیٰ کو گیلری سے نیچے کیسے گرایا

تھا کیونکہ عرفان کے بیان کے مطابق جب اس کی والدہ لبنیٰ گیلری سے نیچے گر رہی تھی تو اسے گیلری میں کوئی بھی ذی روح نظر نہیں آیا تھا جبھی وہ اس بات پر ڈٹا ہوا تھا کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ اس کی والدہ کو حسن نظامی نے دھکا نہیں دیا۔

پولیس کسٹڈی میں اقبال جرم کرتے ہوئے امین الدین نے واردات کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا تھا کہ اس نے ایک خاص منصوبے کے تحت گیلری کی ریلنگ نما گرل ہٹوائی تھی۔ بس وہ موقعے کی تاک میں تھا اور یہ موقع اسے وقوعہ کی رات مل گیا۔ وہ جب بھی بہن سے ملنے اس کے فلیٹ پر آتا تو اس کی جیب میں سیاہ ربر کا ایک موٹا تازہ چوہا موجود ہوتا تھا۔ ایسا وہ اس وقت سے کر رہا تھا جب سے اس کے ذہن نے منصوبہ بندی کی تھی۔ وقوعہ کی رات جب ملزم کو گھر سے روانہ ہوئے کوئی گھنٹا بھر گزر گیا تو امین الدین نے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت وہ لبنیٰ کے ساتھ اسی بیڈ روم میں بیٹھا ہوا تھا جس کی گیلری کی ریلنگ اور گرل وغیرہ نکالی جا چکی تھی۔ اس نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے لبنیٰ سے کہا۔

''میں نے حسن کی آواز سنی ہے۔ شاید وہ تمہیں پکار رہا ہے۔''

''لیکن میں نے تو کوئی آواز نہیں سنی!'' لبنیٰ حیرت سے اپنے بھائی جان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''آواز ادھر سے آئی ہے.....!'' امین الدین نے بیڈ روم کے اس دروازے کی طرف اشارہ کیا جس کی دوسری طرف گیلری تھی۔ ''دیکھ تو لو، وہ کہہ کیا رہا ہے.....؟''

''لیکن بھائی جان! وہ یوں نیچے سڑک پر کھڑے ہو کر مجھے کیوں آواز دے گا؟'' لبنیٰ نے متذبذب انداز میں کہا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''آپ کہتے ہیں تو میں جھانک کر دیکھ لیتی ہوں۔''

جتنی دیر میں لبنیٰ گیلری میں پہنچ کر نیچے جھانک کر دیکھتی، امین الدین اپنی جیب میں سے ربر کا وہ سیاہ موٹا تازہ چوہا نکال چکا تھا۔ مذکورہ چوہا اس کے ہاتھوں میں کسی بھی ہنگامی کارروائی کے لیے بالکل تیار تھا۔

لبنیٰ نے نیچے جھانک کر دیکھا اور وہیں پر جھکے جھکے بولی۔ ''سڑک پر تو حسن کہیں نظر نہیں آ رہا۔ لگتا ہے، آپ کو مغالطہ ہوا ہے.....''

''پگلی! مجھے مغالطہ نہیں ہوا۔'' امین الدین نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ دیکھو.....''

لبنیٰ نے بے ساختہ گردن گھمائی اور اپنے بھائی جان کے ہاتھوں میں سرخ آنکھوں والے

ایک صحت مند سیاہ چوہے کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے امین الدین نے اپنے ہاتھوں کو کچھ ایسے انداز میں حرکت دی جیسے وہ نام نہاد چوہا اس کی طرف اچھال رہا ہو۔

اس صورت حال نے لبنیٰ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود کر دی۔ وہ خود کو بچانے کی کوشش میں ایک فطری ردعمل کے تحت اچھلی۔ یہ اچھلنا اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا کیونکہ اس ایک غیر ارادی حرکت نے اسے چوتھے فلور کی گیلری میں سے نیچے پختہ سڑک پر لا پھینکا تھا.....!

عرفان اور اس کے ''سر'' کا خیال ہے کہ حسن کمال کو میری وکالت نے بچا لیا تھا مگر میں کہتا ہوں کہ یہ نظامی کی سچی توبہ کا ثمر تھا۔ آپ کیا فرماتے ہیں بیچ اس مسئلے کے.....؟

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

سینہ زوری

وہ ماہ اگست کے اختتامی ایام تھے۔ موسم برسات..... شدید گرمی اور حبس کا تھا، بار بار لائٹ جا رہی تھی۔ کراچی میں جولائی اور اگست کے مہینے کچھ اسی طور گزرا کرتے ہیں۔ کراچی کے باسی ان تکالیف کے عادی ہو چکے ہیں۔

ایسی ہی ایک شام میں اپنے دفتر میں بیٹھا کاروبار حیات کو چلا رہا تھا۔ انسان کا پیشہ کوئی بھی ہو، وہ کسی بھی ذریعے سے روزگار کماتا ہو..... یہ سب کوشش وہ زندہ رہنے کے لیے کرتا ہے۔ ''جان ہے تو جہان ہے'' کے مصداق، وہ خود کو زندہ سلامت رکھنے کے لیے پیسا کماتا ہے کیونکہ انسان کا کوئی بھی کام پیسے کے بغیر ہوتا نہیں، سو میں بھی اس وقت اپنی روزی روٹی سے لگا ہوا تھا..... حالانکہ برسات نے اس میں اچھا خاصا خلل ڈال دیا تھا۔

انٹر کام کا بزر بجا تو میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ اس لائن پر عموماً میری سیکرٹری فہمیدہ ہی مجھ سے بات کیا کرتی تھی۔ اگلے ہی لمحے فہمیدہ کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''بیگ صاحب! کوئی مشتاق صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں!''

''مشتاق صاحب کون؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک کلائنٹ ہیں۔'' سیکرٹری نے بتایا۔ ''اپنے کسی کام کے سلسلے میں آئے ہیں۔''

میں پچھلے ایک گھنٹے سے اپنے چیمبر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے فارغ بیٹھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ کلائنٹس میرے آفس کا راستہ بھول گئے ہوں۔ اللہ کا شکر ہے، اس سلسلے میں کبھی مجھے سر کھجانے کی فرصت نہیں رہی، ورنہ اللہ معاف کرے اور جھوٹ نہ بلوائے کہ بعض ایسے وکیلوں کو بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں جو فائلیں بغل میں دبائے، عدالت کی راہداریوں اور احاطے میں جوتے چٹخائے

پھرتے ہیں۔

''ٹھیک ہے.....!'' میں نے اپنی سیکرٹری سے کہا۔''مشتاق صاحب کو میرے پاس بھیج دیں۔''

تھوڑی ہی دیر کے بعد مشتاق نامی وہ شخص میرے سامنے موجود تھا۔اس پر نگاہ پڑتے ہی میں چونک اٹھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا اور بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔

''سر.....آپ.....؟''

''اکثر لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔''وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بڑے رسان سے بولا۔''لیکن میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ان کا تو کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا.....''

مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ میں نے مشتاق کو دیکھ کر جس شخصیت کا تصور کیا تھا، چند سال پہلے وہ اس دارفانی سے کوچ کر گیا تھا۔ میرا اشارہ پاکستان کے ایک سابق فوجی صدر کی طرف ہے۔مشتاق ہو بہو وہی دکھائی دیتا تھا، بس قدر میں وہ مذکورہ صدر سے دو تین انچ کم تھا لیکن صورت شکل میں ایسی گہری مشابہت تھی کہ میری نظر دھوکا کھا گئی تھی۔

بہرحال، حقیقت حال واضح ہونے کے بعد میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود بھی اپنی سیٹ سنبھال لی۔مشتاق کو دیکھتے ہی میں بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔''مشتاق صاحب! اتنی زیادہ مشابہت .....خدا کی قدرت ہے.....!''

''ہاں جناب! یہ خدا کی قدرت ہی ہے کہ وہ.....''وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''کہ وہ دو انسانوں کو ایک جیسی شکلیں دے کر پیدا کرتا ہے لیکن نصیب اتنے مختلف بناتا ہے کہ ایک تو آرمی چیف کے عہدے پر فائز رہنے کے بعد ملک کا سربراہ بھی بن جاتا ہے اور دوسرا.....''اس نے لمحاتی توقف کیا پھر دل شکستہ انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اور دوسرا اللہ کی قدرت سے ٹیلر ماسٹر بن جاتا ہے.....!''

''مشتاق صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔''کیا آپ کوئی ٹیلرنگ شاپ چلاتے ہیں؟''

''جی ہاں، اپنے مقدر میں یہی لکھا ہے۔''اس نے جواب دیا۔''ادھر گارڈن ویسٹ میں میری ٹیلرنگ شاپ ہے۔''

''انسان کو اپنے مقدر پر صابر و شاکر رہنا چاہیے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''وہ جس کو جو بنا دے، وہی اس کا نصیب ہے.....''

''ہاں.....'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''شاید، اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں!''

میں نے کاغذ قلم سنبھالا اور فوراً مطلب کی بات پر آ گیا۔ ''جی مشتاق صاحب! فرمائیں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں ایک معاملے میں آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''کس معاملے میں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''بیگ صاحب!'' وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ ''میرے ایک کاریگر کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ میں آپ کی خدمات حاصل کر کے امین کو اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔''

''امین غالباً آپ کے اس کاریگر کا نام ہے، پولیس نے جس کو گرفتار کر لیا ہے؟''

''جی ہاں، آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میری شاپ میں دو کاریگر کام کرتے ہیں۔ امین اور حسنین۔ میں صرف بکنگ اور کٹنگ کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے رف پیڈ پر قلم چلاتے ہوئے کہا۔ پھر پوچھا۔ ''مشتاق صاحب! آپ کے کاریگر امین کو پولیس نے کس چکر میں گرفتار کیا ہے میرا مطلب کیا الزام عائد کیا ہے؟''

''پولیس نے امین کو حدود آرڈی نینس کے تحت گرفتار کیا ہے.....!''

''کیا.....!'' میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور مشتاق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اضطراری انداز میں کہا۔ ''تفصیلات کیا ہیں؟''

مشتاق نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بتانے لگا۔ ''امین کی رہائش گارڈن ویسٹ ہی کی ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ کی ''خدیجہ پرائڈ'' میں ہے۔ اس کے ماں باپ کا ایک حادثے میں چند سال پہلے انتقال ہو چکا ہے اور اس وقت وہ اپنی دادی زبین کے ساتھ ایک کمرے کے ڈیڑھ فلیٹ میں رہائش پذیر ہے۔ زبین ایک کمر خمیدہ، عمر رسیدہ عورت ہے جو لگ بھگ اپنی زندگی کی اسی بہاریں دیکھ چکی ہے۔ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری سہارا اس کا یہی پوتا امین ہی ہے۔ امین کا بھی زبین کے سوا اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ ڈیڑھ فلیٹ ان کی ذاتی ملکیت ہے۔ امین اتنا کما لیتا ہے کہ ان دادی پوتے کا بہ آسانی گزارہ ہو رہا تھا۔ میں نے.....''

''ایک منٹ مشتاق صاحب!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا اور کہا۔

''آپ مجھے حدود آرڈی نینس کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے.....؟''

''جی، میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''لیکن یہ تفصیل بھی ضروری تھی۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں ایک مرتبہ پھر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

وہ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''امین ''خدیجہ پرائڈ'' کے فلیٹ نمبر چار سو دو میں اپنی دادی کے ساتھ رہتا ہے جبکہ وہ عورت فلیٹ نمبر چار سو ایک میں رہائش پذیر ہے جس نے امین پر یہ گھناؤنا الزام لگایا ہے۔ وہ امین کی پڑوسن ہے۔ اس عورت کا نام نوری ہے.....''

''کیا نوری نامی یہ عورت شادی شدہ ہے؟'' میں نے اپنی معلومات کی غرض سے سوال کیا۔

''جی ہاں.....ابھی چند ماہ پہلے ہی اس نے ایک بڈھے سے شادی کی ہے۔'' مشتاق نے جواب دیا۔ ''مجھے اس عورت کا چال چلن ٹھیک نہیں لگتا جناب!''

''اور امین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''آپ اس کے کردار کے بارے میں پوچھ رہے ہیں نا.....؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بتانے لگا۔

''اگر مجھے امین کے چال چلن پر ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو میں اس کی حمایت میں ایک قدم بھی نہ اٹھاتا۔'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔ ''میں اگر چل کر آپ کے پاس آیا ہوں تو اس کا کوئی سبب ہو گا نا.....؟''

''آپ کی اس مخلصانہ اور ہمدردانہ آمد کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ.....'' میں نے کہا۔ ''آپ کو اپنے کاریگر کے کردار اور چال چلن پر اندھا اعتماد ہے۔''

''بالکل یہی بات ہے جناب۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''امین میرے پاس لگ بھگ دس سال سے کام کر رہا ہے۔ کسی بھی شخص کو پرکھنے اور آزمانے کے لیے یہ ایک طویل عرصہ ہوتا ہے۔ میں امین کی زندگی کے ایک ایک گوشے سے واقف ہوں۔ وہ اس قسم کی گری ہوئی حرکت کر ہی نہیں سکتا۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ اپنے کاریگر امین کو بے گناہ سمجھتے ہیں۔''

''مجھے پکا یقین ہے کہ وہ ایسا قبیح قدم نہیں اٹھا سکتا۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''اس مکار نوری

نے کسی گہری سازش کے تحت امین کو پھانسنے کی کوشش کی ہے۔"

"اگر ضرورت پڑی تو....." میں نے مشتاق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ عدالت میں کھڑے ہو کر امین کے نیک چال چلن کی گواہی دیں گے؟"

"اگر ایسا کوئی موقع آیا تو میں آپ کو سب سے آگے کھڑا نظر آؤں گا۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "بیگ صاحب! اگر مجھے امین کی بے گناہی کا یقین نہ ہوتا تو میں اس وقت آپ کے پاس نہ بیٹھا ہوتا۔ میں ان حالات میں امین کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی ضعیف العمر دادی تو بہ مشکل فلیٹ کے اندر چلنے پھرنے کے قابل ہے۔ وہ پوتے کے کیس کے سلسلے میں گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتی۔ امین کا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ نے اگر مجھے امین کا وسیلہ بنایا ہے تو میں ہر سطح پر اس کی مدد کروں گا حتیٰ کہ میں آپ کی فیس بھی اپنی جیب سے ادا کروں گا۔ اس کے علاوہ بھی جو عدالتی اخراجات ہوں گے، میں وہ بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔"

"میں آپ کے ان گرانقدر جذبات اور خلوص نیت کا دل سے احترام کرتا ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس نیکی اور قربانی کا اجر آپ کو اللہ ہی دے گا۔"

"جناب! میں تو جو کچھ بھی کر رہا ہوں، اپنا فرض سمجھ کر کر رہا ہوں۔"

"یہ آپ کا بڑا پن ہے۔" میں نے کہا۔

اس نے پوچھا۔ "تو میں مطمئن رہوں کہ آپ نے امین کا کیس لے لیا ہے؟"

"کیس تو میں نے لے لیا ہے۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "لیکن اگر مجھے کسی بھی موقعے پر یہ احساس ہوا کہ آپ نے یا امین نے مجھے مس گائیڈ کیا ہے یا کسی نوعیت کی غلط بیانی سے کام لیا ہے تو میں اسی لمحے کیس چھوڑ دوں گا۔"

"یہ آپ کا حق ہے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ "مجھے یقین ہے انشاء اللہ..... ایسا موقع کبھی نہیں آئے گا۔"

"یہ ہم دونوں کے لیے اچھا ہوگا۔" میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔ "اور امین کے لیے بھی....."

"جی..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں بولا۔

میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔ "مشتاق صاحب! آپ کے کاریگر امین کو جس جرم کے تحت گرفتار کیا گیا ہے اس کے بارے میں اللہ اور رسول کا حکم بڑا واضح اور اٹل ہے۔ کیا آپ

احکامِ خداوندی سے پوری طرح آگاہ ہیں.....؟''

''نہیں جناب.....!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ''مجھے اس بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ پلیز..... آپ میری راہنمائی کریں۔''

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانا شروع کیا۔ ''اس فعل کے سلسلے میں احکام خداوندی ہیں کہ..... ''بدکار (زانیہ) عورت اور بدکار (زانی) مرد میں سے ہر ایک کو سو دُرّے (کوڑے) مارو اور تمہیں اللہ کے معاملے میں ان پر رحم نہیں آنا چاہیے۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ (جماعت) کو حاضر رہنا چاہیے۔ بدکار (زانی) مرد سوائے بدکار (زانیہ) عورت یا مشرکہ کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار (زانیہ) عورت سے بھی کوئی نکاح نہیں کرے گا سوائے بدکار (زانی) مرد یا مشرک کے اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسی ۸۰ دُرّے (کوڑے) مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں.....''

میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی۔ مشتاق بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھ رہا تھا، میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ..... ''اگر ایک کنواری عورت ایک کنوارے مرد سے زنا کرے تو ان دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر ایک شادی شدہ عورت ایک شادی شدہ مرد سے زنا کرے تو ان دونوں کو سنگسار کیا جائے۔''

میری بات ختم ہوئی تو مشتاق نے ایک جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ احکام تو بڑے واضح اور دوٹوک ہیں۔ کیا ہماری عدالتوں میں ایسے قوانین موجود ہیں جو ان احکام خداوندی پر عمل درآمد بھی کراتے ہوں؟''

''جہاں تک احکام خداوندی اور فرامین رسول کا تعلق ہے تو وہ اٹل ہیں جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ ان میں ایک نقطے کی اونچ نیچ یا معمولی سا بھی ترمیم و اضافہ ممکن نہیں اور جہاں تک آپ کے دوسرے سوال کا تعلق ہے تو.....'' میں نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک افسردہ سانس خارج کی پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''قانون کی کتابوں میں، حدود آرڈی نینس کے باب میں یہ تمام احکامات مختلف دفعات کی

تشریح کے ذیل میں موجود ہیں اور وہاں باقاعدہ قرآنی آیات کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث مبارک کا باقاعدہ ریفرنس کے ساتھ تذکرہ بھی دیکھنے اور پڑھنے کو ملتا ہے اور جہاں تک کوڑوں اور سنگسار وغیرہ کی سزا پر عمل درآمد کا سوال ہے تو یہ کام خاصا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے جو کڑی شرائط رکھی ہیں، اکثر اوقات انہیں پورا کرنا دشوار ہوتا ہے۔''

''وہ کون سی شرائط ہیں بیگ صاحب؟'' مشتاق نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بتایا۔ ''استغاثہ کو جرم ثابت کرنے کے لیے عدالت میں چار عینی شاہدین پیش کرنا پڑتے ہیں۔''

''عینی شاہدین.....!'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور کہا۔ ''یعنی چار ایسے افراد جنہوں نے وہ جرم ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو؟''

''جی ہاں.....!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''آئی وٹنس یا عینی شاہد کا یہی مطلب ہے کہ ایسا گواہ جس نے باہوش وحواس اپنی آنکھوں سے وہ جرم ہوتے دیکھا ہو!''

''پھر تو بڑی مشکل ہے۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ ''ایسے چار گواہ اکٹھا کرنا تو ناممکن ہی نظر آتا ہے۔''

''صرف چار عینی شاہدین ہی کی شرط نہیں ہے۔'' میں نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''ان گواہوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہوں، متقی اور پرہیزگار ہوں، باکردار ہوں اور صادق القول ہوں۔''

''اوہ.....!'' وہ ایک بوجھل اور مایوسی بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

میں نے تسلی بھرے اور امید افزا لہجے میں کہا۔ ''مشتاق صاحب! اگر انسان ایمان داری، خلوص نیت اور پوری دیانت سے کام لے تو احکام خداوندی اور فرامین رسول کی پیروی بہت سہل ہو جاتی ہے لیکن بڑے دکھ اور شرم کی بات یہ ہے کہ ہم میں سے اکثریت کے دل و دماغ سے ایمان، دیانت اور اخلاص اٹھ گیا ہے اور..... یہی ہماری پستی اور بدحالی کا سبب ہے۔''

چند لمحات کی خاموشی کے بعد میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''مشتاق صاحب! آپ امین، نوری اور اس معاملے کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہیں، پوری تفصیل سے مجھے بتا دیں تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل بنانے کے لیے میں ذہنی طور پر فریش اور اپ ڈیٹ ہو جاؤں۔''

''ٹھیک ہے جناب!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''مجھے جو کچھ معلوم ہے، وہ میں آپ کو بھی بتا دیتا ہوں۔''

آئندہ بیس پچیس منٹ میں مشتاق نے مجھے بہت سی کارآمد باتوں سے آگاہ کیا۔ اپنی بات کے اختتام پر اس نے کہا۔ ''میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔ میری درخواست ہے کہ آپ امین سے بھی ایک بھرپور ملاقات کرلیں۔ وہ آپ کو مزید اہم باتیں بتا سکتا ہے۔''

''وہ اس وقت کون سے تھانے کی حوالات میں بند ہے؟'' میں نے پوچھا۔

مشتاق نے مجھے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ تھانے جا کر امین سے ملاقات کر چکے ہیں؟''

''جی ہاں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں اس سے ملنے دو مرتبہ وہاں جا چکا ہوں۔''

میں نے ایک اہم سوال کیا۔ ''پولیس اس کیس کا چالان کب پیش کر رہی ہے؟''

''پولیس نے امین کو عدالت میں پیش کر کے دس دن کا ریمانڈ لیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''جس میں سے تین دن گزر چکے ہیں، سات روز باقی ہیں۔''

''پھر تو اچھا خاصا وقت ہے ہمارے پاس۔'' میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ ''میں ایک آدھ روز میں تھانے جا کر امین سے مل لوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ بیگ صاحب!'' وہ تشکرانہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اب آپ پہلی فرصت میں اپنی فیس وصول کرلیں تاکہ مجھے بھی اطمینان رہے کہ آپ نے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے کر باقاعدہ کام شروع کر دیا ہے۔''

میں نے اپنی فیس وصول کی، اس وصولی کی رسید اس کے حوالے کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مشتاق صاحب! ایک تو آپ مجھے اپنا فون نمبر دے دیں۔ میں ضرورت پڑنے پر آپ سے رابطہ کرلوں گا۔ آپ کو تین دن بعد فرصت ملے تو میرے دفتر کا ایک چکر لگا لیجیے گا۔ میں چاہتا ہوں، عدالت میں جانے سے پہلے ہم ایک بھرپور ملاقات کرلیں۔''

''ضرور.....!'' اس نے تعاون آمیز انداز میں گردن ہلائی پھر اپنی جیب میں سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اس پر میری شاپ اور رہائش دونوں کے نمبر درج

ہیں۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وزیٹنگ کارڈ رکھ لیا پھر کہا۔''مشتاق صاحب! اس کیس میں آپ کو پوری طرح مجھ سے تعاون کرنا ہوگا۔''

''آپ جو بھی حکم دیں، میں تیار ہوں۔''

''حکم کا وقت آئے گا تو وہ بھی ضرور کروں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔''فی الحال اتنا سمجھ لیں کہ عدالت کے اندر میں فائٹ کروں گا اور عدالت کے باہر آپ کو بھاگ دوڑ کرنا ہوگی۔''

''کیسی بھاگ دوڑ؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''مجھے امین کو بے گناہ اور بے قصور ثابت کرنے کے لیے گاہے بہ گاہے مختلف نوعیت کی معلومات اور شواہد درکار ہوں گے۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔''میں اس سلسلے میں آپ کو گائیڈ کرتا رہوں گا۔ آپ دوڑ دھوپ سے میری مطلوبہ معلومات فراہم کریں گے۔''

''ڈن!'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔''جس حد تک بھی ممکن ہوا اور جو کچھ میرے اختیار میں ہوا، میں امین کی باعزت رہائی کے لیے ضرور کروں گا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔''میں پہلے تھانے جا کر امین سے ایک تفصیلی ملاقات کرلوں، پھر آپ کو زحمت دوں گا۔''

''میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔'' وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔

''مشتاق صاحب! یہ انتظار طول نہیں پکڑنا چاہیے۔'' میں نے تاکیدی انداز میں کہا۔''یہ نہ ہو کہ آپ میرے فون کے انتظار ہی میں بیٹھے رہ جائیں۔ آپ کو ہر دو، تین دن کے بعد مجھ سے ملاقات کرنا ہے یا کم از کم فون پر رابطہ کرنا ہے۔''

''جی میں سمجھ گیا.....'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔''بڑی اچھی طرح سمجھ گیا۔''

اگر کوئی شخص اچھی طرح سمجھ گیا ہو تو پھر کسی بھی حوالے سے اس پر مزید دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے لہٰذا میں نے اس سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ میرے انداز سے سمجھ گیا کہ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا۔

''ٹھیک ہے بیگ صاحب!'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔''اب مجھے اجازت دیں۔'' میں نے گرم جوش مصافحے کے بعد اسے رخصت کر دیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ روز عدالت میں بہت زیادہ مصروفیت رہی لہٰذا میں امین سے ملاقات کے لیے وقت نہ نکال سکا۔ اس سے اگلے روز مجھے یہ موقع مل گیا اور لنچ کے بعد میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔ وہ دوپہر کا وقت تھا اور تھانہ انچارج موجود نہیں تھا۔ میں نے ڈیوٹی آفیسر سے، حوالاتی سے ملنے کی اجازت چاہی تو اس نے چھوٹتے ہی پوچھ لیا۔

''جناب آپ کون ہیں اور کس حوالاتی سے ملاقات کرنے آئے ہیں؟''

میں اپنا کوٹ وغیرہ گاڑی ہی میں چھوڑ آیا تھا اور میرے گیٹ اپ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ میں کوئی وکیل ہوں۔ میں نے اپنے پردے کو قائم رکھتے ہوئے کہا۔

''میں امین نامی ایک نوجوان حوالاتی سے ملنے آیا ہوں۔''

''اچھا وہ.....'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''جو حدود آرڈی نینس کے کیس میں ریمانڈ پر ہے۔''

''جی جی.....'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ ''میں اسی امین کی بات کر رہا ہوں۔''

''لیکن جناب.....وہ تو بڑا خطرناک مجرم ہے۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''انچارج صاحب نے سختی سے اس کی ملاقات سے منع کر رکھا ہے۔''

''آپ مجھے انچارج صاحب سے ملوا دیں۔'' میں نے ڈیوٹی آفیسر کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''میں خود ہی ان سے بات کر لیتا ہوں۔''

یہ داؤ میں نے اس لیے مارا تھا کہ مجھے معلوم تھا، تھانہ انچارج موجود نہیں۔ اگر ڈیوٹی آفیسر کو یہ پتا چل جاتا کہ میں حوالاتی کا وکیل ہوں تو وہ انچارج کی غیر موجودگی میں مجھے ہرگز ہرگز حوالات میں بند امین سے ملاقات کی اجازت نہ دیتا۔ وہ بدستور روکھے لہجے میں بولا۔

''انچارج صاحب تو کسی ضروری کام سے گئے ہوئے ہیں۔ ایسا کریں، آپ رات میں آ جائیں۔''

اس نے بڑے واضح انداز میں مجھے ٹالنے کی کوشش کی تھی لیکن میں ٹلنے کے لیے وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ''رات کو تو میں دبئی میں بیٹھا ہوں گا جناب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آفٹر نون میں میری فلائٹ ہے۔''

ڈیوٹی آفیسر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی جیسے مرغی کو دیکھ کر بلا خوش ہوتا ہے۔ ویسے ہی وہ حریصانہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جناب! آپ نے اپنا نام کیا بتایا ہے.....؟''

میں نے ابھی تک اسے اپنا نام نہیں بتایا تھا لہٰذا موقع محل کی مناسبت اور حالات کے تقاضے کے پیش نظر میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''میرا نام فیروز شیخ ہے۔ ادھر دبئی میں میرا پرفیومز کا بزنس ہے۔ امین سے میری دور کی رشتے داری ہے۔ میں دو دن کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ آج صبح ہی مجھے پتا چلا ہے کہ یہ لڑکا ایک مصیبت میں بری طرح پھنس گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس سے مل کر پوچھ لوں، اسے کسی شے کی ضرورت تو نہیں.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اداکاری کے جوہر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔

''میں عرب امارات میں پھیلے ہوئے اپنے بزنس کی وجہ سے مجبور ہوں، اس لیے یہاں زیادہ اسٹے نہیں کر سکتا ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ یہاں رک کر امین کے کیس کو اونچی سطح پر ہینڈل کرتا مگر دل کی بات بزنس کی عقل میں نہیں بیٹھتی اس لیے مجبوری ہے۔ اب یہی ہو سکتا ہے کہ میں اس کی کوئی فوری ضرورت پوری کر دوں۔ میری فلائٹ تو کینسل ہو نہیں سکتی.....!''

اس نے ٹٹولنے والی گہری نظر سے مجھے دیکھا اور سر سراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کہیں آپ وہی صاحب تو نہیں ہیں جن کا ذکر مشتاق ٹیلر نے کیا تھا.....؟''

یہ ایک نئی سچویشن سامنے آ گئی تھی۔ میری اداکاری کے لیے ایک نیا امتحان.....! مشتاق نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دو مرتبہ امین سے ملنے حوالات آ چکا تھا، اس کا مطلب یہی تھا کہ مشتاق نے یہاں کسی ''ایسے شخص'' کا ذکر کیا تھا جس کے بارے میں وہ مجھے بتانا بھول گیا تھا اور اس ''شخص'' کا حوالاتی امین کے ساتھ کوئی گہرا تعلق تھا۔ میرے ذہن نے چند سیکنڈ میں صورت حال کو سنبھال لیا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور زیر لب مسکراتے ہوئے، ڈیوٹی آفیسر کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....تو مشتاق کی آپ سے بات ہوئی تھی.....؟''

''جی.....جی ہاں۔'' وہ میکانکی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

ڈیوٹی آفیسر کے ذہن میں اس گفتگو کے حوالے سے ایک پورا کانسیپٹ موجود تھا لیکن میں اس سلسلے میں واقعتاً کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنا اور اپنی اداکاری کا بھرم قائم رکھتے ہوئے گول مول انداز میں کہا۔ ''مشتاق ٹیلر سے میری تفصیلی بات ہو گئی ہے۔ ہمارے درمیان معاملات طے پا گئے ہیں۔ بس، میں تو حوالاتی کو تسلی دینے آیا ہوں.....''

''ضرور، ضرور.....کیوں نہیں۔'' وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔ پھر ایک کانسٹیبل کو بہ آواز

بلند آواز دی۔

''خادم حسین! ذرا ادھر تو آؤ.....''

تھوڑی ہی دیر میں کانسٹیبل خادم حسین وہاں حاضر تھا۔ ڈیوٹی آفیسر نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کانسٹیبل سے کہا۔ ''شیخ صاحب کو ادھر حوالات میں لے جاؤ اور حوالاتی امین سے ان کی ملاقات کرادو۔''

''آئیں جی شیخ صاحب!'' کانسٹیبل نے معنی خیز انداز میں کہا پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے ڈیوٹی آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے تشکرانہ انداز میں گردن ہلائی اور نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے کانسٹیبل خادم حسین کے پیچھے ہولیا۔

یہ بات تو پتھر پر لکیر کی طرح مسلّم ہے کہ پولیس والے صرف اسی حوالاتی کے ناز اٹھاتے ہیں جس کے ورثا کی طرف سے انہیں مال ملنے کی امید بلکہ یقین ہوتا ہے۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہی سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ امین کی حیثیت اور مالی حالت مجھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس کے پیچھے بھی ایسا کوئی نہیں تھا جو پولیس والوں کی ''فرمائشیں'' پوری کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ مشتاق ٹیلر بھی اس لائن کا بندہ نہیں لگتا تھا لیکن ڈیوٹی آفیسر نے جس انداز میں مشتاق ٹیلر کا ذکر کیا تھا اس سے یہ ثابت ہوتا تھا، ان لوگوں کے بیچ اس نوعیت کی کوئی بات ہو چکی تھی۔ اب یہی ہو سکتا تھا کہ مشتاق وہ بات مجھے بتانا بھول گیا ہو یا پھر دانستہ اس نے یہ ذکر نہ کیا ہو۔ اس معمے کو مشتاق سے دوبارہ ملاقات پر ہی حل کیا جا سکتا تھا۔

میں کانسٹیبل خادم حسین کی راہنمائی میں حوالات تک پہنچ گیا۔

حوالات کے اندر امین موجود تھا۔ ابھی تک میں نے صرف اس کا نام ہی سنا تھا۔ اب وہ پورے کا پورا میرے سامنے موجود تھا۔ اس کی عمر ستائیس یا اٹھائیس سال رہی ہوگی۔ مشتاق کی زبانی مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ امین غیر شادی شدہ تھا۔ وہ پستہ قد اور مضبوط کاٹھی کا مالک تھا لیکن اس وقت امین کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے جو یقیناً بے خوابی کا نتیجہ تھا۔ اس کا شیو بھی بڑھا ہوا تھا اور وہ صورت سے خاصا پریشان اور ہراساں نظر آتا تھا۔ اسے ایسا نظر آنا بھی چاہیے تھا کیونکہ وہ ان لمحات میں جس قسم کے حالات سے گزر رہا تھا اس میں تو انسان کا کچومر نکل کر رہ جاتا ہے۔ میری آمد پر اس نے گردن اٹھا کر ویران نظر سے مجھے دیکھا۔ اس کی نگاہ میں شناسائی یا ناشناسائی کا تاثر نہیں تھا۔ وہ ایک سپاٹ اور ٹھہری ہوئی بے تاثر نظر تھی۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر

دلی افسوس ہوا۔

کانسٹیبل مجھے حوالاتی تک پہنچانے کے بعد خود بھی چند قدموں کے فاصلے پر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میں اس کی موجودگی میں امین سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے گردن موڑ کر خادم حسین سے کہا۔

''سنتری بادشاہ! کیا ہمیں دس پندرہ منٹ کے لیے تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں مل سکتا جناب!'' وہ کرارے لہجے میں بولا۔ ''لیکن.....؟''

اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو میں نے جلدی سے پوچھا۔ ''لیکن کیا؟''

''آپ صاحب لوگ ہیں!'' وہ بہ دستور معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''اس لیے آپ صاحب لوگوں کا ہی خیال کرتے ہیں۔ مجھ جیسے معمولی کانسٹیبل پر تو آپ کی نظر ہی نہیں ٹھہرتی ہوگی.....''

خادم حسین کے مقصد کی تہ تک پہنچنے میں مجھے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلائی، اپنی ہپ پاکٹ میں سے بٹوا برآمد کیا پھر اس میں سے پچاس روپے کا ایک کڑک نوٹ نکال کر کانسٹیبل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''خادم حسین! لو یہ رکھ لو۔ دیکھ لو، مجھے تمہارا بھی خیال ہے۔''

اس نے پچاس کے نوٹ کو چوم کر اپنی پتلون کی جیب میں ٹھونسا پھر ایک آنکھ دبا کر، میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''شیخ صاحب! دس پندرہ منٹ کیا، آپ پورے آدھے گھنٹے تک تنہائی میں، حوالاتی سے ملاقات کر سکتے ہیں۔''

وہ بات ختم کرتے ہی وہاں سے ''غائب'' ہو گیا۔

خادم حسین نے بیٹھے بٹھائے مجھے ''شیخ صاحب'' بنا دیا تھا۔ پتا نہیں، اس سے اس کا مطلب پاکستانی شیخ تھا یا عربی شیخ!

پچاس کا نوٹ آج کل بہت حقیر، بے توقیر ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن آج سے پینتیس چھتیس سال پہلے ایک کانسٹیبل کی حیثیت کے آدمی کے لیے پچاس روپے کی بڑی قدر ہوا کرتی تھی۔''

خادم حسین کے جاتے ہی میں امین کی طرف متوجہ ہو گیا اور میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''میرا نام مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہے۔ تمہارے سیٹھ مشتاق نے مجھے تمہارا وکیل مقرر کیا

ہے۔ میں تمہیں اس کیس میں سے باعزت بری کراؤں گا۔ تمہیں ذرا بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں!''

میرے تسلی بھرے الفاظ نے اس کی ذہنی کیفیت پر جادو ایسا اثر کیا۔ وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کیا واقعی آپ مجھے بچالیں گے.....؟''

''ایک سو ایک فیصد!'' میں نے اس کے اندر اعتماد کی توانائی بھرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کے لیے تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔''

''میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔'' وہ ٹرانس میں آئے ہوئے کسی معمول کی طرح بولا۔

''آپ کہیں گے تو میں حوالات میں پوری رات سر کے بل کھڑا رہوں گا۔''

''اس نوعیت کی تکلیف اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''تمہیں بس، میری باتوں کو دھیان سے سننا ہوگا اور انہیں یاد رکھنا ہوگا۔''

''جی، یہ میں کرلوں گا۔'' وہ بڑے ولولے سے بولا۔ ''بتائیں، وہ کون سی باتیں ہیں؟''

''ان باتوں سے پہلے ایک اور ضروری کام کرنا ہے۔'' میں نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اپنا بریف کیس کھول لیا۔ ''چند نہایت ہی اہم کاغذات پر مجھے تمہارے دستخط چاہئیں۔''

میں نے حوالات کا رُخ کرنے سے پہلے وکالت نامہ، درخواست ضمانت اور دیگر اہم کاغذات اپنے بریف کیس میں رکھ لیے تھے جو اس کیس کی پیروی کی لیے بہت ضروری تھے۔ آئندہ ایک منٹ کے اندر میں نے تمام اہم کاغذات پر امین کے دستخط لے لیے۔ اب وہ میرا موکل اور میں اس کا وکیل تھا۔ میں نے مذکورہ ڈاکومنٹس کو دوبارہ اپنے بریف کیس میں رکھا اور.....امین کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''امین!'' میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہاں کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ میں تمہارا وکیل ہوں اور تم سے ضروری کاغذات پر دستخط کرانے آیا تھا۔ جو بھی پوچھے، یہی بتانا کہ میں تمہارا دور کا کوئی عزیز ہوں۔ میرا نام فیروز شیخ ہے اور میں ملک سے باہر دبئی میں پرفیومز وغیرہ کا بزنس کرتا ہوں۔ میں تم سے ملنے اور تمہاری مدد کرنے حوالات تک آیا تھا۔ اس سلسلے میں، میں نے تمہارے سیٹھ مشتاق ٹیلر سے تفصیلی بات چیت کر لی ہے۔'' میں لمحے بھر کو تھما، ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے پوچھا۔

''اتنا تو کرلو گے نا.....؟''

''اتنا کیا، میں تو اس سے زیادہ بھی کرلوں گا جناب۔'' وہ امنگ بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ کی یہ ہدایات میں نے اپنے دماغ میں محفوظ کرلی ہیں۔''

''بڑی اچھی بات ہے۔'' میں نے اس کی خود اعتمادی میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک ذہین اور سمجھدار نوجوان ہو۔''

وہ خوش ہوگیا اور امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''فی الحال تمہیں اتنا ہی کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں، تمہارے ریمانڈ کی مدت کے باقی دن امن وسکون سے گزر جائیں.....'' میں نے لمحاتی خاموشی کے بعد اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تفتیش کے نام پر پولیس والوں نے اب تک تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی؟''

''شاید ایسا ہوجاتا۔'' وہ ذومعنی انداز میں بولا۔ ''لیکن مشتاق بھائی کی حکمت عملی نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ فی الحال تو یہاں میرے لیے کوئی پریشانی نہیں۔ آگے کا حال اللہ ہی جانتا ہے.....''

''مشتاق کی حکمت عملی!'' میں نے چونک کر امین کی طرف دیکھا۔ ''ذرا اس بات کی وضاحت تو کرو.....؟''

امین کے بے ساختہ انکشاف نے میرے ذہن میں ڈیوٹی آفیسر کی معنی خیز گفتگو کو تازہ کر دیا تھا۔ اس وقت بھی مجھے محسوس ہوا تھا کہ مشتاق نے پولیس والوں کو کوئی آسرا دے رکھا ہے.....اس بات سے قطع نظر کہ جھوٹا یا سچا.....اور اب امین کی بات بھی اسی امر کی جانب اشارہ کررہی تھی۔

وہ میرے استفسار کے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جب مشتاق بھائی پہلی بار مجھ سے ملنے آئے تھے تو ان کی ایک سب انسپکٹر سے میرے سلسلے میں کوئی بات ہوئی تھی۔''

''کیسی بات؟'' میں نے آواز دھیمی رکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

اس نے بتایا۔ ''سب انسپکٹر نے مشتاق بھائی کو ایک پیش کش کی تھی۔''

''کس قسم کی پیش کش؟'' میرے اضطرار میں سنسنی خیز شدت پیدا ہوگئی۔ ''کیا سب انسپکٹر نے کوئی رقم وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا؟''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے وکیل صاحب!'' وہ بڑے رسان سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ پیشکش رقم ہی کے عوض تھی۔''

''کتنی رقم؟'' میں نے پوچھا۔ ''اور اس کے عوض کون سی پیشکش.....؟''

اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''ہلکی دفعہ لگانے کے لیے پچاس ہزار اور ایک دم مک مکا کے لیے پورے ایک لاکھ روپے مانگے ہیں پولیس نے.....''

''تمہیں یہ بات کس نے بتائی تھی؟''

''مشتاق بھائی نے۔'' امین نے جواب دیا۔ ''پولیس والوں نے ان سے جوڑ توڑ کی جو کوشش کی ہے وہ مشتاق بھائی نے مجھے تفصیل سے بتا دیا ہے۔''

''مشتاق نے انہیں کوئی رقم دی تو نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں، کچھ پیسے دیئے تو ہیں.....!''

''کتنے پیسے؟''

مجھے مشتاق ٹیلر پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے مجھ سے تفصیلی ملاقات کے دوران میں پولیس والوں سے ہونے والے معاملات کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی حالانکہ یہ ایک اہم ایشو تھا۔

امین نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''ایک ہزار روپے.....!''

''ایک ہزار.....!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا ٹوکن کے طور پر.....؟''

جہاں پچاس ہزار اور ایک لاکھ کی باتیں ہو رہی ہوں وہاں ایک ہزار کی رقم ٹوکن (بیعانہ) ہی کی حیثیت رکھتی ہے مگر حوالاتی امین نے میری توقع اور اندازے کے برعکس جواب دیا۔

''جناب! مشتاق بھائی نے یہ ایک ہزار روپے مجھے ان کی خاطر داری سے بچانے کے لیے دیئے ہیں اور انہیں یقین دلایا ہے کہ ریمانڈ کی مدت پوری ہونے سے پہلے وہ میرے کسی صاحب ثروت رشتے دار کو ڈھونڈ کر ڈیل کی کوشش کریں گے۔''

''اوہ.....!'' میں نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی اور کہا۔ ''تو یہ چکر ہے.....!''

''جی ہاں، یہاں یہی صورت حال چل رہی ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مشتاق بھائی کے ایک ہزار نے بڑا کام دکھایا ہے۔ ابھی تک پولیس والوں نے میرے ساتھ کوئی سختی نہیں کی۔''

''لیکن وہ کب تک نرمی برتیں گے!'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا، پھر اس سے پوچھا۔ ''مشتاق ٹیلر نے پولیس والوں کو جو آسرا دیا ہے، اس کے جواب میں انہوں نے کیا کہا تھا؟''

''پولیس والوں نے مشتاق بھائی کو اس وقت تک کی مہلت دی ہے جب تک میں ان کی

کسٹڈی میں ریمانڈ کی مدت پوری کر رہا ہوں۔'' امین نے بتایا۔ ''اگر مشتاق بھائی اس دوران میں پولیس والوں کے ساتھ کوئی ڈیل کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ یہ لوگ انتہائی خطرناک دفعات لگا کر مجھے عدالت کے سپرد کر دیں گے۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے!'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''کیا ٹھیک ہے جناب!'' اس نے شاکی نظر سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ''کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ مجھ پر خطرناک قسم کی دفعات عائد کر دی جائیں؟''

''ارے نہیں یار..... تم میری بات کو غلط رنگ میں لے گئے ہو۔'' میں نے جلدی سے کہا پھر وضاحت کر دی۔ ''میں یہ چاہتا ہوں کہ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی یا زیادتی نہ ہو۔ مشتاق کے دیئے ہوئے ایک ہزار روپے بڑا اچھا تاثر دکھا رہے ہیں۔ تم پولیس والوں پر یہی ظاہر کرتے رہو کہ مشتاق ان کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش میں مصروف ہے۔ اس طرح تم یہاں محفوظ رہو گے بلکہ.....'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت توقف کیا پھر امین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''بلکہ نئے پروگرام کے مطابق تمہیں اپنے ان میزبانوں پر آج کے بعد یہ ظاہر کرنا ہے کہ مشتاق کو جس آدمی کی تلاش تھی وہ میں ہی ہوں یعنی..... فیروز شیخ دبئی والا۔ میری مشتاق سے بات ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ! مشتاق عنقریب ان سے ڈیل کرنے آنے والا ہے۔ میں مشتاق کو سمجھا دوں گا کہ وہ اب کبھی ادھر کا رخ نہ کرے۔''

''لیکن.....'' وہ یک دم پریشان ہو گیا اور میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''مشتاق بھائی اگر منظر سے غائب ہو گئے تو یہ لوگ سارا غصہ مجھ غریب پر نکالیں گے۔''

''جس مؤکل یعنی ملزم کا وکیل میں ہوں وہ کبھی بے چارہ اور بے بس نہیں ہوتا امین!'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اس لیے تمہیں قطعاً پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی.....!'' اس نے اطمینان بھرے انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے کہا۔ ''میں پولیس والوں کی نفسیات اور طریق کار، بہ الفاظ دیگر..... طریقہ واردات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ جب کوئی ملزم ریمانڈ پر ان کی کسٹڈی میں ہوتا ہے تو یہ اس کے ورثا کو کنداستر سے مونڈنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ''ایک دم مک مکا'' کا تو کبھی سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ جو کیس تھانے میں رجسٹر ہو جاتا ہے، اس پر کارروائی لازمی قرار پاتی ہے۔ یہ لوگ اسی لیے پکی ایف آئی آر نہیں کاٹتے کہ باقاعدہ اور لازمی کارروائی کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ دام میں آئے ہوئے شکار کی اچھی طرح حجامت بنا سکیں لیکن تمہارے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے خلاف نہ صرف باقاعدہ کیس رجسٹر ہوا ہے بلکہ اس پر لازمی قانونی کارروائی کا عمل بھی جاری ہے، جبھی تم عدالتی ریمانڈ پر اس وقت پولیس کسٹڈی میں ہو۔ کچھ لین دین کے بعد تمہیں چھوڑ دینا یا کوئی ہلکی دفعہ لگانا پولیس کے خلاف جائے گا لہٰذا وہ ایسی غلطی کبھی نہیں کریں گے۔ اگر مشتاق یا تمہارا کوئی خیر خواہ پولیس والوں کی مٹھی اور جیب گرم کرنا بھی چاہے گا تو اس کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچنے والا۔ یہ لوگ رقم ہضم کر کے ڈکار بھی نہیں لیں گے اور چالان وہی بنائیں گے جس جرم کے تحت انہوں نے تمہیں گرفتار کیا ہے لہٰذا.....'' میں ایک دفعہ پھر متوقف ہوا پھر نہایت ہی تسلی بخش لہجے میں کہا۔

''یہ لوگ جو بھی کرتے ہیں انہیں کرنے دو، وہ تم پر جتنی بھی سخت اور خطرناک دفعات لگاتے ہیں، انہیں لگانے دو۔ تمہیں صرف اس حقیقت کے پیش نظر مطمئن اور پُرسکون رہنا ہے کہ میں تمہاری پشت پر موجود ہوں۔ عدالت میں جو کچھ بھی پیش آئے گا، میں سنبھال لوں گا۔''

''تھینک یو جناب.....'' وہ تشکرانہ لہجے میں بولا۔ ''آپ نے تو میرے دل اور دماغ کا سارا بوجھ اتار دیا ہے۔''

''لیکن ایک بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو امین!'' میں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔ ''میں تمہاری پشت پر صرف ایک ہی صورت میں موجود ہوں.....؟!''

اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔

''اگر تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دو گے تو میں تمہارا حمایتی ہوں گا ورنہ تمہیں بری طرح پچھتانا پڑے گا۔''

''انشاء اللہ! اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' وہ تیقن سے بولا۔ ''آپ مجھ سے جو بھی سوال کریں گے، میں اس کا بالکل ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا۔ آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

میں نے پوچھنا شروع کر دیا۔ سوال و جواب کا یہ سلسلہ کانسٹیبل خادم حسین کی آمد تک جاری رہا، پھر میں امین کی طرف سے مکمل اطمینان حاصل کر کے وہاں سے واپس آ گیا۔ امین سے حاصل

ہونے والی قیمتی معلومات اور اہم نکات کو میں فی الحال آپ سے پوشیدہ رکھ رہا ہوں تا کہ دلچسپی برقرار رہے۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں گاہے بہ گاہے، یہ نکات آپ پر منکشف ہوتے رہیں گے۔

بہ وقت رخصت اسی ڈیوٹی آفیسر سے میری دوبارہ ملاقات ہوگئی۔ تھانا انچارج ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو ڈیوٹی آفیسر مسکرایا اور میرے قریب چلا آیا۔

میں نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا اور تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''میں نے حوالاتی کو یقین دلایا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ! مشتاق ٹیلر ایک آدھ روز میں آپ سے مل کر ''معاملات'' طے کر لے گا۔''

''آپ بے فکر ہو کر دبئی جائیں۔'' وہ خاصی فراخدلی سے بولا۔ ''ہم آپ کے بندے کا خیال رکھیں گے۔''

میں نے اس سے مصافحہ کیا اور تھانے سے نکل آیا۔

✠ ✠ ✠

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ وہ بڑا ہنگامہ خیز اور سنسنی آمیز دن تھا۔ جب میں نے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ملزم کی درخواست ضمانت دائر کی تو اس کیس کا انکوائری آفیسر مجھے عدالت کے کمرے میں دیکھ کر بری طرح اچھلا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی زہریلے کیڑے نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔

ہمارے کیس کا تفتیشی افسر عہدے کے اعتبار سے سب انسپکٹر تھا۔ بعد ازاں اس کا نام وحید مرزا معلوم ہوا اور اس کے اچھلنے کا سبب یہ تھا کہ وہ مجھے وکیل کے روپ میں دیکھ کر سٹپٹا گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی ہم ایک مرتبہ مل چکے تھے لیکن اس وقت میں نے اپنا تعارف ایک بزنس مین کی حیثیت سے کرایا تھا..... فیروز شیخ، دبئی والا!

جی ہاں..... وحید مرزا سب انسپکٹر وہی ڈیوٹی آفیسر تھا جس سے تھانے میں میری عجیب و غریب اور معنی خیز ملاقات ہو چکی تھی۔ اب تو آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ ایک ایڈووکیٹ اور وہ بھی ملزم امین کے ایڈووکیٹ کی حیثیت سے مجھے عدالت میں دیکھ کر اس کے دل و دماغ پر کیا گزری ہوگی۔

''شیخ صاحب.....'' وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آپ..... وکیل کب سے ہو گئے؟''

''شیخ صاحب؟'' میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔''آپ مجھے شیخ صاحب کیوں کہہ رہے ہیں.....اور میں وکیل تو سال ہا سال سے ہوں۔ پورا کورٹ مجھے جانتا ہے.....!''

اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے تاثرات پیدا ہوئے، جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ وہ مجھے ایک وکیل کی حیثیت سے واقعی نہیں جانتا تھا جبھی اس روز تھانے میں، میرے فیروز شیخ ہونے پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ وہ پوچھ بیٹھا۔''کیا آپ کا نام فیروز شیخ نہیں جو دبئی میں پرفیومز کا بزنس کرتے ہیں؟''

''نہیں بھائی، آپ کو زبردست مغالطہ ہو رہا ہے۔'' میں نے سرسری اور تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں وکیل ہوں۔ مرزا امجد بیگ میرا نام ہے۔ وکالت میرا پیشہ ہے اور میں اسی کی کھاتا ہوں۔ دبئی اور پرفیومز کے بزنس سے میرا کوئی تعلق نہیں، البتہ.....'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''البتہ پرفیومز کا شوقین ضرور ہوں.....!''

وہ کوئی نادان بچہ نہیں تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس روز تھانے میں، میں نے اس کے ساتھ ہاتھ کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ الٹا سیدھا بولنے کی کوشش کرتا، جج کمرے میں داخل ہوا۔ ٹیکنیکل افراد سمیت حاضرین عدالت یک بیک خاموش ہو گئے۔

جج اپنی مخصوص کرسی پر براجمان ہو چکا تو اس کے حکم سے عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ میں نے اپنے مؤکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دینا شروع کیے۔

''جناب عالی! میرا مؤکل اس معاشرے کا ایک شریف النفس اور امن پسند فرد ہے۔ اس کی شرافت اور بے داغ کردار کی گواہی دینے کے لیے میں نصف درجن معتبر اور معزز افراد کو عدالت میں پیش کر سکتا ہوں۔ عدالت سے میری بس اتنی سی استدعا ہے کہ ملزم کی درخواست ضمانت کو منظور کر لیا جائے۔''

وکیل سرکار (وکیل استغاثہ) نے ضمانت کے خلاف بولنا شروع کیا۔''یور آنر! ملزم نے ایک انتہائی سنگین اور قبیح جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اپنے کیے کے لیے یہ عبرت ناک سزا کا مستحق ہے۔ اگر معزز عدالت نے اس کی ضمانت منظور کر لی تو یہ انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگا۔''

''جناب عالی! استغاثہ نے جس سنگین اور قبیح جرم کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ جھوٹ کے غبارے سے زیادہ کچھ نہیں۔ سچ کی ایک پن اس نام نہاد غبارے کی ساری ہوا نکال دے گی۔'' میں

نے دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جب عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوگا تو میں یہ ثابت کر دوں گا کہ ایک گہری سازش کے تحت میرے مؤکل کو اس معاملے میں پھانسا گیا ہے۔''

''جس پن کی مدد سے آپ استغاثہ کے غبارے کی ہوا نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں!'' وکیل استغاثہ نے طنز میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ذرا معزز عدالت کو اس کا دیدار تو کرائیں.....؟''

''وہ پن.....اور اس سے بھی زیادہ خطرناک اور تیز دھار نشتر اپنے وقت پر معزز عدالت کے روبرو آزمائے جائیں گے۔'' میں نے طنز کا جواب طنز ہی سے دیتے ہوئے کہا۔ ''ابھی استغاثہ کے آپریشن کا وقت نہیں آیا۔ اگر پھر بھی مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوئے تو.....'' میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس لی پھر تلخ لہجے میں کہا۔

''تب بھی آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ مطلوبہ نتائج لانے کے لیے انشاء اللہ استغاثہ کی لاش کا پوسٹ مارٹم بھی کیا جائے گا۔ یہیں پر.....آپ کی نظروں کے سامنے.....''

وہ تلملا کر رہ گیا۔ میری اس خوفناک چوٹ نے اسے اندر سے گھائل کر دیا تھا۔ میری اس کڑوی وضاحت پر اس نے برا سا منہ بنایا اور مجھے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جج سے مخاطب ہو کر بولا۔

''یور آنر! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میرے فاضل دوست پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں۔ جو بات بعد میں کہنے کے لیے چھپا کر رکھ رہے ہیں اسے آج بیان کرنے میں کون سی قباحت ہے، جو بھی سانپ نکالنا ہے، ابھی نکال دیں.....!''

میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ میں نے وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مائی ڈیئر کونسلر! میں جو سانپ نکالنا چاہتا ہوں وہ بہت ہی زہریلا اور خطرناک ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی زہریلی چمک سے آپ کی آنکھیں چندھیا جائیں لہٰذا آپ کچھ دیر کے لیے صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھیں تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا.....'' پھر میں نے رخ جج کی جانب موڑا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جناب عالی! ہر کام کے لیے جس طرح ایک مناسب وقت مخصوص ہوتا ہے، بالکل اسی طرح کسی زیر سماعت کیس کے ذیل میں ٹھوس ثبوت، ان مٹ حقائق اور مدلل شواہد کو بھی پیش کرنے کے مخصوص مواقع ہوتے ہیں۔ ابھی تو مقدمے کی سماعت شروع ہوئی ہے۔''

جج نے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''یور آنر.....اس

واردات کے تمام ثبوت پولیس کی تحویل میں محفوظ ہیں۔ مظلومہ کے طبی معائنے سے بھی ملزم کے مجرمانہ حملے کی تصدیق ہوگئی ہے لہٰذا کسی بھی طور ملزم کی ضمانت منظور نہیں ہونا چاہیے۔''

''جناب عالی! میرا موکل ایک صلح جو اور معزز شہری ہے۔ کسی خوفناک سازش کے تحت اس کو اس کیس میں ملوث کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی نیک نامی بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ میں ایک بار پھر معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ میرے موکل کی درخواست ضمانت پر ہمدردانہ انداز میں غور فرمایا جائے۔''

''اگر معزز عدالت اس قسم کے خطرناک ملزموں کی درخواستوں پر ہمدردی سے غور کرنے لگے تو پھر ہو گیا کام.....!'' وکیل استغاثہ نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا پھر جج سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''جناب عالی! مظلومہ کا طبی معائنہ ملزم کو مجرم ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی پولیس کو جائے وقوعہ سے کچھ ایسے ثبوت ملے ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ملزم اس مذموم فعل کا مرتکب ہوا ہے۔ ہمارے پاس ایسے گواہ بھی موجود ہیں جو توجہ دلانے پر فوراً جائے واردات پر پہنچے اور انہوں نے وہاں ملزم کے مبینہ جرم کی واضح علامات نوٹ کیں.....'' وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا، ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''مذکورہ افراد کی نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ انہیں مناسب مواقع پر باری باری معزز عدالت کے سامنے پیش کیا جائے گا.....''

''جناب عالی! میرے فاضل دوست خوامخواہ میرے موکل کی ضمانت کو رکوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں مظلومہ کی دروغ گوئی کو معزز عدالت کے سامنے بے نقاب کر دوں گا لیکن مناسب وقت آنے پر!''

میرے خاموش ہونے پر وکیل استغاثہ ایک مرتبہ پھر درخواست ضمانت کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر بولنے لگا۔ یہ سلسلہ دو طرفہ مزید دس منٹ تک جاری رہا پھر جج نے میرے موکل کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھجوا دیا۔

ہم عدالت کے کمرے سے باہر آئے تو مشتاق ٹیلر نے مجھ سے کہا۔ ''بیگ صاحب! امین تو گیا جیل میں.....!''

''وہ جیسے جیل میں گیا ہے، ایسے ہی باہر بھی نکل آئے گا۔'' میں نے اس کے ذہن پر طاری

مایوسی کی فضا کو چھٹاتے ہوئے کہا۔ ''عدالت کی باقاعدہ کارروائی شروع ہونے دیں۔ یہ کیس بہ مشکل تین چار پیشیوں کی مار ہے۔ میں نے تھانے میں اپنے مؤکل سے ملاقات کر کے جو نتائج اخذ کیے ہیں ان کی روشنی میں، میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں، چوتھی یا پانچویں پیشی پر میں اپنے مؤکل کو باعزت بری کروالوں گا۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مشتاق صاحب! اگر آپ میری کارکردگی سے مطمئن نہ ہوں تو.....؟''

''یہ بات نہیں ہے بیگ صاحب!'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''پھر کیا بات ہے..... آپ ابتدا ہی میں اتنے دل برداشتہ کیوں نظر آ رہے ہیں؟''

''وہ دراصل..... میں توقع کر رہا تھا کہ آج امین کی ضمانت ہو جائے گی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''خیر..... اگر آپ کیس سے مطمئن ہیں تو ٹھیک ہے۔''

''میں تو اس کیس سے پوری طرح مطمئن اور اپنی کامیابی کے لیے پُرامید ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''شاید آپ کی دل شکستگی کا سبب یہ ہو کہ آپ نے اس کیس کی سنگینی کو پوری طرح محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ حدود آرڈی نینس کوئی معمولی بات نہیں ہے مشتاق صاحب!''

''کیس چاہے کتنا بھی خطرناک اور سنگین ہو لیکن میرے لیے اطمینان کا پہلو یہ ہے کہ میں امین کو بے گناہ سمجھتا ہوں۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔

''آپ کے، میرے یا کسی کے بھی سمجھنے اور نہ سمجھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مشتاق صاحب۔'' میں نے دوٹوک الفاظ میں حقیقت اس پر واضح کرتے ہوئے کہا۔ ''عدالت ملزم کی بے گناہی کو ماننے کے لیے ٹھوس ثبوت اور طاقت ور دلائل کا تقاضا کرتی ہے اور انشاء اللہ..... یہ تمام لوازمات ضرور یہ میں معزز عدالت کو فراہم کروں گا۔ بس، آپ قدم بہ قدم مجھ سے تعاون کرتے جائیں اور باقی سب مجھ پر چھوڑ دیں۔''

''جناب! میں نے اب تک آپ ہی کی ہدایات پر عمل کیا ہے۔'' وہ مطمئن ہوتے ہوئے بولا۔ ''اور بھی جو حکم کریں گے، میں تعاون کے لیے تیار ہوں۔''

''آپ اس واقعے کے پس منظر سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''اور تمام کرداروں کو بھی بہ خوبی جانتے ہیں.....!''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے ایک کردار کا نام لیا اور فرمائشی انداز میں کہا۔ ''مجھے اس بندے کی ایک تصویر چاہیے!''

مشتاق نے لمحاتی غور و فکر کے بعد جواب دیا۔ ''مل جائے گی.....!''

''فوٹو کا سائز ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں مذکورہ بندے کو بہ آسانی پہچانا جا سکے۔'' میں نے بہ دستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''میں شناخت کی غرض سے اس کی تصویر کو کہیں استعمال کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ بالکل بے فکر ہو جائیں بیگ صاحب!'' وہ تسلی آمیز انداز میں بولا۔ ''میں آپ کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلوبہ سائز کی تصویر مہیا کر دوں گا۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ رخصتی کلمات کے بعد میں اپنی گاڑی کی جانب بڑھنے لگا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''ایک بات تو بتائیں بیگ صاحب؟''

اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اچانک اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ میں رک گیا اور پوچھا۔ ''جی.....کون سی بات؟''

''عدالت میں انکوائری آفیسر آپ کو دیکھ کر بری طرح چونک اٹھا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''اور اس نے آپ کو فیروز شیخ کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے پرفیومز کے بزنس اور دبئی وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ یہ کیا چکر ہے جناب؟''

''یہ جو بھی چکر ہے، سب آپ ہی کی مہربانی سے ہے!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری مہربانی سے!'' وہ چونک اٹھا، پھر پوچھا۔ ''کیا مطلب جناب؟''

میں نے ''مطلب'' سمجھانے کے لیے اسے تفصیل سے آگاہ کیا کہ کس طرح میں نے امین سے ایک بھرپور ملاقات کرنے اور اس کو پولیس والوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لیے ڈیوٹی آفیسر کی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی۔

''اب یہ ایک سنگین اتفاق ہے کہ وہی ڈیوٹی آفیسر اس کیس کا آئی او بھی ہے!'' آخر میں، میں نے کہا۔

''آپ نے تو کمال کر دیا جناب!'' وہ ستائشی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کمال تو آپ نے بھی کیا تھا؟'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''ایک ہزار روپے والا معاملہ تو یاد ہے نا.....!'' میرے لہجے میں شکوہ شامل ہو گیا۔ ''کم از کم مجھے بتا تو دیا ہوتا؟''

''ہاں، یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔'' وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ''لیکن یقین کریں، یہ میرے ذہن ہی میں نہیں رہا تھا۔''

''اگر میں نے بروقت اپنی اداکاری سے معاملہ نہ سنبھالا ہوتا تو بڑی مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔'' میں نے بہ دستور رشا کی لہجے میں کہا۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری بیگ صاحب!''

''اٹس اوکے.....''

اس نے تہ دل سے میرا شکریہ ادا کیا اور مجھے سلام کر کے رخصت ہوگیا۔

میں تیز قدموں سے پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھ گیا۔

✠ ✠ ✠

میں نے پچھلے دنوں حوالات میں جا کر امین کی زبانی اس کی جو بپتا سنی تھی اس سے مجھے بہ خوبی یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ نوری نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت امین کو انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا تھا۔ تاہم اس سازش کے جال سے امین کو نکالنے کے لیے مجھے بہت زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت تھی اور میں یہ کوشش کر رہا تھا۔

آگے بڑھنے سے پہلے آپ کی خدمت میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ حدود آرڈی نینس کی زیر دفعات جو کیس عدالت میں زیر سماعت ہوتے ہیں ان میں بہت سی گفتنی اور ناگفتنی باتیں سننا اور برداشت کرنا پڑتی ہیں کیونکہ ایسے معاملات میں جس نوعیت کے کھلے ڈلے سوالات مبینہ مظلومہ سے پوچھے جاتے ہیں، ضابطہ اخلاق انہیں من وعن حوالہ تحریر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے میرے اشاروں اور کنایوں کو سمجھنے کی کوشش کیجیے گا۔ ''شرع اور قانون میں کوئی شرم نہیں ہوتی'' کے مصداق وکلا حضرات نازک اور تیکھے سوالات کر کے مظلومہ کو آنسو بہانے پر اور کمرۂ عدالت میں موجود اس کے ورثا کو شرم سے پانی پانی ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس قسم کی وارداتوں میں اکثر کیس تو رجسٹر ہی نہیں کرائے جاتے کہ گھر کی عزت تو داغدار ہو ہی گئی، اب عدالت میں جا کر تماشا کیوں بنایا جائے۔ اس بات سے قطع نظر کہ متاثرین کا یہ رویہ درست ہے یا غلط، تاہم یہ بات طے ہے کہ یہ ایک المیہ ہے اور اس المیے پر ہمارا معاشرہ اور قانون جتنا بھی شرمسار ہو، کم ہے۔

✠ ✠ ✠

ابتدائی چند پیشیاں عدالت کی ٹیکنیکل کارروائیوں کی نذر ہوگئیں۔ یہ کارروائیاں جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، بہت ہی خشک اور بور ہوتی ہیں اسی لیے کبھی ان کی تفصیل بیان کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کیس کو عدالت میں لگے کم از کم تین ماہ گزر چکے تھے، جب پہلی باقاعدہ عدالتی کارروائی ہوئی۔ اس روز تمام متعلقہ افراد عدالت میں موجود تھے۔

جج نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔

ملزم نے صحتِ جرم سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ میں نے گزشتہ ملاقات پر امین کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے جج کے روبرو کیا بیان دینا ہے تاکہ اس سے پہلے پولیس کو دیئے گئے بیان کی نفی بھی نہ ہو اور آئندہ مجھے کھیلنے کے لیے بھی مختلف مقامات پر گیپ مل جائیں۔ امین نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں میری توقعات کو کماحقہ پورا کیا تھا۔

ملزم کا بیان ختم ہوا تو وکیل استغاثہ جج کی اجازت پا کر جرح کے لیے اکیوزڈ باکس کے قریب چلا گیا۔ وہ چند لمحات کے لیے ملزم کو تولنے والی نظر سے گھورتا رہا پھر بڑے معنی خیز انداز میں اس نے سوالات کا آغاز کیا۔

''تم مظلومہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''کون مظلومہ؟'' ملزم نے لاتعلقی کے سے انداز میں پوچھا۔

''اچھا، تو اب تم اس عورت کو پہچاننے سے بھی انکار کر رہے ہو جو تمہارے ستم کا نشانہ بننے کے بعد اس عدالت تک پہنچی ہے۔'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تم اپنی اس مصنوعی معصومیت سے عدالت کو متاثر نہیں کر سکتے..... سمجھے؟''

''کہیں..... آپ کا اشارہ میری عیار اور بدکار پڑوسن نوری کی طرف تو نہیں؟'' ملزم نے بہ دستور معصومیت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''یاد آ گیا نا.....'' وکیل استغاثہ نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اب بتاؤ، میں نے کیا سوال کیا تھا؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے جناب!'' ملزم ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے مجھ سے کسی مظلومہ کے بارے میں پوچھا تھا اور میری نظر میں وہ عورت ہرگز ہرگز مظلومہ نہیں ہے لہٰذا اس کی طرف میرا دھیان جا ہی نہیں سکتا تھا اور جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق

ہے تو.....'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''تو.....اس کا جواب میں یہی دوں گا کہ اتنی عیار، مکار، چال باز اور بدکردار عورت میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اور کہیں نہیں دیکھی.....!''

ملزم کے جرأت مندانہ اور بے خوف اظہار خیال نے جج سمیت تمام حاضرین عدالت کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عدالت کے کمرے میں ملزم کا تصور عموماً ایک بے بس، لاچار اور مصیبت زدہ انسان کا سا ہوتا ہے جو ہر وقت ڈرا سہما نظر آتا ہے لیکن ملزم امین نے آغاز ہی میں بڑے توانا اور صحت مند رویے کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس کے جواب پر وکیل استغاثہ سٹپٹا کر رہ گیا اور جارحانہ انداز میں مستفسر ہوا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ مظلومہ کچھ عرصہ پہلے تک تمہیں بہت اچھی لگتی تھی۔ اس کو دیکھ کر تمہارے دل میں پسندیدگی کے جذبات ابھرتے تھے اور وہ تین مرتبہ تم نے اس کے منہ پر..... جب تم دونوں کے سوا وہاں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا تو تم نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اس کے حسن کی تعریف بھی کی تھی؟''

''ہاں، یہ سچ ہے۔'' ملزم نے بڑی دیانت داری سے اقرار حقیقت کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ آپ کی مظلومہ اور میری پڑوسن نوری ایک خوب صورت اور پرکشش عورت ہے اور کوئی بھی حسین چیز اگر کسی کو اچھی نہ لگے تو یہ بڑی بدذوقی اور بدقسمتی کی بات ہوتی ہے..... لیکن جب اس حسین و جمیل، پری چہرہ، فتنہ پرور عورت کی اصلیت مجھ پر عیاں ہوگئی تو میں محتاط ہو گیا تھا۔''

''تم محتاط ہو گئے تھے یا وہ؟'' وکیل استغاثہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''تمہاری اصلیت اس پر کھل گئی تھی یا اس کی حقیقت تم پر عیاں ہوئی تھی؟ تم نے اپنا راستہ بدلا تھا یا وہ تم سے کترانے لگی تھی.....؟''

''آپ جو بھی سمجھ لیں۔'' ملزم نے سادگی سے کہا۔ ''جو سچ تھا وہ میں نے بیان کر دیا ہے۔''

''سچ تو یہ ہے کہ.....'' وکیل استغاثہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''مظلومہ نے تمہاری آنکھوں میں ہلکورے لیتے ہوس کے سائے بڑے واضح طور پر دیکھ لیے تھے اسی لیے وہ تم سے کنی کاٹنے لگی تھی۔ مظلومہ کی شرافت اور احتیاط نے تمہیں شیطان بننے پر اکسایا اور انتقام کے طور پر تم نے اس کے شوہر گلزار کے کان بھرنا شروع کر دیے جس کے نتیجے میں ان میاں بیوی میں اچھی خاصی لڑائی

بھی ہوئی تھی۔''

''میں نے کسی کے کان نہیں بھرے تھے۔'' ملزم نے عام سے لہجے میں کہا۔ ''بلکہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا تھا وہی گلزار کو بتایا تھا اور یہ میرا فرض تھا۔''

''کیا تم اس بات سے انکاری ہو کہ'' وکیل استغاثہ کے سوالات میں اچانک تیزی آ گئی۔ ''وقوعہ کی رات تم مظلومہ کے فلیٹ میں گئے تھے؟''

''یہ ایک حقیقت ہے، اس لیے میں انکاری نہیں ہوں۔''

''تم یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ مظلومہ اس وقت شاہ صاحب کو اپنی کسی پریشانی کے بارے میں بتا رہی تھی اور تم نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دی تھیں.....؟''

واقعات و حالات بہ الفاظ دیگر استغاثہ کے مطابق، وقوعہ کی رات لگ بھگ دس بجے مظلومہ نوری اپنے سامنے والے پڑوسی کمال شاہ کو بتا رہی تھی کہ ان کی فلیٹ کا فیز چلا گیا ہے اور اسے فیز تبدیل کرنا نہیں آتا۔ اگر شاہ صاحب یہ مہربانی کر دیں تو اس کے لیے آسانی ہو جائے گی لیکن شاہ صاحب نے صاف انکار کر دیا کہ وہ بجلی کے کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اسی وقت ملزم وہاں پہنچ گیا اور اس نے مظلومہ کو پیش کش کی کہ یہ کام وہ کر دیتا ہے۔ پریشان حال مظلومہ نے اسے اپنے فلیٹ کے اندر آنے کی اجازت دے دی تھی۔

''خدیجہ پرائڈ'' کے ہر فلور پر چار فلیٹ بنے ہوئے تھے جن میں سے دو ڈیڑھیا فلیٹ تھے اور دو، دو بیڈ ایک کامن پر مشتمل تھے اور ان کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ فلیٹ نمبر ایک بڑا تھا، فلیٹ نمبر دو چھوٹا، فلیٹ نمبر تین چھوٹا تھا اور فلیٹ نمبر چار بڑا۔ یعنی فلیٹ نمبر ایک کے سامنے فلیٹ نمبر تین پڑتا تھا اور فلیٹ نمبر دو کے سامنے فلیٹ نمبر چار۔ ہر فلور پر نمبروں کی یہی ترتیب تھی۔ جیسا کہ فورتھ فلور کے چار سو ایک میں نوری اور اس کا شوہر گلزار رہتے ہیں۔ ان کے سامنے چار سو تین یعنی ڈیڑھیا فلیٹ میں کمال شاہ صاحب، فلیٹ نمبر چار سو دو میں امین اور اس کی ضعیف دادی، اس کے سامنے فلیٹ نمبر چار سو چار میں عباسی صاحب اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ ان کے دو بچے تھے، یہ تمام تر تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ سچویشن کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

''یہ بالکل غلط ہے کہ میں نے فیز تبدیل کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔'' ملزم نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''شاہ صاحب نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس ''بی بی'' کی مشکل آسان کر دوں اور..... میں شاہ صاحب کو انکار نہ کر سکا۔''

''شاہ صاحب کے کندھے پر تم اس لیے بندوق رکھ رہے ہو کہ انہیں گواہی کے لیے عدالت میں پیش کرنا ممکن نہیں.....!'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ہیں نا؟''

''یہ بات نہیں ہے۔'' ملزم نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''وقوعہ کی رات جو کچھ، جس طرح پیش آیا تھا وہ میں نے بیان کیا ہے۔''

''تو شاہ صاحب نے تم سے درخواست کی کہ تم پڑوسن بی بی کی مشکل آسان کر دو اور تم نے وہ مشکل آسان کر دی۔'' وکیل استغاثہ نے بڑے چبھتے ہوئے انداز میں جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم کتنے کمینے اور ذلیل انسان ہو کہ ایک شریف عورت نے تم پر بھروسا کر کے گھر کے اندر آنے دیا اور تم نے اسے برباد کر ڈالا۔ تمہارے لیے تو عدالت جتنی بھی بھیانک سزا تجویز کرے، وہ کم ہے۔''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' ملزم نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''یہ سراسر مجھ پر الزام ہے، بہتان ہے.....''

''کیا تم نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی مظلومہ کی ناک پر رومال رکھ کر اسے بے بس نہیں کر دیا تھا؟''

''نہیں..... بالکل نہیں!'' وہ قطعیت سے بولا۔

''اس رومال پر کلوروفارم یا کوئی ایسا کیمیکل لگا ہوا تھا جس کو سونگھنے سے انسان پر غفلت سی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ بے ہوش تو نہیں ہوتا لیکن اس کے اعصاب شل ہو جاتے ہیں۔ وہ بے بسی سی محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والی ہر ''حرکت'' سے آگاہ تو رہتا ہے لیکن اس کے خلاف مدافعت پیش نہیں کر سکتا۔ اس کا احساس بیدار ہوتا ہے لیکن قوت مزاحمت جیسے مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ اپنے خلاف ہونے والی کسی بھی من مانی کی کارروائی کو روک نہیں سکتا.....!''

میں ضبط کیے خاموش، اپنی باری کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ میرے مؤکل نے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں بتایا۔

''میں ایسے کسی رومال اور کیمیکل سے واقف نہیں ہوں۔''

وکیل استغاثہ نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! میں نے ابھی جس رومال کا ذکر کیا ہے وہ پولیس کو اس بیڈ روم میں پڑا ملا تھا جہاں ملزم نے مظلومہ کو زیادتی کا نشانہ بنایا تھا۔ مذکورہ رومال کا لیبارٹری ٹیسٹ بھی کیا گیا ہے اور ٹیسٹ رپورٹ میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا ہے

کہ اس رومال پر ایسے اثرات پائے گئے ہیں جیسے اسے کسی خواب آور کیمیکل میں بسایا گیا ہو، علاوہ ازیں مظلومہ کے طبی معائنے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوئی ہے۔''

جج نے سر کو اثباتی جنبش دی تو وکیل استغاثہ دوبارہ گواہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تم نے مظلومہ کی ناک پر وہ رومال رکھ کر اسے بے بس کر دیا اور بیڈ روم میں لے آئے اور پھر..... تم نے اپنی ہوس کی تکمیل کر لی.....؟''

''آپ بات کو جس انداز میں بھی گھما کر پیش کریں وکیل صاحب! اس سے حقائق میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔'' ملزم نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رونما ہی نہیں ہوا۔''

وکیل استغاثہ نے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور خاصے جوشیلے انداز میں بولا۔ ''یور آنر! مظلومہ کے طبی معائنے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اسے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا ہے، نیز مظلومہ کے دماغی ٹیسٹ سے بھی پتا چلا ہے کہ وہ کسی خواب آور شے کے زیر اثر رہی تھی۔ اس کے بیڈ روم سے ملنے والا کیمیکل زدہ رومال بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے کہ مظلومہ کو مبینہ زیادتی کا نشانہ بنانے سے پہلے اس کے اعصاب اور قوت مزاحمت کو معطل کیا گیا تھا.....'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے بولا۔

''علاوہ ازیں پولیس نے اس بیڈ شیٹ کا بھی لیبارٹری ٹیسٹ کرایا ہے جس کے اوپر یہ قبیح فعل وقوع پذیر ہوا تھا۔ مذکورہ بیڈ شیٹ پر ایسے مخصوص دھبے پائے گئے ہیں جن سے ملزم کا جرم ثابت ہوتا ہے..... دیٹس آل یور آنر!''

جرح ختم کرنے کے بعد وکیل استغاثہ اپنی مخصوص سیٹ پر جا بیٹھا تو جج کی اجازت حاصل کر کے میں اکیوزڈ باکس کے قریب چلا گیا۔ میں نے ملزم یعنی اپنے مؤکل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے دھیمے انداز میں جرح کا آغاز کیا۔

''مسٹر امین! تم نے تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں بتایا ہے کہ تم مظلومہ یعنی اپنی پڑوسن کے حسن و خوبصورتی سے متاثر ہو گئے تھے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد جب اس کی اصلیت تم پر واضح ہوئی تو تمہیں اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں جناب..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے تصدیقی انداز میں جواب دیا۔

''میں نے یہی بیان دیا ہے کیونکہ حقیقت یہی ہے۔''

''ایسا کیا ہو گیا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے تم نے جس چہرے کو اپنے دل میں بسایا تھا اور بڑی جرأت مندی سے اس کی تعریف بھی کی تھی، اچانک اسی شخصیت سے نفرت ہو گئی۔'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ ''پڑوسن کی کون سے اصلیت تم پر آشکار ہوئی تھی؟''

''اس کا کردار!'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''یہ اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں دوسرے مردوں کو گھر میں بلاتی تھی۔ جب میں نے اس کے لچھن دیکھے تو مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی۔ بس اتنی سی بات ہے جناب.....!''

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے مسٹر امین!'' میں نے دانستہ ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''اپنی پڑوسن کی اصلیت جاننے کے بعد تم خاموش نہیں بیٹھے رہے بلکہ اس کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں اس کے شوہر گلزار کو بھی بتا دیا جس کے نتیجے میں، میاں بیوی میں زبردست جھگڑا بھی ہو گیا تھا اور اس پر کہتے ہو..... یہ تو میرا فرض تھا۔''

''جی ہاں، میں اب بھی یہی کہوں گا کہ یہ میرا فرض تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اصراری لہجے میں بولا۔ ''ایک بدکردار عورت میرے پڑوس میں آ کر آباد ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بوڑھے شوہر کو اُلّو کا پٹھا سنگھا کر مٹھی میں بند کر رکھا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں غیر مردوں کے ساتھ گلچھرے اڑاتی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتی تھی اپنے فلیٹ کے اندر کرتی تھی لیکن جناب فلیٹ سسٹم ایک محلے داری کی طرح ہوتا ہے۔ انسان کو اپنے آس پڑوس پر گہری نظر رکھنا پڑتی ہے کہ کہیں دوسرے کا وبال اپنے سر نہ آ جائے۔ ہمارے اپارٹمنٹس بلڈنگ میں عزت دار اور فیملی والے لوگ رہتے ہیں۔ ایسا تھوڑی ہے کہ آپ کے پڑوس میں چکلہ کھل جائے اور آپ دانتوں میں زبان دبائے خاموش بیٹھے رہیں۔'' وہ تھوڑی دیر کے لیے تھما پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جناب! میں نے تو بڑی شرافت کا ثبوت دیا کہ اس بدذات کے شوہر سے بات کی اور وہ بھی بالکل علیحدگی میں، ورنہ میں اپنے پڑوس کی اس گندگی کو پولیس میں بھی لے کر جا سکتا تھا یا اس معاملے کو بلڈنگ کی کمیٹی کے سامنے رکھ سکتا تھا اور..... میں نے یہی سوچا تھا کہ اگر گلزار کو بتانے کے باوجود بھی حرام کاری کا یہ عمل جاری رہا تو میں رفیق بندھانی کو سب کچھ بتا دوں گا لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور اس مکار عورت نے مجھے اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہوئے اس شرمناک کیس میں الجھا دیا۔ میں بڑی سے بڑی قسم کھا کر یہ کہنے کو تیار ہوں کہ میں اسی فتنہ پرور عورت کی سازش کا شکار ہوا

ہوں۔''

''تم نے ابھی رفیق بندھانی کا ذکر کیا ہے۔'' میں نے بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ ''یہ کون صاحب ہیں؟''

''رفیق بندھانی صاحب ''خدیجہ پرائڈ'' کی کمیٹی کے صدر ہیں۔'' امین نے بتایا۔ ''ان کے ساتھ معظم بھائی بھی ہوتے ہیں، یہ دونوں مل کر کمیٹی چلاتے ہیں۔''

''مسٹر امین! ابھی تم نے اپنی پڑوسن اور مبینہ مظلومہ کے کردار کا جو پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا یہ معاملات تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے..... یعنی اس کے شوہر کے غیاب میں غیر مردوں کی آمد و شد؟''

''جی ہاں!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں نے اپنی انہی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''کیا ہر بار تم نے کسی ایک ہی مرد کو آتے جاتے دیکھا ہے، یا.....؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جواباً بولا۔ ''میں نے تو ایک ہی چہرے کو دو چار مرتبہ حاضری دیتے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ لوگ فیض یاب ہوتے ہوں تو مجھے خبر نہیں۔ میں دن بارہ بجے سے رات دس بجے تک دکان میں مصروف ہوتا ہوں، بس کھانے کے لیے دوپہر میں ایک آدھ گھنٹے کو گھر آ جاتا ہوں..... آپ جانتے ہیں، مجھے اپنی دادی کے کھانے پینے کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

''ہاں، یہ بات میرے علم میں ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''ابھی تم نے اپنی پڑوسن کے گھر میں جس آدمی کی آمد و رفت کا ذکر کیا ہے، اگر وہ یا اس کی تصویر تمہارے سامنے آئے تو کیا تم اسے پہچان لو گے؟''

''کیوں نہیں جناب!'' وہ بڑے کرارے لہجے میں بولا۔ ''سو فیصد پہچان لوں گا۔''

میں نے جرح کا زاویہ تھوڑا سا تبدیل کیا اور ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''یہ شاہ صاحب کا کیا چکر ہے..... وکیل استغاثہ نے کہا ہے کہ کمال شاہ کو گواہی کے لیے عدالت میں پیش کرنا ممکن نہیں؟..... اس کے ساتھ ہی تم نے بتایا ہے کہ نہ چاہنے کے باوجود بھی تم شاہ صاحب کو انکار نہیں کر سکے تھے.....؟''

''جناب! کمال شاہ صاحب ایک ایسی شخصیت تھے کہ کوئی بھی ان کی بات سے انکار نہیں کر سکتا

تھا۔'' وہ افسردہ لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اپنے پرائے سب ان کا احترام کرتے تھے۔ ہماری بلڈنگ میں وہ واحد چھڑے چھانٹ تھے اور کسی بھی فیملی والے کو ان کی یہاں رہائش پر اعتراض نہیں تھا۔ وہ بزرگ آدمی تھے۔'' اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک دکھی سانس خارج کی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی شاہ صاحب کا انتقال ہوا ہے..... آج سے لگ بھگ ایک ماہ پہلے!''

''او کے..... اب ہم وقوعہ کی رات کی طرف آتے ہیں۔'' میں نے بڑی رسان سے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جب تم اپنی دکان..... مطلب یہ کہ سیٹھ مشتاق کی دکان سے چھٹی کر کے گھر پہنچے تو تمہاری پڑوسن فیز کی تبدیلی کے حوالے سے شاہ صاحب مرحوم و مغفور سے بات کر رہی تھی۔ شاہ صاحب نے معذرت کرتے ہوئے تم سے یہی کام کرنے کو کہا اور تم انکار نہ کر سکے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی ہاں..... بالکل درست!''

''تم نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے دل پر جبر کر کے پڑوسن کے گھر میں داخل ہو گئے۔'' میں نے کہا۔ پھر سوال کیا۔ ''کیا شاہ صاحب تمہاری اپنی پڑوسن سے چپقلش اور اس کے کردار سے واقف تھے؟''

''جی نہیں..... بالکل نہیں۔'' وہ قطعیت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اگر انہیں ان معاملات کی بھنک بھی ہوتی تو وہ مجھے کسی بھی قیمت پر اس فاحشہ کے گھر میں جانے کو نہ کہتے۔''

''ٹھیک ہے.....!'' میں نے جرح کے زاویے کو تھوڑا اور گھماتے ہوئے پوچھا۔ ''ذرا یہ بتاؤ کہ فیز کی تبدیلی کا کیا چکر ہے؟''

''جناب! ہماری بلڈنگ میں بجلی کے تین فیز آتے ہیں۔ کل فلیٹ پینتالیس ہیں۔ ہر پندرہ فلیٹ ایک فیز پر ہیں۔ جب تینوں فیز آ رہے ہوتے ہیں تو پوری بلڈنگ روشن دکھائی دیتی ہے۔ ایک فیز نہیں آ رہا ہو تو پندرہ فلیٹ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں اور دو فیز نہیں آ رہے ہوں تو تیس فلیٹ۔ اسی طرح اگر تینوں ہی فیز غائب ہو جائیں تو سمجھیں گھپ اندھیرا چھا جائے گا.....''

اس نے رک کر ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ایک فیز کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے بعض لوگوں نے اپنے گھر میں ''سسٹم'' بنا رکھے ہیں۔ ایک بورڈ پر مختلف بٹن اور گرپ (کٹ آؤٹ) وغیرہ لگا کر دوسرا فیز بھی لے رکھا ہے تاکہ جب ایک فیز چلا جائے تو

دوسرے فیز سے استفادہ کیا جائے۔ اس کے لیے گرپ یعنی کٹ آؤٹ کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔''

''کیا تم نے بھی اپنے گھر میں یہ سسٹم لگا رکھا ہے؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

میں نے پوچھا۔ ''تو تمہاری پڑوسن کے ہاں یہ سہولت میسر ہے؟''

اب اس کی گردن نے اثبات میں جنبش کی۔ ''جی ہاں..... جب سے گلزار نے نوری سے شادی کی ہے، گھر میں فیز چینج کا سسٹم بھی لگوا لیا ہے۔ سنا ہے، نوری کو گرمی بہت لگتی ہے۔ گلزار کی پہلی بیوی بڑی صابر شاکر تھی، ہر حال میں گزارہ کرنا جانتی تھی، اللہ اس کو جنت نصیب کرے!''

''اوہ.....!'' میں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''تو کیا گلزار کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا؟''

''جی..... صفیہ ایک سال پہلے فوت ہو گئی تھی۔'' امین نے جواب دیا۔ ''میں سمجھتا ہوں، صفیہ کو نوری کا غم کھا گیا تھا.....!''

''نوری کا غم.....!'' میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

یہ تمام تر حالات و واقعات میرے علم میں تھے لیکن چونکہ ان تمام پوائنٹس کو عدالت میں رجسٹر کرانا ضروری تھا اس لیے میں چونکے ہوئے انداز میں یہ ڈراما کر رہا تھا۔

''جی، نوری کا غم!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''صفیہ نے گلزار کا خاصا طویل ساتھ دیا تھا۔ سننے میں آیا ہے کہ ان دونوں نے شادی شدہ زندگی کے بیس سال ایک ساتھ گزارے تھے۔ بس، صفیہ کی بدقسمتی کہ وہ گلزر کو باپ بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی اور اس میں اس بے چاری کا کوئی قصور نہ تھا.....'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''بہر حال، صفیہ کے انتقال سے کوئی سال بھر پہلے نوری، گلزار کی زندگی میں ٹپک پڑی۔ نوری ایک شادی شدہ عورت تھی۔ اس کے شوہر انوار کی مچھلی مارکیٹ میں ہارڈ ویئر کی دکان ہے۔ نوری کی اپنے شوہر سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ آئے دن ان میں مار پیٹ ہوتی رہتی تھی۔ مچھلی مارکیٹ ہی میں گلزار کی بھی کریانے کی دکان ہے جسے وہ جنرل اسٹور کہتا ہے۔ نوری، گلزار کی دکان سے سودا وغیرہ لیا کرتی تھی۔ بس، یہیں ان کی سیٹنگ ہو گئی اور نوری کے گھر میں سودا مفت میں جانے لگا۔ یہ معاملہ زیادہ عرصے تک صفیہ سے چھپا نہ رہا۔ اس نے گلزار کو سمجھانے کی کوشش کی تو گھر میں لڑائی، جھگڑا شروع ہو گیا۔ اسی دوران میں نوری کے شوہر نے اسے طلاق دے دی۔ کچھ عرصے کے بعد گلزار

نے نوری سے شادی کر لی۔ صفیہ نے اس پر جب احتجاج یا تو گلزار نے اسے طلاق دے کر اپنے گھر سے نکال دیا۔ صفیہ اپنی بہن کے گھر چلی گئی، پھر چند ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ ہے کل کہانی جناب.....!''

''بڑی افسوس ناک کہانی ہے۔'' میں نے ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے کہا، پھر اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

''امین! شاہ صاحب کی درخواست پر جب تم مبینہ مظلومہ کے فلیٹ میں داخل ہوئے تو اس کے بعد کیا ہوا تھا؟'' میں نے اپنے مؤکل سے سوال کیا۔

اس نے جواب دیا۔ ''کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے اس کے فیز کا کٹ آؤٹ تبدیل کیا، اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور میں اپنے گھر آ گیا۔''

''پھر..... پھر کیا ہوا؟'' میرے استفسار میں تیزی آ گئی۔

''میری ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ دکان سے گھر آنے کے بعد میں پہلے نہاتا ہوں پھر دادی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہوں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''وقوعہ کے روز بھی میں نے یہی کیا لیکن جب میں نہا رہا تھا تو ایک فوری خیال کے تحت چونک اٹھا۔ ہمارا اور نوری کا فیز ایک ہی تھا۔ جب اس کا فیز گیا ہوا تھا تو ہمارا کیسے آ رہا تھا۔ ہمارے پاس تو کٹ آؤٹ کی تبدیلی کا سسٹم نہیں تھا۔ اگر یہ فیز گیا ہوا ہوتا تو ہمارے گھر میں لائٹ نہیں ہونا چاہیے تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ نوری نے پہلے اپنے فیز کا کٹ آؤٹ نکالا اور پھر مجھے دھوکے سے اپنے گھر میں بلایا لیکن کیوں..... اس دھوکے سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی؟''

وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ سوال چند منٹ تک میرے دماغ میں چکراتا رہا پھر میں جیسے ہی نہا کر فارغ ہوا، مجھے اس سوال کا جواب مل گیا.....''

''کیا جواب ملا؟'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں کپڑے پہن کر واش روم سے نکلا ہی تھا کہ باہر شور سنائی دیا۔'' ملزم امین نے بتایا۔ ''پھر ہماری ڈور بیل بجی، اس کے ساتھ ہی ہمارا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھول دیا کہ دیکھوں تو باہر کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ واقعی، باہر ایک قیامت برپا تھی۔ کوریڈور میں درجن بھر عورتیں اور مرد موجود تھے، جن میں معظم بھائی اور رفیق بندھانی بھی شامل تھے۔ یہ تمام افراد ہماری بلڈنگ ہی کے رہائشی تھے اور وہ سب کے سب نفرت بھری نظروں سے

مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں ان کی نگاہوں کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا..... کیا ہو گیا؟..... میرے اس سوال کے جواب میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ..... میں نے اپنی پڑوسن نوری کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہے.....!''

بیان مکمل کرنے کے بعد ملزم نے گردن جھکا دی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور جج سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''جناب عالی! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں.....؟''

آئی او وحید مرزا عدالت کے کمرے میں موجود تھا۔ جج کے اشارے پر وہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس کے قریب پہنچا اور اپنی آنکھوں میں شناسائی کا شائبہ تک نہ لاتے ہوئے روکھے لہجے میں سوال کیا۔

''مرزا صاحب! آپ کو مبینہ زیادتی کے اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

''ہمارے روزنامچے کے ریکارڈ کے مطابق، یہ اطلاع وقوعہ کی رات کوئی پونے گیارہ بجے دی گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اطلاع فراہم کرنے والے شخص کا نام رفیق بندھانی تھا جو اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کی کمیٹی کا صدر بھی ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ رفیق بندھانی نے تھانے فون کر کے بتایا تھا کہ ان کی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں یہ افسوس ناک واقعہ پیش آیا ہے۔''

''آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''ٹھیک گیارہ بجے۔''

''پھر آپ نے ملزم کو گرفتار کر لیا.....؟''

''اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا.....!'' اس نے کندھے اچکا دیئے۔

میں نے پوچھا۔ ''جائے وقوعہ کی کارروائی کیا کہتی ہے؟''

''ہم نے جائے وقوعہ پر موجود مظلومہ کے شوہر کے علاوہ بھی چند افراد کے بیانات قلم بند کیے تھے جو ملزم کی مخالفت میں جاتے ہیں۔''

''اور مظلومہ کا بیان؟''

''وہ تو سراسر ملزم کے خلاف ہے۔''

''آپ کی مبینہ مظلومہ کا طبی معائنہ کیا کہتا ہے؟''

''طبی معائنے نے اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی مکمل تصدیق کی ہے۔''

''دیگر شواہد کی کیا تفصیل ہے؟''

''بیڈ شیٹ پر ایسے دھبے پائے گئے تھے کہ اسے لیبارٹری ٹیسٹ کے لیے بھجوانا پڑا۔'' آئی او نے فخریہ انداز میں بتایا۔ ''اور اس ٹیسٹ کی رپورٹ بھی ملزم کے خلاف ہے۔''

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا اس رپورٹ میں ملزم کا نام بھی آیا ہے؟''

''کیا مطلب.....؟'' وحید مرزا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''مطلب یہ کہ.....'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا بیڈ شیٹ کے معائنے کی رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ آپ کی مبینہ مظلومہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ذمے دار میرا مؤکل ہے؟''

''جی نہیں۔'' اس نے الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھا۔ ''رپورٹ صرف اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اس بیڈ شیٹ پر مذکورہ فعل وقوع پذیر ہوا ہے۔''

''اسی طرح مظلومہ کا طبی معائنہ بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ مذکورہ فعل سے گزری ہے۔'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''لیکن یہاں بھی ملزم کی جانب کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا۔ پھر.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر چارحانہ انداز میں آئی او سے پوچھا۔

''پھر آپ کس بنیاد پر میرے مؤکل کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں..... اگر آپ کی مبینہ مظلومہ کسی فعل سے گزری ہے یا اسے کسی فعل سے گزارا گیا ہے تو اس میں میرے مؤکل کا کیا قصور ہے؟''

''وکیل صاحب!'' انکوائری آفیسر وحید مرزا گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ملزم کو اس بنا پر قصوروار ٹھہرایا جا رہا ہے کہ مظلومہ نے اسے اپنا مجرم قرار دیا ہے۔ ہمارے پاس ایسے واقعاتی ثبوت ہیں کہ ملزم، مظلومہ کے فلیٹ میں گیا، رومال سنگھا کر اسے بے بس کیا اور اپنی خبیث خواہش کی تکمیل کے بعد وہ واپس آ گیا۔ ملزم نے خود اس امر کا اقرار کیا ہے کہ وہ مظلومہ کے فلیٹ کے اندر گیا تھا اور.....'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے تھما پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''ہمارے لیے سب سے اہم شے مظلومہ کا طبی معائنہ اور اس کا حلفیہ بیان ہے اور یہ دونوں چیزیں ملزم کے خلاف جاتی ہیں۔''

''اور میرے لیے سب سے اہم شے میرے مؤکل کا طبی معائنہ اور اس کا حلفیہ بیان ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے خاصے سنگین لہجے میں کہا۔ ''میرے مؤکل کا حلفیہ بیان اس کے حق میں جاتا ہے اور اس کا طبی معائنہ تو آپ نے کرایا ہی نہیں حالانکہ آپ کی مظلومہ کی

طرح میرے مؤکل کا طبی معائنہ بھی بے حد ضروری تھا..... آپ کا اس طرف دھیان کیوں نہیں گیا تھا؟''

''ہم اتنے ننھے بچے نہیں ہیں وکیل صاحب!'' وہ طنزیہ انداز میں مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا دھیان فوراً سے پیشتر اس طرف گیا تھا لیکن چالاک ملزم نے یہاں بھی بڑی عیاری سے کام لیا تھا۔ وہ اپنے جرم کے ثبوت کو مٹانے کے لیے گھر جاتے ہی نہا لیا تھا۔ جب ہم نے اسے گرفتار کیا تو وہ نہا دھو کر اجلا لباس پہن چکا تھا۔ اس صورت میں اس کے طبی معائنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے ہم نے ایسی کوشش نہیں کی۔''

''ڈیوٹی سے آنے کے بعد غسل کرنا میرے مؤکل کی عادت میں شامل تھا اور اس امر کو ثابت کرنے کے لیے میں دس گواہ بھی پیش کر سکتا ہوں۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''ملزم نے نہا لیا تھا تو کیا ہوا۔ آپ بیڈ شیٹ کے ساتھ ملزم کے لباس کو بھی لیبارٹری ٹیسٹ کے لیے بھجوا سکتے تھے تاکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ آپ کی مظلومہ کے ساتھ ہونے والی مبینہ زیادتی کا ذمے دار میرا مؤکل ہی تھا۔''

''آپ اپنے مؤکل کو جتنا سیدھا سادا سمجھ رہے ہیں یہ ویسا ہے نہیں.....'' آئی او نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' میں نے چونک کر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ جواب میں بتانے لگا۔ ''جناب! اس شاطر نے نہانے سے پہلے اپنے اترے ہوئے لباس کو سرف ڈال کر ایک ٹب میں بھگو کر رکھ دیا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں، ہم اس بھیگے ہوئے اور میل کٹے ہوئے سرف آلود لباس کو لیبارٹری بھجوا کر کیا کرتے؟''

''واقعی، آپ کے ساتھ تو بڑی زیادتی ہوئی ہے۔'' میں نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اپنے مؤکل کو بہت چھپا کر رکھنا پڑے گا۔''

''چھپا کر رکھنا پڑے گا..... کیا مطلب؟'' آئی او نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے کہا۔ ''اس کے ٹیلنٹ کی وجہ سے..... اور کیوں؟''

''اس کے ٹیلنٹ کو کیا ہوا ہے.....؟'' اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔

''آپ نے میرے مؤکل کے جو خواص بیان کیے ہیں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے اس پر چوٹ کی۔ ''ان کی روشنی میں مجھے ڈر ہے کہ اس بندے کو کوئی اغوا نہ کر لے.....''

''اغوا......!'' اس نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''اسے کون اغوا کرے گا؟''

''آئی او صاحب!'' میں نے بہ دستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''یہ تو ہوسکتا ہے کہ اپنا بندہ سمجھ کر ایم آئی، آئی بی، آئی ایس آئی اور سی آئی اے والے اسے گھاس نہ ڈالیں لیکن امریکی اور یورپی ایجنسیز کی نظر سے یہ نہیں بچ سکے گا۔ اتنے ٹیلنٹڈ آدمی کو تو وہ فوراً اغوا کر کے اپنے ملک لے جائیں گے اور اس کی برین واشنگ کر کے، اپنا مطیع و فرماں بردار بنا کر ''کام'' سے لگا دیں گے...... ساری زندگی انہوں نے یہی کیا ہے......!''

وہ خجل سا ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔ میں نے بہ آواز بلند کہا۔

''آپ استغاثہ کے ان معزز گواہوں کو کب عدالت میں پیش کر رہے ہیں جن کا زور بیان میرے مؤکل کو عبرت ناک سزا کا مستحق ٹھہرائے گا......؟''

''انشاء اللہ! آئندہ پیشی سے گواہوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔''

''انشاء اللہ! اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' میں نے بڑے وثوق سے کہا۔

وہ چونکا اور جواباً پوچھا۔ ''آپ اتنی بڑی بات کس بنا پر کہہ رہے ہیں؟''

میں نے آئی او کے استفسار کو جوتے کی نوک پر مارا اور روئے سخن جج کی طرف موڑتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا مخصوص اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!''

⊕ ⊕ ⊕

منظر اسی عدالت کا تھا۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا لیکن میں اس روز خاصے خطرناک تیور اور جارحانہ موڈ کے ساتھ عدالت میں پہنچا تھا۔ میرے اس مزاج و موڈ کا ایک خاص سبب تھا کہ میں نے اپنے ذہن میں بہت کچھ پلان کر رکھا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ کیس کچی لسی کی طرح بڑھتا چلا جائے۔ مجھے آج اس کیس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنا تھی۔ اس سلسلے میں کام آنے والے تمام تر کیل کانٹے اور ہتھوڑیاں میرے ''پاس'' موجود تھیں۔

اس سے پہلے کہ استغاثہ کی جانب سے استغاثہ کے گواہوں کو پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوتا،

میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے استدعا کی۔

''جناب عالی! میں صرف دس منٹ کے لیے مبینہ مظلومہ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں، اگر معزز عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو.....!''

جج نے ایک لمحہ سوچا اور پھر مجھے اجازت دے دی۔

نوری اس سے پہلے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا چکی تھی۔ اس نوعیت کے مجرمانہ حملے کا نشانہ بننے والی لڑکیاں اور عورتیں عموماً اپنا بیان تحریر کی شکل میں دائر کرتی ہیں مگر پہلے ایک ابتدائی پیشی پر نوری نے جتنی بہادری اور جرأت مندی سے حلفیہ بیان ریکارڈ کرایا تھا، وہ اس کی بے حیائی اور بے باکی کی نشاندہی کرتا تھا۔ یہ وہی بیان تھا جو وہ اس سے پہلے پولیس کے روبرو دے چکی تھی اور اسی بیان کی بنا پر پولیس نے میرے مؤکل کو ملزم گردانتے ہوئے حوالہ عدالت کیا تھا۔ مظلومہ نے مجرمانہ حملے کی تفصیل کو جتنی بے باکی اور ''ہنرمندی'' سے بیان کیا تھا تقاضائے اخلاق اس کارروائی کو تحریر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

نوری کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی لیکن دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے کم نظر آتی تھی۔ وہ بہ مشکل چوبیس پچیس کی لگتی تھی۔ وہ جاذب نظر اور پرکشش نقوش کی حامل ایک خوبصورت گوری چٹی عورت تھی۔ نوری کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی مقناطیسی کشش پائی جاتی تھی جو سامنے والے کو بے بس کر کے رکھ دیتی تھی۔

نوری نے موسم کی مناسبت سے ایک خوش نما لباس زیب تن کر رکھا تھا اور بال جدید انداز میں کندھوں تک کٹوا رکھے تھے۔ دوپٹے کو سر پر اوڑھنے کے بجائے گلے میں ڈال رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی ہشاشیت اور بشاشیت کو دیکھ کر قطعاً یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے وہ کسی مجرمانہ حملے کا نشانہ بن چکی تھی۔ اس کی شخصیت، ناز و انداز اور سجاوٹ سے یہی تاثر ابھرتا تھا کہ وہ شاپنگ وغیرہ کے لیے گھر سے نکلی ہے یا پھر کسی گائنی کے کلینک جانے کا ارادہ ہے۔

میں نے اپنی جرح کا آغاز خاصے خشک اور جارحانہ انداز میں کیا۔ ''نوری صاحبہ!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''گلزار سے آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''لگ بھگ ایک سال ہونے والا ہے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ گلزار کی پہلی بیوی صفیہ کا انتقال آپ کی وجہ سے ہوا تھا؟''

''یہ سچ نہیں ہے۔'' وہ بڑی رسان سے بولی۔ ''صفیہ طبعی موت مری ہے۔ اس کی موت میں

میرا کوئی ہاتھ نہیں۔''

''آپ کی وجہ سے گلزار نے صفیہ کو طلاق دے دی تھی۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''وہ اس غم کو سینے سے لگائے اپنی بہن کے گھر چلی گئی اور پھر وہیں اس کی موت واقع ہوگئی یعنی اس کی موت کا ایک سبب بہرحال آپ ہیں.....؟''

''یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ گلزار نے میری وجہ سے صفیہ کو طلاق دی تھی۔'' نوری نے کسی منجھے ہوئے کھلاڑی کے مانند کہا۔ ''طلاق کا مطالبہ صفیہ کی طرف سے آیا تھا حالانکہ گلزار تو ہم دونوں کو ایک چھت کے نیچے رکھنا چاہتا تھا۔ صفیہ نے گلزار کی دوسری شادی پر گھر میں فساد ڈالا اور طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ گلزار نے تنگ آ کر اس کی یہ خواہش پوری کر ہی دی اور میں سمجھتی ہوں، گلزار کا فیصلہ بالکل درست تھا.....'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی پھر عجیب سے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''جو عورت پندرہ بیس سال میں اپنے میاں کو ایک بچہ نہ دے سکے، اس کو آخر کہاں تک برداشت کیا جا سکتا ہے۔''

''اگر چند سال کے بعد آپ کی گود بھی ہری نہ ہوئی تو کیا یہ فارمولا آپ پر بھی اپلائی کیا جا سکتا ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''مجھ میں اور صفیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے وکیل صاحب!'' وہ بڑے فخر سے سینہ تان کر بولی۔

میں نے اس کے اسٹائل کے پیش نظر پوچھنا ضروری جانا۔ ''مثلاً کیا فرق ہے..... آپ میں سے زمین کون ہے اور آسمان کون؟''

''میں آسمان ہوں۔ صفیہ زمین پر تھی.....'' وہ بڑے غرور سے بولی۔

''ذرا وضاحت کریں نوری صاحبہ؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نے جج سے صرف دس منٹ کی اجازت لے کر مظلومہ نوری سے سوال جواب کا سلسلہ شروع کیا تھا اور دس منٹ کی یہ مدت پوری ہو چکی تھی لیکن جرح جتنی دلچسپی اور محظوظ کن ثابت ہو رہی تھی اس نے سب کو باندھ کر رکھ دیا تھا۔ جج نے مجھے ٹوکنے کی کوشش کی اور نہ ہی وکیل استغاثہ نے نعرۂ اعتراض بلند کیا لہٰذا میں بڑی ثابت قدمی سے اپنے ''کام'' میں لگا رہا۔

نوری نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔ ''عورت کے دل اور دماغ میں اگر گنجائش

ہو اور وہ گھریلو معاملات کو ہینڈل کرتے ہوئے سمجھ داری کا ثبوت دے تو اڑیل سے اڑیل مرد کو بھی مٹھی میں کیا جا سکتا ہے اور گلزار تو بہت ہی سیدھا اور شریف النفس انسان ہے.....'' وہ بولتے بولتے رکی، ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''گلزار نے مجھ سے شادی کی تو صفیہ نے گھر میں ایسا فساد برپا کیا کہ گھر میدان جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگا۔ آئے روز کے لڑائی جھگڑوں اور صفیہ کے طلاق والے مطالبے سے تنگ آ کر گلزار نے اسے فارغ کر دیا۔ اگر صفیہ کی جگہ میں ہوتی تو ہرگز ایسی حماقت کا ثبوت نہ دیتی.....

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ اگر آج گلزار کسی اور عورت سے شادی کر لیتا ہے تو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا؟'' میں نے اسے پکا کرنے کی غرض سے کہا۔ ''آپ اپنی سوتن کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگیں گی۔''

''بالکل.....اس میں ایسی پریشانی اور حیرانی والی کون سی بات ہے۔'' وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔ ''وکیل صاحب! اگر ہمارے مذہب نے ایک مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے تو ہمیں اپنے مذہب کے احکامات کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مرد انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا ہے اور اس میں ہمت ہے تو ایک وقت میں اسے چار شادیاں کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔''

''میں مذہب اور شریعت کی بحث میں تو نہیں پڑوں گا کیونکہ یہ میرا موضوع اور زیر سماعت کیس کا معاملہ نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن آپ پہلی خاتون ہیں جو دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کے معاملات میں مردوں کی حمایت میں یوں بڑھ چڑھ کر بول رہی ہیں۔ میں آپ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔''

بات کے اختتام پر میں نے باقاعدہ ہاتھ کو پیشانی سے لگا کر نوری مبینہ مظلومہ کو سلام بھی کیا۔ وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی۔ اسٹائل کسی سنسنی خیز تقریب کے دعوت نامے جیسا تھا۔ ان لمحات میں میرے ''سیلیوٹ'' کو دیکھ کر وہ یہی سمجھی ہوگی کہ میں اس کے دام میں آ گیا ہوں۔ بے چاری قطعاً یہ نہیں جانتی تھی کہ میں آگے اسے کون سا رگڑا دینے والا ہوں۔

یہاں سے میں نے سوالات کے زاویے اور موڑ کو بالکل تبدیل کر دیا۔ اگر ابھی تک کسی طرف سے اعتراض نہیں آیا تھا تو کسی بھی وقت آ سکتا تھا لہٰذا مجھے اب اپنے مقصد سے چپک جانا چاہیے تھا۔ حاضرین عدالت کی تفریح طبع کا سامان بہت ہو چکا تھا۔

''عورت کے دل و دماغ میں اگر گنجائش ہو اور وہ گھریلو معاملات کو ہینڈل کرتے ہوئے سمجھ داری کا ثبوت دے تو اڑیل سے اڑیل مرد کو بھی بہ آسانی مٹھی میں کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تصدیق طلب لہجے میں پوچھا۔ ''تھوڑی دیر پہلے آپ نے انہی زریں خیالات کا اظہار کیا ہے نا.....؟''

''جی ہاں.....!'' اس نے بڑے اعتماد سے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''میں اپنے کہے ہوئے الفاظ پر ثابت قدم ہوں۔''

''ویری گڈ!'' میں نے ستائشی نظر سے نوری کو دیکھا اور کہا۔ ''آپ کی یہ ثابت قدمی میرے مؤکل کے لیے پروانۂ بریت ثابت ہونے والی ہے۔''

''جج.....جی.....'' وہ پہلی مرتبہ گڑبڑائی۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

میں نے اسے مطلب سمجھانا ضروری نہ جانا اور کڑے لہجے میں پوچھا۔ ''نوری! کیا یہ درست ہے کہ گلزار سے پہلے آپ انوار نامی ایک شخص کی منکوحہ ہوا کرتی تھیں.....وہ انوار جس کی ادھر مچھلی مارکیٹ میں ہارڈ ویئر کی دکان ہے.....؟''

''ہاں.....یہ درست ہے.....'' اس نے اضطراری لہجے میں جواب دیا۔

''انوار کے ساتھ آپ کی شادی کتنا عرصہ قائم رہی؟''

''صرف تین سال!''

''صرف تین سال.....!'' میں نے دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں نکال کر نوری کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''شادی میں ناکامیابی کا سبب کیا تھا؟''

''انوار صحیح آدمی نہیں تھا.....'' وہ گول مول انداز میں بولی۔

مجھے گول مول نہیں، صاف اور واضح جواب چاہیے تھا لہٰذا میرے سوالات میں چبھن زدہ تیزی آ گئی۔ اب میں اسے چاروں خانے چت کیے بغیر چھوڑنے والا نہیں تھا۔

''صحیح آدمی نہیں تھا.....کیا مطلب؟'' میں نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔ ''کیا اس کی ہارڈ ویئر کی دکان اچھی طرح نہیں چلتی تھی اور گھر میں معاشی پریشانی نے ڈیرا ڈال رکھا تھا؟''

''نہیں.....دکان تو اس کی اچھی خاصی چلتی تھی!'' وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

''کیا انوار کوئی خطرناک اور قابل مذمت نشہ کرتا تھا؟''

''جی نہیں!''

''اسے جواء وغیرہ کھیلنے کی عادت تھی؟''

اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

میں نے پوچھا۔''کیا وہ بری عورتوں کا رسیا تھا؟''

''قطعاً نہیں!'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

''کیا آپ کا سابق شوہر کسی لاعلاج مرض میں مبتلا تھا؟''

''نہیں جناب! ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی.....''

''کیا وہ وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں تھا۔'' میں نے اس کی پسپائی کو آخری دیوار سے لگاتے ہوئے پوچھا۔''اسے کسی خاص قسم کے پوشیدہ علاج کی ضرورت تھی.....؟''

''اس کے ساتھ ایسا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔''

''پھر کیا مسئلہ تھا اس کے ساتھ.....!'' میں نے چیخ سے مشابہ لہجے میں استفسار کیا۔''آپ نے ایک اچھے خاصے، بھلے مانس اور شریف النفس انسان کو چھوڑ کر دوسری شادی کیوں کی.....؟''

نوری نے پریشان ہو کر امداد طلب نظروں سے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا تو اسی لمحے وکیل استغاثہ کو اپنے فرائض کا خیال آ گیا۔ وہ بڑے جارحانہ انداز میں احتجاجی صدا بلند کرتے ہوئے بولا۔

''آبجیکشن یور آنر! میرے فاضل دوست مظلومہ کے ساتھ بڑی زیادتی کر رہے ہیں۔ انہیں اس کوشش سے روکا جائے.....!''

میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔''ایک تو میرے مؤکل کو مظلومہ کے ساتھ زیادتی کے الزام میں پچھلے چار پانچ ماہ سے عدالت اور جیل میں گھسیٹا جا رہا ہے اور اب یہی الزام مجھ پر عائد کرنے کا منصوبہ بن رہا ہے.....اللہ خیر کرے!''

وکیل استغاثہ نے جلالی انداز میں کہا۔''ڈیفنس کونسلر نے صرف دس منٹ کی اجازت حاصل کر کے مظلومہ کا ٹرائل شروع کیا تھا اور اب آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ کا وقت گزر چکا ہے۔ مظلومہ کی پہلی شادی کی ناکامی کا زیر سماعت کیس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میرے فاضل دوست اس فضول بحث سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟''

''میٹھا ہپ ہپ، کڑوا تھو تھو.....!'' میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں وکیل استغاثہ کی حجامت بنانے کا عمل شروع کرتے ہوئے جج سے کہا۔''جناب عالی! جب تک میرا کوئی

سوال مبینہ مظلومہ کی پسلیوں میں نہیں چبھ رہا تھا، استغاثہ کو قطعاً یہ خیال نہیں آیا کہ عدالت کا قیمتی وقت برباد ہو رہا ہے بلکہ حاضرین عدالت کے ساتھ ہی آئی او صاحب اور وکیل سرکار بھی اس سنسنی خیز اور دلچسپ سچویشن کو انجوائے کر رہے تھے اور جیسے ہی مبینہ مظلومہ کو میرے سوالات کے جوابات دینے میں دشواری محسوس ہوئی، فوراً یہ اعتراض سامنے آ گیا جو میری نظر میں اعتراض برائے اعتراض سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں.....''

میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر جج کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے مستحکم انداز میں کہا۔ ''جناب عالی! میں بڑے اعتماد، ذمے داری اور دعوے کے ساتھ معزز عدالت کو یقین دلاتا ہوں کہ مبینہ مظلومہ کی پہلی شادی کی ناکامی والا معاملہ زیر سماعت کیس کے ساتھ اسی طرح جڑا ہوا ہے جیسے ہڈی کے ساتھ گوشت اور گوشت کے ساتھ چکنائی۔ اگر ہم مظلومہ کی سابق زندگی اور ماضی کی طرف سے نگاہ چرا لیں گے تو معزز عدالت ان سنگین اور تلخ حقائق کو جاننے سے محروم رہ جائے گی جو میں اپنی جرح سے منظر عام پر لانا چاہتا ہوں لہٰذا..... مجھے چند منٹ مزید بولنے کا موقع دیا جائے۔''

جج نے وکیل استغاثہ کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے مجھے جرح جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ ''بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ.....!''

''پھر کیا مسئلہ تھا انوار کے ساتھ؟'' میں نے دوبارہ نوری کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کڑے انداز میں استفسار کیا۔ ''تم نے اسے چھوڑ کر گلزار سے شادی کرنے کا فیصلہ کیوں کیا..... انوار ''صحیح آدمی'' کس حوالے سے نہیں تھا.....؟''

نوری کی حالت دیدنی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ میں اچانک اسے یوں آڑے ہاتھوں لے لوں گا۔ اس نے تھوک نگلا اور سنبھالا لیتے ہوئے بولی۔

''وہ مجھے مارتا تھا..... بے دریغ پیٹتا تھا۔ میرے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتا تھا۔ انسان آخر کہاں تک برداشت کر سکتا ہے؟''

''تم نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو ان زریں خیالات کا اظہار کیا ہے کہ اگر کوئی عورت گھریلو معاملات کو ہینڈل کرتے ہوئے سمجھ داری کا ثبوت دے تو اڑیل سے اڑیل مرد کو بھی بہ آسانی مٹھی میں کیا جا سکتا ہے.....'' میں نے نوری کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''اور اس کے ساتھ ہی تم نے اس بات کا بھی دعویٰ کیا ہے کہ اڑیل سے اڑیل مرد کو بھی بہ

آسانی مٹھی میں کرنے کی صلاحیت تمہارے اندر موجود ہے پھر..... پھر تم نے انوار کو اپنے قابو میں کیوں نہیں کیا تھا..... کیوں؟''

''مم..... میں نے..... بتایا ہے نا.....'' وہ لکنت زدہ انداز میں بولی۔ ''انوار کسی جنگلی درندے سے کم نہیں تھا۔ وہ بڑے ظالمانہ انداز میں مجھے مارتا تھا اور..... یہ کہ میں نے اسے نہیں چھوڑا..... بلکہ اس نے مجھے..... طلاق دے دی تھی..... عورت تو اس معاملے میں مجبور ہوتی ہے۔''

''اس نے تمہیں طلاق دی تھی یا کسی بھی طرح تم نے اس سے جان چھڑائی تھی۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ایشو یہ نہیں ہے۔''

''پھر کیا ایشو ہے؟'' اس نے حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا۔

''ایشو یہ ہے کہ.....!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ''انوار تمہیں ظالمانہ انداز میں زدوکوب کیوں کرتا تھا جبکہ تھوڑی دیر پہلے تمہاری زبانی معزز عدالت کے ریکارڈ پر یہ بات آ چکی ہے کہ تمہارا سابق شوہر نکما اور نکھٹو تھا اور نہ ہی نشے باز، انوار کو جوئے کی لت تھی اور نہ ہی بدکردار عورتوں سے اس کے مراسم تھے۔ وہ کسی پوشیدہ وپے چیدہ مردانہ مرض میں بھی مبتلا نہیں تھا۔ یہ تمام تر صفات تو عموماً ولی اللہ لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ انوار تمہیں کس بات پر مارتا پیٹتا تھا۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ تو ہوگا اس کے ساتھ.....؟''

''اسے میرے کردار پر شک تھا.....'' وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ ''وہ مجھ پر الٹے سیدھے الزام لگاتا تھا اور میرے انکار پر وہ غصے میں آ کر مار پیٹ شروع کر دیتا تھا..... شاید یہ اس کا کوئی نفسیاتی مرض تھا..... میں کسی سے ہنس کر بھی بات کر لیتی تھی تو وہ..... آپے سے باہر ہو جاتا تھا..... اور پھر مجھے وحشیانہ سلوک سے گزارنے لگتا تھا.....''

''تم ایک حسین اور پرکشش عورت ہو نوری!'' میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے خطرناک پینترے میں ہمدردی کے جذبات شامل کر کے نوری کو اپنے دام میں لانے کی کوشش کی۔ ''اسی لیے جب تم کسی نامحرم سے تھوڑی بے تکلف ہوتی تھیں تو انوار کو حد سے زیادہ حسد محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ اندر سے جل بھن کر رہ جاتا تھا، پھر اپنی اسی جلن کو مٹانے کے لیے وہ تم سے مار پیٹ کیا کرتا تھا..... میرے خیال میں تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ وہ جلاپے کے مرض میں مبتلا ایک نفسیاتی مریض تھا.....!''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ جلدی سے تائیدی انداز میں بولی۔

میں نے ٹیلر ماسٹر مشتاق کی کاوشوں سے حاصل ہونے والی معلومات کو دھیرے دھیرے استعمال میں لانا شروع کیا اور بڑے خلوص بھرے لہجے میں مظلومہ سے پوچھا۔

''کیا کبھی انوار نے کسی لیاقت علی کے حوالے سے بھی تمہارے کردار پر شک کیا تھا.....؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کا تاثر تھا۔

میں نے اپنائیت بھرے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اس لیاقت علی کی بات کر رہا ہوں جس کی ادھر مچھلی مارکیٹ میں دودھ کی دکان ہے.....لیاقت ملک شاپ؟''

''جی.....جی ہاں.....'' وہ اثبات میں گردن ہلاتی ہوئے بولی۔ ''انوار کو لیاقت پر بھی شک تھا۔''

''لیکن تمہارا لیاقت کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں تھا؟''

''جی بالکل نہیں.....!''

''انوار کا شک بے بنیاد تھا.....اس کے بیمار ذہن کی پیداوار تھا؟''

''جی ہاں!''

''لیاقت علی کبھی تم سے ملنے گھر پر نہیں آیا تھا؟''

''کبھی نہیں.....!'' وہ قطعیت سے بولی۔

''انوار سے طلاق کے بعد تم نے پٹیل پاڑہ اور مچھلی مارکیٹ کا علاقہ چھوڑ دیا تھا۔'' میں نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''پھر تم نے گلزار سے شادی کر لی اور گارڈن ویسٹ کے علاقے میں آ گئی تھیں!''

''جی ہاں.....بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔''

میرے نرمی بھرے انداز نے اس کے ذہن میں یہ تاثر بھر دیا تھا کہ میں اس کا حمایتی بن گیا ہوں جبھی وہ بڑی شرافت سے میرے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔ میں نے سلسلہ جرح کو اختتامی موڑ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

''نوری! گلزار سے تمہاری شادی کو لگ بھگ ایک سال ہونے والا ہے۔ کیا اس دوران میں کبھی تمہیں لیاقت علی کی شکل نظر آئی؟''

''جی.....بالکل نہیں۔''

''اور اس ایک سال میں اس نے بھی تمہیں نہیں دیکھا ہوگا!''

''ظاہر ہے جناب! جب آمنا سامنا ہی نہیں ہوگا تو کوئی کسی کو دیکھے گا کیسے!'' وہ قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''وہاں تو میں اس کی دکان سے دودھ لینے چلی جاتی تھی تو سامنا ہو جاتا تھا.....''

''تمہارے موجودہ شوہر گلزار کا جنرل اسٹور بھی تو مچھلی مارکیٹ ہی میں ہے۔'' میں نے عام سے لہجے میں کہا۔ ''کیا وہ انوار اور لیاقت علی کو نہیں جانتا؟''

''جانتا ہے جناب!'' اس نے جواب دیا۔ ''ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک مارکیٹ کے دکاندار ایک دوسرے سے واقف نہ ہوں۔''

''اس کے باوجود بھی گلزار نے تم سے شادی کر لی!'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''گلزار اگر انوار اور لیاقت سے واقف ہے تو وہ تمام تر حالات و واقعات سے بھی آگاہ ہوگا۔ ہوگا یا نہیں؟''

''بالکل ہے!'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔ ''لیکن اپنی اپنی ذہنیت اور فطرت کی بات ہوتی ہے۔ گلزار مجھے بے گناہ اور مظلوم سمجھتا تھا اسی لیے اس نے کوئی بھی منفی خیال دل میں لائے بغیر مجھے اپنا لیا.....''

''اور تم نے اس کے احسان کو مٹی میں ملا دیا.....؟'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''کک.....کیا مطلب.....؟'' وہ ہکا بکا سی ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے دوستانہ اور ہمدردانہ لہجے کو خیر باد کہہ کر جو خالصتاً وکیل صفائی کا انداز اپنایا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اسی اسٹائل کو آگے بڑھاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا مطلب بھی مجھے ہی سمجھانا پڑے گا؟''

وہ سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مم.....میں نے کیا.....کیا ہے.....؟''

''تم نے.....گلزار کے اعتماد کی پیٹھ میں زنگ آلود خنجر گھونپا ہے نوری!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اس سنگین جرم پر کڑی سے کڑی سزا ملنا چاہیے!''

نوری کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ میری بات کی تہ تک تو پہنچ گئی تھی تاہم زبان سے اقرار کی ہمت نہیں تھی اس میں۔ اس موقعے پر وکیل استغاثہ نے حق استغاثیت ادا کرتے ہوئے احتجاجی نعرہ بلند کیا۔

''آبجیکشن یور آنر! میرے فاضل دوست مبہم الفاظ کا استعمال کر کے مظلومہ کو خوفزدہ اور

پریشان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں ایسی حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔''

جج نے میری جانب دیکھا اور گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''بیگ صاحب! وکیل سرکار کا اعتراض بڑی حد تک درست ہے۔ پچھلے پانچ منٹ سے آپ نے نوری سے جس قسم کی جرح کی ہے اس کا موضوع اور مفہوم واضح نہیں۔ اس کی آسان زبان میں تشریح کر دیں۔''

''ابھی کرتا ہوں جناب عالی!'' میں نے بڑی فرماں برداری سے کہا پھر اپنی مخصوص سیٹ پر جا کر فائلوں کی ساتھ مصروف ہو گیا۔

میں نے ایک فائل میں سے ایک لفافہ برآمد کیا اور بڑے ثابت قدموں سے چلتے ہوئے جج کے پاس آ گیا پھر مذکورہ لفافہ کھول کر، اس میں سے ایک فوٹو نکال کر اس طرح جج کی طرف بڑھایا کہ اس پر نوری کی نظر نہ پڑے۔ پھر میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! آپ اس فوٹو کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں۔ میں عدالت میں ایک چھوٹا سا سنسنی خیز ڈراما پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے نتائج اس کیس کو فیصلہ کن بنا دیں گے۔''

جج نے بڑی دریا دلی سے مجھے ڈرامے کی اجازت دے دی۔

میں بڑے اعتماد سے چلتے ہوئے اکیوزڈ باکس کے پاس پہنچا اور ملزم امین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے اپنے بیان اور بعد ازاں میری جرح کے جواب میں معزز عدالت کے روبرو یہ انکشاف کیا تھا کہ تم نے دو تین مرتبہ کسی غیر مرد کو گلزار کی غیر موجودگی میں نوری کے فلیٹ میں گھستے دیکھا تھا اور تمہارا دعویٰ ہے کہ نوری کے اس مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے جبھی تم نے مذکورہ مرد کے بارے میں گلزار کو رپورٹ دی تھی۔''

''جی ہاں، میں نے یہ سب کیا تھا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''میں تمہارا وکیل ضرور ہوں!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور..... میرا یہ کہا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا، یہ میرے دل کی آواز نہیں تھا۔ میں نے مزید کہا۔ ''لیکن اگر تمہارا کوئی دعویٰ یا بیان غلط ثابت ہو گیا تو میں تمہاری بچت کے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ تم اس عدالت سے عبرت ناک سزا پانے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا۔''

''جی، میں ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار ہوں۔'' وہ بڑی رسان سے بولا۔

میں نے ڈرامے کا اگلا سین شروع کیا اور ملزم کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''تم نے

اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ اگر وہ شخص تمہیں دوبارہ نظر آ جائے جو چوری چھپے نوری سے ملنے آ تھا تو تم فوراً اسے پہچان لو گے؟''

''جی ہاں..... میں اپنے دعوے پر قائم ہوں!'' اس کے اعتماد میں رتی بھر کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

''تم اپنے دعوے پر قائم ہو.....'' میں نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ لفافہ دوبارہ کھولا اور اس میں سے ایک فوٹو نکال کر بڑی احتیاط سے امین کی جانب بڑھا دیا پھر تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''کیا تم اس شخص کو جانتے ہو.....؟''

''یہ..... یہ..... یہ تو وہی ہے.....'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''جو گلزار کی عدم موجودگی میں نوری کے ساتھ گلچھرے اڑاتا تھا.....!''

''پکا.....؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''لو ہالاٹ پکا.....!'' وہ جوش بھرے لہجے میں بولا۔

میں نوری کی جانب بڑھ گیا اور لفافے میں سے ایک اور فوٹو نکال کر اسے دکھاتے ہوئے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

''ملزم کا پُروثوق دعویٰ ہے کہ یہ شخص تمہارے شوہر کی غیر موجودگی میں، تمہارے ساتھ وقت گزارنے آتا تھا۔ تم اس بارے میں کیا کہو گی؟''

وہ نفرت بھری نظر سے ملزم کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ جھوٹ بول رہا ہے، بکواس کر رہا ہے.....'' پھر اس نے کن انکھیوں سے فوٹو کو دیکھا اور کہا۔ ''میں اس شخص کو نہیں جانتی.....''

''پکا.....؟'' میں نے نوری سے بھی وہی سوال کیا۔

''جی..... بالکل پکا.....!'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔

میں نے فاتحانہ انداز میں جج کی جانب دیکھا اور سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ ''جناب عالی! دی ڈرٹی گیم از اوور.....!''

''کیا مطلب؟'' جج کے استفسار میں بڑا اضطرار چھپا ہوا تھا۔

میں نے ملزم سے فوٹو واپس لے لیا، نوری کو دکھایا جانے والا فوٹو پہلے ہی میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے یہ دونوں فوٹو جج کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔

''میرے اس ڈرامے کا یہ مطلب ہے یور آنر.....!''

ایک فوٹو جج کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ اس نے میرے پیش کردہ مزید دو فوٹوز کو بھی اپنے سامنے میز پر پھیلا دیا پھر اگلے ہی لمحے وہ سر سراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''یہ تینوں فوٹوز تو ایک ہی ہیں.....ایک ہی شخص کی تصویر کی تین کاپیاں!''

''جناب عالی! یہی حقیقت ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جس شخص کو ملزم نے ایک خاص معاملے کے لیے شناخت کیا ہے، اسی شخص کو مظلومہ پہچاننے سے انکاری ہے.....!''

جج کا تجسس ساتویں آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے خاصے اضطراری انداز میں پوچھا۔

''مگر یہ شخص ہے کون؟''

''لیاقت علی شیر فروش.....!'' میں نے بھری عدالت میں دھماکا کیا۔

''وہی دودھ فروش جس کے حوالے سے مظلومہ کا پہلا شوہر انوار اس کے کردار پر شک کرتا تھا اور بالآخر اسی شک کی بنا پر اسے طلاق بھی ہوئی تھی۔'' جج نے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔

''یس.....دیٹ از.....!'' میں نے بڑے مستحکم انداز میں جواب دیا۔

''لیکن مظلومہ اس کی پہچان سے کیسے انکار کر سکتی ہے؟''

''اقرار کرنے میں اس کی سازش کا پول کھل جائے گا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ سازش جس کے ذریعے اس نے میرے مؤکل کو شکار کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس کی راہ کا ایک کانٹا صاف ہو جائے اور یہ کھل کھلا کر ''چل پھر'' سکے.....!''

جج کے چہرے اور آنکھوں میں ناگواری کے تاثرات جاگے اور اس نے نوری سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''بی بی! تم اس سلسلے میں کیا کہتی ہو؟''

اس چالباز عورت نے ہارے ہوئے میچ میں آخری بال پر بھی شاٹ مارنے کی کوشش کی اور بڑی ڈھٹائی سے بولی۔ ''یہ تصویر لیاقت علی کی نہیں ہے۔''

میں اس کی ہمت اور ڈھٹائی پر اش اش کر اٹھا۔ جج نے روئے سخن میری جانب موڑتے ہوئے استفسار کیا۔ ''بیگ صاحب! اب آپ کیا کہیں گے؟''

''اگر لیاقت علی پنجاب جانے کا بہانہ کر کے منظر سے غائب نہ ہو گیا ہوتا تو میں اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر اسے عدالت میں لا کھڑا کرتا۔'' میں نے بڑے بھرپور انداز میں کہا۔ ''بہرحال، مظلومہ کا سابق شوہر میری درخواست پر، پچھلے دو گھنٹے سے عدالت کے احاطے میں موجود ہے۔ معزز عدالت انوار کو اندر بلا کر اس امر کی تصدیق کر سکتی ہے کہ یہ فوٹوز لیاقت علی ہی کے ہیں یا نہیں۔

اور.....مظلومہ کا موجودہ شوہر گلزار بھی اس وقت عدالت کے کمرے میں موجود ہے۔ یہ تصدیق تو اس سے بھی کی جا سکتی ہے۔ وہ بھی لیاقت علی دودھ فروش کو اچھی طرح جانتا ہے.....اگر کوئی نہیں جانتا اور کوئی نہیں پہچانتا تو وہ ہے نوری.....حالانکہ لیاقت علی سے، سب سے زیادہ جان پہچان بھی اسی کی تھی۔ اگر آپ کہیں تو.....!''

میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نوری ڈگمگائی اور تیورا کر وٹنس باکس کے فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ متعلقہ عدالتی عملہ بڑی تشویش بھری سرعت سے اس کی جانب لپکا اور جلد ہی یہ انکشاف ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔

نوری کی بے ہوشی اصلی تھی یا وہ کسی اداکاری کا مظاہرہ تھا لیکن میں ایک بات جانتا تھا کہ اپنے بھیانک انجام کا مکروہ چہرہ دیکھ کر اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے۔ جب فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں تو انسان بے بسی کے عالم میں، آنکھیں بند کر کے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے اور.....اگر کوئی وٹنس باکس کے فرش پر گر کر، آنکھیں موند لے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے.....!

چوری اور سینہ زوری کے بارے میں آپ نے بہت کچھ سن اور پڑھ رکھا ہو گا لہٰذا میں اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہوں گا کہ چوری اگر سنگین جرم ہے تو سینہ زوری سنگین ترین جرم کہلائے گا۔ جرم جتنا زیادہ سنگین ہو گا، اس کی سزا بھی اتنی ہی سخت ترین ہو گی۔ نوری بے چاری سینہ زوری میں ماری گئی تھی۔

یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گی کہ آئندہ پیشی پر، نوری کے اقبال جرم کے بعد عدالت نے میرے مؤکل امین کو اس کیس سے باعزت بری کر دیا تھا.....!

جی ہاں.....آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں۔

شناسا چہرہ

بعض چہرے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر نگاہ پڑتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے انہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ کہاں اور کب.....؟ یہ فوری طور پر یاد نہیں آتا اور ہمارا ذہن الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔

وہ بھی ایک ایسا ہی شناسا چہرہ تھا!

میں اسے ایک طویل عرصے کے بعد دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت خستہ اور قابل رحم حالت میں تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد میں نے اسے پہچان لیا اور اگلے ہی لمحے میری حیرت میں تعجب بھی شامل ہو گیا کہ کیفی.....اور اس کیفیت میں! میں بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا چلا گیا۔ واقعی، میرا ذہن اس صورت حال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

کفایت اللہ عرف کیفی اچانک ہی اندھیرے سے نکل کر میری گاڑی کے سامنے آ گیا تھا۔ میں اس وقت اپنے ایک عزیز کی تدفین کے سلسلے میں سخی حسن قبرستان آیا ہوا تھا۔ جب میری واپسی ہوئی تو چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں جیسے ہی اپنی گاڑی کو قبرستان سے نکال کر روڈ پر لایا، وہ ڈٹ کر گاڑی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

کیفی کے بدن پر لباس کے نام پر صرف ایک شلوار دکھائی دے رہی تھی جو اس نے گھٹنوں تک اُڑس رکھی تھی اور اس واحد پہناوے کو بھی میل کی تہوں نے اپنے اندر چھپا رکھا تھا۔ کیفی کے سر اور ڈاڑھی کے بال بے ترتیب بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہاتھ پاؤں سے بھی ننگا تھا۔ بالوں اور جسم کی حالت سے یہی پتا چلتا تھا کہ اسے غسل خانے کا منہ دیکھے مہینوں گزر چکے ہیں۔ اس کی مجموعی کیفیت ہوش و خرد سے بے گانہ ایک دیوانے ایسی تھی۔ آپ نے بھی اس قسم کا ایک آدھ کردار شہر کے کسی

حصے میں گھومتا پھرتا ضرور دیکھا ہوگا۔

میں نے کیفی کو بچانے کے لیے یک دم بریک لگا دیئے تھے لہٰذا وہ گاڑی کے بونٹ سے آ لگا تھا، تاہم اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی کیونکہ گاڑی کی اسپیڈ نہ ہونے کے برابر تھی۔ میں یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے انتظار کرنے لگا کہ وہ گاڑی کے سامنے سے ہٹے اور میں آگے بڑھوں۔

ممکن تھا کہ یہ انتظار طوالت پکڑ لیتا لیکن کیفی کو شاید میری حالت پر ترس آ گیا۔ وہ گاڑی کے سامنے سے ہٹ کر پہلو سے ہوتے ہوئے ڈرائیونگ سائڈ کی جانب بڑھنے لگا یعنی وہ سیدھا میری طرف آ رہا تھا۔

پہلے تو میں یہی سمجھا کہ اس نے بھی مجھے پہچان لیا ہے لیکن اس کے چہرے یا آنکھوں میں مجھے شناسائی کا شائبہ تک دکھائی نہ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے نزدیک پہنچتا، میں نے اپنی سائڈ کا شیشہ گرا دیا۔

اس نے بھیک مانگنے والے انداز میں جب اپنا غلیظ ہاتھ میرے سامنے پھیلایا تو میرا دل لرز کر رہ گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ اس موقعے پر مجھے کس نوعیت کے ردعمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے، پھر اگلے ہی لمحے بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''کیفی..... یہ میں تمہیں کس حال میں دیکھ رہا ہوں.....؟''

اپنا نام اور میرا حیرت بھرا سوال سن کر بھی اس کے چہرے پر شناسائی کا کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ وہ صحیح معنوں میں خود فراموشی کی منزل سے گزر رہا تھا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اب اسے کس انداز میں مخاطب کروں کہ اس نے یکا یک ایک ایسی حرکت کی جس سے میرا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ شاید وہ خیرات میں تاخیر کے باعث جلال میں آ گیا تھا۔

اس نے اچانک ہی بہت جارحانہ انداز میں ایک دو ہتڑ میری گاڑی کی چھت پر رسید کیا۔ اس وار میں ایسی طاقت بھری ہوئی تھی کہ گاڑی جھنجھنا اٹھی۔ اگلے ہی لمحے اس کا ایک غضب ناک ٹھڈا گاڑی کے دروازے پر پڑا اور وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے، لاتعلقی کے سے انداز میں ایک جانب بڑھ گیا۔

میں ہکا بکا اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ جلد ہی وہ ''ننگا فقیر'' اندھیرے کا حصہ بن کر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

میں چند لمحات تک اسٹیئرنگ تھامے، سکتے کے عالم میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا پھر ایک

جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھادی۔ کیفی نے گاڑی میں اچھا خاصا کام نکال دیا تھا۔

ایک بات تو طے تھی کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں تھا اور نہ ہی اس نے مجھے پہچانا تھا۔ اس کیفی کو دیکھ کر مجھے وہ کیفی یاد آ گیا، برسوں پہلے جس نے میرے ایک کیس میں استغاثہ کے گواہ کا کردار ادا کیا تھا.....اور.....؟

✠ ✠ ✠

اس کیس کو عدالت میں لگے تین ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔

ابتدائی پیشیوں میں تمام تر تکنیکی امور نمٹا لیے گئے تھے اور اب باقاعدہ سماعت کا نمبر تھا۔ جج کرسی انصاف پر براجمان ہوا تو عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی، میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد استغاثہ کے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں اپنے مؤکل اور اس کیس کے پس منظر سے آپ کو مختصراً آگاہ کرنا چاہوں گا تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔

میرے مؤکل کا نام عمران اور عمر اٹھارہ سال تھی۔ وہ ایک بیوہ کا اکلوتا بیٹا تھا اور اپنی ماں عالیہ کے ساتھ نشتر روڈ پر واقع ''نور اپارٹمنٹس'' نامی ایک بلڈنگ میں رہتا تھا۔ مذکورہ بلڈنگ دو بلاکس اے اور بی پر مشتمل تھی اور ہر بلاک میں بیس فلیٹس تھے۔ ملزم بلاک بی کے فلیٹ نمبر بیس میں رہائش پذیر تھا یعنی ٹاپ فلور پر۔ یہ بلڈنگ گراؤنڈ پلس فور کے حساب سے بنی ہوئی تھی اور ہر فلور پر صرف چار فلیٹس تھے۔

ملزم کی ماں عالیہ کی عمر پچپن چھپن رہی ہوگی۔ شوہر کے انتقال کو طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ عالیہ اپنی اور اپنے بیٹے کی گزر اوقات کے لیے ایک چھوٹی سی دکان کرتی تھی جو نیچے ایک گلی میں واقع تھی۔ اس دکان میں کھٹے آلو، کھٹے چنے، فرنچ فرائز اور بچوں کے دیگر چھوٹے موٹے آئٹمز فروخت ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں عالیہ نے اسٹیٹ کے کاروبار میں بھی ٹانگ پھنسا رکھی تھی۔ وہ محض دونوں پارٹیوں کو آپس میں ملا کر اپنا کمیشن کھرا کر لیتی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کسی کھڑاگ میں نہیں پڑتی تھی۔ مجھ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس نے کھارادر کے ایک معروف اسٹیٹ ایجنٹ کا وسیلہ اختیار کیا تھا جس کا شمار میرے تعلق داروں میں ہوتا تھا لہٰذا میں نے فیس کے سلسلے میں تھوڑی بہت رعایت بھی کر دی تھی۔

عمران.....یعنی اس کیس کا ملزم ایک دھان پان سا لمبا تڑنگا نوجوان تھا اور دکان داری کے کام میں وہ اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس نے بس، واجبی سی تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ جب اس کے پڑھنے کا وقت تھا تو عالیہ اس کام کی استطاعت نہیں رکھتی تھی اور جب دن پھرے تو عمران تعلیم کے حصول سے بہت دور نکل گیا تھا.....اسی نوجوان عمران پر قتل کا الزام تھا۔

مقتول کی رہائش بھی نور اپارٹمنٹس ہی میں تھی۔ وہ بلاک اے کے فلیٹ نمبر گیارہ میں رہتا تھا اور اس کا نام اشتیاق تھا۔ اشتیاق کی عمر بہ وقت موت پچیس سال تھی۔ وہ اپنے بڑے بھائی اشفاق، بھابی صدف اور ان کے دو بچوں فائز اور واحد کے ساتھ فلیٹ نمبر اے گیارہ میں رہا کرتا تھا۔

اشفاق آٹو اسپیئر پارٹس کی ایک بڑی شاپ پر بہت پرانا ملازم تھا۔ یہ دکان تبت سینٹر کے قریب واقع تھی۔ اشتیاق میٹرک سے آگے نہیں پڑھ سکا تھا لہٰذا اشفاق نے اسے پلازا پر واقع ٹائروں کی ایک دکان پر ملازم رکھوا دیا تھا۔ وہ کافی عرصے سے اسی دکان پر کام کر رہا تھا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق قتل کی یہ واردات آٹھ اکتوبر کی رات دو اور تین بجے کے درمیان پیش آئی تھی اور جائے وقوعہ بلڈنگ کی چھت تھی۔ مقتول اشتیاق کی لاش ایک پرانی چارپائی پر پڑی ملی تھی جو چھت پر پانی والی ٹینکی کے نزدیک بچھی ہوئی تھی۔ مقتول کو ایک وزنی ہتھوڑے کی مدد سے سر پر ضرب لگا کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ہتھوڑے کی یہ ضرب اس کی بے خبری میں لگائی گئی تھی اور اس طوفانی وار نے مقتول کی کھوپڑی کا سوا ستیاناس کر ڈالا تھا اور وہ موقعے پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔ موقع کی کارروائی کے دوران میں ہی پولیس نے آلۂ قتل بھی ڈھونڈ نکالا تھا۔

استغاثہ کی جانب سے پہلا گواہ کٹہرے میں آیا۔ یہ بلڈنگ کا چوکیدار دلاور خان تھا۔ دلاور کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ درمیانے قد اور مضبوط کاٹھی کا مالک تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھا لیا اور اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ اس کے پاس پہنچ گیا۔

''دلاور!'' وکیل استغاثہ نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جرح کا آغاز کیا۔ ''کیا تم اس لڑکے کو جانتے ہو؟''

بات کے اختتام پر وکیل استغاثہ نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے میرے مؤکل اور اس مقدمے کے ملزم عمران کی جانب اشارہ بھی کر دیا تھا۔ گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی اور جواب دیا۔

''جی ہاں.....جانتا ہوں۔''

''یہ کیسا آدمی ہے؟'' وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

''بہت ہی غصے والا اور جھگڑالو.....''

''میری معلومات کے مطابق، وقوعہ سے چند روز پہلے مقتول اور ملزم میں اچھا خاصا جھگڑا بھی ہوا تھا.....!'' وکیل استغاثہ جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''کیا وہ جھگڑا تمہارے سامنے ہی ہوا تھا؟''

''جناب! جب جھگڑا شروع ہوا تو میں ان کے پاس نہیں تھا۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''لیکن شور کی آواز سن کر میں اوپر پہنچ گیا تھا اور میں نے ہی انہیں چھڑایا تھا۔ یہ دونوں گتھم گتھا تھے۔''

''گتھم گتھا تھے اور ایک دوسرے پر لات مکا چلا رہے تھے.....؟'' وکیل استغاثہ نے قطع کلامی کرتے ہوئے لقمہ دیا۔

''جی ہاں جی ہاں.....!'' گواہ نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلائی۔

''کیا یہ سچ ہے کہ.....!'' وکیل استغاثہ گواہ کے چہرے پر نگاہ جما کر سنسنی خیز انداز میں مستفسر ہوا۔ ''اس دست و گریبانی اور مار پیٹ میں سراسر نقصان ملزم ہی کو پہنچا تھا۔ مقتول نے جیسے اسے .....دھوڑ الا تھا؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''ملزم کے ہونٹوں اور چہرے کے دوسرے حصوں سے خون نکل آیا تھا اور اس کی شرٹ کا گریبان بھی پھٹ گیا تھا۔ اشتیاق نے اسے بے دریغ مارا تھا۔''

''مقتول سے پٹنے کے بعد ملزم کے کیا تاثرات تھے؟''

''یہ مقتول کو گندی گندی گالیاں دے رہا تھا اور.....!''

''اور کیا.....؟''

''اور اس نے اشتیاق کو بڑی خطرناک دھمکی دی تھی۔'' گواہ نے بتایا۔

''کیسی دھمکی؟''

''اس نے کہا تھا.....'' گواہ دھمکی کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں اشتیاق! دیکھ لینا.....تمہیں جلد ہی بہت بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

وکیل استغاثہ نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی.....!''

اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے گواہوں والے کٹہرے کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے استغاثہ کے گواہ چوکیدار دلاور خان کی آنکھوں میں دیکھا اور جرح کا سلسلہ آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

''دلاور خان! تمہیں نورا پارٹمنٹس میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''کوئی دس سال ہو گئے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''پھر تو تم بلڈنگ کے تمام مکینوں کو بہت اچھی طرح جانتے ہو گے؟''

''جی ہاں.....''

''جب تم نے اس بلڈنگ میں ملازمت شروع کی تو.....'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''تو ملزم اور مقتول پہلے سے نورا پارٹمنٹس میں رہ رہے تھے یا تمہارے بعد آئے تھے؟''

''یہ لوگ پہلے سے وہاں رہ رہے تھے۔''

''دلاور خان!'' میں نے اپنے سوالات میں تیزی لاتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں تم نے بڑے وثوق سے بتایا ہے کہ ملزم نہایت ہی غصیلا اور جھگڑالو آدمی ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا.....؟''

''نہیں جناب!'' اس نے جلدی سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں نے بالکل یہی کہا تھا۔''

''پچھلے دس سال میں ملزم نے تم سے کتنی بار جھگڑا کیا؟''

''مم.....میرے ساتھ تو.....'' وہ گڑبڑاتے ہوئے انداز میں بولا۔ ''اس کا کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔''

''تم معزز عدالت کو صرف دس ایسے افراد کے نام بتاؤ، پچھلے دس سال میں میرے مؤکل نے جن سے لڑائی جھگڑا کیا ہو؟'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اب.....میں نے.....سب کے نام.....لکھ کر تو نہیں رکھے ہوئے.....'' وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ ''کیا اتنا بتا دینا کافی نہیں کہ ملزم ایک پھڈے باز آدمی ہے۔''

''عدالت میں صرف بتا دینا کافی نہیں ہوتا خان صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''عدالت سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتی بلکہ ہر بات کے لیے ٹھوس ثبوت مانگتی ہے۔''

وہ امداد طلب نظروں سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''چلو..... میں تمہاری مشکل آسان کر دیتا ہوں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''تم صرف اتنا بتا دو کہ رواں سال میں ملزم نے کتنے پھڈے کیے ہیں؟''

''جی..... مجھے اچھی طرح یاد نہیں.....!''

''اشتیاق کا قتل آٹھ اکتوبر کی رات کو ہوا تھا۔'' میں نے استغاثہ کے گواہ کو گویا نائیلون کی رسی سے باندھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم معزز عدالت کو بتاؤ گے کہ اکتوبر کے آٹھ دنوں میں ملزم نے کتنے جھگڑے کیے تھے؟''

وہ بری طرح پھنس کر رہ گیا تھا، جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ ''جناب! اکتوبر میں تو صرف اشتیاق ہی سے اس کا پھڈا ہوا تھا۔''

''جناب عالی!'' میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے خاصے دبنگ لہجے میں کہا۔ ''استغاثہ کا گواہ اور نور اپارٹمنٹس کا چوکیدار دلاور خان اپنے دعوے کو عملاً ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس نے بڑے اعتماد سے ملزم کو غصے والا اور جھگڑالو قرار دیا تھا لیکن پچھلے دس سال کا کوئی ایک بھی ایسا واقعہ گواہ کو یاد نہیں جب میرے مؤکل نے کسی رہائشی سے جھگڑا کیا ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ.....'' میں سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جھگڑے اور غصے کے حوالے سے میرے مؤکل پر سراسر الزام لگایا جا رہا ہے۔ میں معزز عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ استغاثہ کو اس بات کا پابند بنائے کہ وہ آئندہ پیشی پر نور اپارٹمنٹس کے پانچ ایسے رہائشیوں کو عدالت میں پیش کرے جو اس بات کی گواہی دیں کہ ملزم ایک جھگڑالو، غصہ ور اور پھڈے باز آدمی ہے، بہ صورت دیگر..... استغاثہ کے اس اقدام کو بدنیتی اور بہتان طرازی کے باب میں رقم کیا جائے گا.....!''

جج نے وکیل استغاثہ کو میری فرمائش کے حوالے سے چند ہدایات دیں پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ.....''

''دلاور خان!'' میں گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''تم وقوعہ کے روز ملزم اور مقتول کے بیچ ہونے والے جھگڑے کے بھی چشم دید گواہ ہو۔ تم نے وکیل استغاثہ کو بتایا ہے کہ جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوا تو تم ان کے پاس نہیں تھے۔ شور کی آواز سن کر تم اوپر پہنچے اور تم نے انہیں

چھڑا دیا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ.....'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے حاضرین عدالت کی طرف دیکھا پھر گواہ سے پوچھا۔

''جب تم نے ان کے جھگڑے کا شور سنا تو اس وقت تم کہاں تھے اور یہ کہ.....ان دونوں کا جھگڑا اوپر کہاں ہو رہا تھا.....کیا چھت پر.....؟''

''جناب! میں نے جب ان کے جھگڑنے کی آواز سنی تو اس وقت میں پانی والی موٹر کے پاس کھڑا تھا۔'' اس نے تھوک نگل کر بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''یہ دونوں چھت پر نہیں بلکہ چوتھے مالے (فلور) پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔''

''چوتھے مالے پر!'' میں نے زیر لب دہرایا پھر پوچھا۔ ''چوتھا مالا..... بلاک اے یا بلاک بی؟''

''بلاک بی.....!''

''ملزم کی رہائش بھی تو اسی مالے پر ہے۔'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''وہ اپنی والدہ کے ساتھ فلیٹ نمبر بی بیس میں رہتا ہے۔''

''جی ہاں۔'' ان دونوں کا جھگڑا فلیٹ نمبر بی بیس کے سامنے ہی ہوا تھا۔'' گواہ نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن مقتول تو بلاک اے کا رہائشی تھا!'' میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''وہ وہاں ملزم کے گھر کے سامنے کیا کرتا پھر رہا تھا؟''

''وہ چھت پر جانے کے لیے ادھر گیا تھا۔''

''کیا چھت پر جانے والا دروازہ بلاک بی میں ہے؟''

''دونوں بلاک کے آخری یعنی چوتھے مالے پر ایک دروازہ چھت پر جانے کے لیے موجود ہے۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''لیکن بلاک اے والے دروازے کو مستقلاً بند کر دیا گیا ہے۔ اب اس مقصد کے لیے صرف بلاک بی والا دروازہ استعمال کیا جاتا ہے۔''

''بلاک اے والے دروازے کو مستقلاً بند کرنے کا سبب کیا ہے؟''

''وہ دروازہ صدر صاحب کے حکم پر بند کیا گیا ہے۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''سبب آپ انہی سے پوچھیں تو اچھا ہے۔''

''ٹھیک ہے!'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میرا جب بھی صدر صاحب سے واسطہ پڑا،

میں یہ سوال ضرور ان سے پوچھوں گا۔ تم معزز عدالت کو صرف اتنا بتاؤ کہ.....'' میں نے تھوڑا توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''مقتول، جھگڑے والے دن، چھت پر کیا کرنے جا رہا تھا؟''

''وہ چھت پر پتنگ اڑانے کا ارادہ رکھتا تھا۔''

''کیا مقتول اس روز ڈیوٹی پر نہیں گیا تھا؟''

''وہ چھٹی کا دن تھا جناب.....!''

''او کے!'' میں نے سر کو اثباتی جنبش دینے کے بعد پوچھا۔ ''کیا اس روز ملزم نے مقتول کو چھت پر جانے سے روک دیا تھا جو ان کے بیچ پھڈا ہو گیا..... کیا چھت کے دروازے کی چابی ملزم کے پاس ہوتی ہے؟''

''چابی تو میرے پاس ہوتی ہے جناب!'' اس نے جواب دیا۔ ''میں دونوں ٹائم پانی کے والوز کھولنے اور بند کرنے چھت پر جاتا ہوں تو تھوڑی دیر کے لیے دروازہ کھلا رہتا ہے۔ بس، اسی موقعے سے فائدہ اٹھانے کے لیے مقتول پتنگ اور ڈور کے ساتھ ادھر پہنچ گیا تھا اور پھر اس کا ملزم سے جھگڑا ہو گیا۔''

''جھگڑا ہو گیا.....'' میں نے اسی کے الفاظ کو دہراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ جھگڑا ہوا کس بات پر تھا؟''

''مقتول نے ملزم کو ایک غلیظ گالی دی تھی۔'' گواہ نے بتایا۔ ''گالی سن کر ملزم غصے میں آ گیا اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے پر پل پڑے تھے۔''

''مقتول نے کس بات پر ملزم کو گالی دی تھی؟'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔

''وہ بات دراصل یہ ہے جناب کہ.....'' وہ ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ، ملزم کی ماں ایک چھوٹی سی دکان چلاتی ہے جہاں زیادہ تر بچوں کے آئٹمز فروخت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھٹے آلو، کھٹے چنے، فرنچ فرائز بھی اس دکان کی اہم چیزیں ہیں جو بچوں اور بڑوں میں یکساں پسند کی جاتی ہیں۔ ملزم کی والدہ عالیہ یہ اشیا اپنے فلیٹ کے دروازے کے سامنے ہی تیار کر کے دکان پر لے جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا سامان چھت والے دروازے کے آس پاس ادھر ادھر بکھرا رہتا ہے۔ جس سے چھت کی طرف

جانے میں خاصی پریشانی ہوتی ہے۔ میں نے عالیہ کو کئی مرتبہ سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر وہ فوراً لڑائی جھگڑے پر اتر آتی ہے۔ صدر صاحب نے بھی ان لوگوں کو سدھارنے کی کافی کوشش کی ہے لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ان کے گھر میں کوئی مرد تو ہے نہیں کہ جسے نیچے بلا کر کوئی بات کی جائے۔ عالیہ بھی اپنے بیٹے کی طرح غصے کی بہت تیز ہے۔ فوراً لڑائی جھگڑے پر اتر آتی ہے اس لیے زیادہ تر لوگ اس کے منہ لگنا پسند نہیں کرتے اور.....''

''یہ سب ٹھیک ہے دلاور خان!'' میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روک دیا اور کہا؟ ''تم مجھے بتا رہے تھے کہ مقتول نے ملزم کو گالی کیوں دی تھی.....؟''

''جی، میں اسی طرف آ رہا تھا کہ آپ نے روک دیا۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے، اب نہیں روکوں گا۔'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''تم بولتے چلے جاؤ۔''

''جب اس روز مقتول کا پاؤں، چھت والے دروازے کے نزدیک رکھے سامان سے الجھا تو اس نے سٹپٹا کر بے ساختہ گالی دی۔'' استغاثہ کے گواہ دلاور خان نے بتایا۔ ''اس وقت ملزم اپنے دروازے ہی میں کھڑا تھا۔ وہ لپک کر مقتول پر حملہ آور ہوا تو دونوں میں باقاعدہ لڑائی اور مار کٹائی شروع ہوگئی۔ یہ ہے سارا قصہ جناب.....!''

''پھر تم ان کے شور کی آواز سن کر چوتھے مالے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ آپس میں گتھم گتھا تھے اور .....ایک دوسرے پر لاتیں اور مکے بھی برسا رہے تھے۔'' میں نے ابرو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کوشش کر کے انہیں چھڑا دیا تھا۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں نا.....؟''

''جی ہاں، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ بھی درست ہے کہ اس پھڈے میں مقتول، ملزم پر بھاری ثابت ہوا تھا؟ ملزم نے اچھی خاصی مار کھائی تھی۔ اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور چہرے کی کھال بھی کئی جگہ سے ادھڑ گئی تھی جہاں سے باقاعدہ خون بھی جاری ہو گیا تھا۔ اگر اس موقعے پر تم اور دیگر لوگ بیچ بچاؤ نہ کرتے تو ممکن ہے، مقتول ملزم کو اس سے بھی زیادہ سنگین نقصان پہنچا سکتا تھا؟''

''جی.....حالات و واقعات سے تو یہی نظر آ رہا تھا۔'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔

''تم نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ.....اس موقعے پر ملزم نے مقتول سے بے دریغ پٹنے کے بعد اسے کوئی خطرناک دھمکی بھی دی تھی؟'' میں نے جرح کو سمیٹتے

ہوئے کہا۔

''پہلے بے تحاشا گالیاں دیں اور اس کی بعد دھمکی دی تھی.....!''

''اور تمہارے خیال میں وہ بڑی خطرناک دھمکی تھی؟''

''جی ہاں، ملزم نے مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔'' وہ ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔ ''اس نے بہت واضح الفاظ میں مقتول سے کہا تھا.....اشتیاق! میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں..... بہت جلد تمہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

''اور تم سمجھتے ہو، چند روز بعد ملزم نے اس خطرناک دھمکی پر عمل کر ڈالا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ہیں نا.....؟''

''جی ہاں..... میں یہی سمجھتا ہوں۔'' وہ بہت رسان سے بولا۔

''یہ بات تمہیں وکیل استغاثہ نے سمجھائی ہے یا..... یا تم نے اپنی آنکھوں سے قتل کی واردات ہوتے دیکھی ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''جی.....'' وہ بوکھلا گیا۔ ''میں نے اپنی آنکھوں سے تو کچھ نہیں دیکھا.....!''

''تمہارے پاس کوئی ایسا ٹھوس ثبوت ہے جسے معزز عدالت میں پیش کر کے پورے دعوے سے کہہ سکو کہ..... مقتول اشتیاق کو ملزم عمران ہی نے موت کے گھاٹ اتارا ہے.....؟''

''نن..... نہیں.....!'' وہ گڑبڑائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میرے پاس ایسا کوئی ٹھوس ثبوت تو نہیں ہے۔''

''اس کا سیدھا سیدھا تو یہ مطلب ہوا کہ تم نے معزز عدالت کے روبرو جو بیان دیا ہے.....'' میں نے اپنی جرح میں ڈرامائی رنگ شامل کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ استغاثہ کی پڑھائی ہوئی پٹی سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں؟''

میرے اس تیکھے سوال پر وہ ہراساں نظر سے وکیل استغاثہ کو تکنے لگا۔

اس سے پہلے کہ وکیل استغاثہ اس کی مدد کو لپکتا، میں نے سوالات کے زاویے کو یکسر تبدیل کرتے ہوئے گواہ کو چکرا دیا۔

''دلاور خان!'' میں نے گھور کر اسے دیکھا اور جارحانہ انداز میں تصدیق چاہی۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ تم دن میں دو مرتبہ ٹینکی کے والوز کھولنے چھت پر جاتے ہو؟''

''جی ہاں..... یہ بالکل درست ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹینکی کے والوز کھولنے کے اوقات کیا ہیں؟''

''نور اپارٹمنٹس'' کے گراؤنڈ فلور پر پارکنگ والے فرش کے نیچے ایک بہت بڑا انڈر گراؤنڈ واٹر ٹینک بنا ہوا تھا جس کو بورنگ کر کے کھارے پانی سے بھرا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ واٹر بورڈ کی طرف سے بلڈنگ کو میٹھے پانی کا ایک کنکشن بھی ملا ہوا تھا۔ جو اسی انڈر گراؤنڈ ٹینک میں چلا جاتا تھا۔ اس طرح یہ دونوں پانی اپنی اپنی توفیق کے مطابق اس کنگ سائز ٹینک کو بھرنے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ پھر ایک ہیوی موٹر کی مدد سے اس ٹینک کے پانی کو چھت پر بنی ایک بڑی ٹینکی میں پہنچایا جاتا تھا۔ مذکورہ ٹینکی میں سے دو بڑے پائپ پانی لے کر دونوں بلاکس کے فلیٹوں تک پہنچاتے تھے۔ اس تمام تر پانی کے نظام کو کنٹرول کرنا چوکیدار دلاور خان کی ذمے داری تھی۔

اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''میں روزانہ صبح آٹھ بجے اور شام میں پانچ بجے ایک ایک گھنٹے کے لیے چھت والی ٹینکی کے والوز کھولتا ہوں جس سے پورے چالیس فلیٹوں میں پانی پہنچ جاتا ہے۔''

''چھت والے تالے کی چابی صرف تمہارے ہی پاس ہے یا کسی اور کے بھی پاس ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک چابی تو میرے پاس ہے۔'' گواہ نے بتایا۔ ''اور دوسری چابی صدر صاحب کے پاس ہوتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، تم دونوں کی مرضی کے بغیر بلڈنگ کا کوئی مکین اپنی مرضی سے چھت پر نہیں جا سکتا؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''جی ہاں، اپنی مرضی سے کوئی نہیں جا سکتا۔'' وہ تصدیقی انداز میں بولا۔ ''جس کو بھی چھت پر کام ہوتا ہے وہ میرے ساتھ چھت پر جاتا ہے اور میری موجودگی میں کام کر کے واپس آ جاتا ہے، یا پھر.....!''

'یا پھر کیا؟'' وہ ذرا سا رکا تو میں نے پوچھ لیا۔

''یا پھر یہ کہ.....'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جب میں شام میں ایک گھنٹے کے لیے پانی کھولنے چھت پر جاتا ہوں تو کھلے ہوئے دروازے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کبھی کبھار کوئی لڑکا پتنگ وغیرہ اڑانے کے لیے چھت پر چلا جاتا ہے۔ اگر میں اسے دیکھ لیتا ہوں تو سختی سے منع کر دیتا ہوں۔ صدر صاحب نے اس سلسلے میں خصوصی تاکید کر رکھی ہے۔''

''ایسے ہی ایک دن مقتول بھی پتنگ اڑانے کے لیے چھت پر جانا چاہتا تھا کہ ملزم سے اس کا پھڈا ہوا تھا، پھر تم انہیں چھڑانے کے لیے چوتھے مالے پر پہنچ گئے.....'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سادہ سے لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں، بالکل.....ایسا ہی ہوا تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو اختتامی مرحلے میں داخل کرتے ہوئے کہا۔ ''دلاور خان! چھت کی ایک چابی تمہارے پاس اور دوسری تمہارے صدر کے پاس رہتی ہے اور تم دونوں کی مرضی کے بغیر کوئی بلڈنگ کی چھت پر قدم نہیں رکھ سکتا.....ایسا ہی ہے نا؟''

''جی، ایسا ہی ہے وکیل صاحب۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق، مقتول کی کھوپڑی پر وزنی ہتھوڑے کی ضرب لگا کر اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''کیا تمہیں یہ بات پتا ہے؟''

''جی ہاں، یہ بات میرے علم میں آ چکی ہے۔''

''پھر تو تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ مقتول کو آٹھ اکتوبر کی رات، دو اور تین بجے کے درمیان قتل کیا گیا تھا؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں، میں یہ بھی جانتا ہوں۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جب مقتول کی کھوپڑی پر وزنی ہتھوڑا برسایا گیا تو اسے خود پر ہونے والے حملے کا احساس نہیں تھا۔'' میں نے قدرے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''یعنی مقتول کی بے خبری میں اسے شکار کیا گیا تھا۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''میں کوئی ڈاکٹر یا پولیس والا نہیں ہوں جناب۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''اور نہ ہی میں کوئی وکیل ہوں جو اس سلسلے میں کوئی اندازہ قائم کر سکوں۔ اگر رپورٹ میں ایسا لکھا ہے تو ایسا ہی ہوا ہو گا۔''

''تم ڈاکٹر، انجینئر، وکیل یا پولیس والے نہ سہی لیکن تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نور اپارٹمنٹس کے چوکیدار ہو.....؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....مجھے اس بات سے انکار نہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''تم اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکو گے کہ چوکیدار کا کام چوکیداری کرنا ہوتا ہے۔'' میں

نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ایک ایک شے پر نگاہ رکھنا ہوتی ہے؟''

''جی.....آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''آٹھ اکتوبر کی رات کو دو اور تین بجے کے درمیان مقتول اشتیاق کی کھوپڑی پر ایک وزنی ہتھوڑے سے وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پولیس کا خیال ہے کہ میرے مؤکل نے اشتیاق کو قتل کیا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا.....؟''

''جناب! آپ ایک ہی سوال کو گھما پھرا کر بار بار پوچھ رہے ہیں۔'' وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں پہلے بھی اس سوال کا جواب ہاں میں دے چکا ہوں اور.....اب بھی میرا جواب یہی ہے۔ پولیس کا خیال ہی درست ہے۔''

''پولیس کا خیال ہی درست ہے۔'' میں نے زیر لب دہرایا۔ پھر گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''اسی پولیس کے مطابق اشتیاق کی لاش کو دریافت کرنے کا سہرا تمہارے سر بندھتا ہے۔ یہ بھی درست ہے نا؟''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جناب! میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا.....!''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''پولیس کے مطابق مقتول کی لاش کو سب سے پہلے تم نے دیکھا تھا۔ کیا پولیس کا یہ خیال درست ہے؟''

''جی ہاں.....بالکل درست ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جب صبح آٹھ بجے میں پانی کھولنے چھت پر گیا تو میں نے ٹینکی کے قریب بچھی پرانی چارپائی پر اشتیاق کی لاش دیکھی تو میں نے شور مچا دیا کہ کسی نے اشتیاق کو قتل کر دیا ہے.....''

''کیا تمہیں دور ہی سے دیکھ کر یقین ہو گیا تھا کہ وہ اشتیاق ہے؟'' میں نے ٹٹولنے والی نظر سے گواہ کو دیکھا۔ ''اور یہ کہ.....وہ مر چکا ہے۔''

''دور سے تو مجھے یہی نظر آیا تھا کہ کوئی چارپائی پر پڑا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت میں ٹینکی کے والوز کھول چکا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ چارپائی پر کون سو رہا ہے؟ تجسس مجھے چارپائی کے قریب لے گیا اور جبھی مجھے پتا چلا کہ وہ اشتیاق ہے۔ اس کا سر پاش پاش تھا اور سارا لباس خون خون ہو رہا تھا۔'' اس نے ایک جھرجھری لی اور خاموش ہو گیا۔

''جب تم حسب معمول صبح آٹھ بجے پانی کھولنے چھت پر گئے تو کیا چھت والا دروازہ لاک تھا؟'' میں نے گواہ سے ایک اہم سوال کیا۔

''جی ہاں!''اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔''میں نے خود تالا کھولا تھا۔

''بلڈنگ کی چھت پر جانے کے لیے صرف بلاک بی والا دروازہ ہی استعمال ہو رہا ہے نا؟''

''جی ہاں.....!''

''بلاک اے والے دروازے کو تو مستقل بند کر دیا گیا ہے؟''

اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔''بلاک اے والے چھت کے دروازے کو کس طرف سے لاک کیا گیا ہے۔ میرا مطلب ہے، دروازے پر تالا زینے کی طرف لگایا گیا ہے یا چھت کی جانب؟''

''چھت کی جانب.....''اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے، اگر بلاک اے کی طرف سے زبردستی کوئی چھت پر جانا چاہے تو اسے تالا نہیں بلکہ دروازہ توڑنا ہوگا..... ہیں نا؟''

''جی.....جی بالکل!''

''کیا وقوعہ کے روز بلاک اے والے چھت کے دروازے کے ساتھ ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی؟''

''نہیں جناب۔''اس نے نفی میں جواب دیا۔''وہ دروازہ اپنی جگہ سلامت تھا بلکہ چھت کی طرف سے اس پر تالا بھی لگا ہوا تھا۔''

''بلاک اے والا چھت کا دروازہ، چھت کی جانب سے لاک تھا!''میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''بلاک بی والے دروازے کا لاک تم نے کھولا تھا یعنی تمہارے چھت پر جانے سے پہلے وہ دروازہ زینے کی طرف سے لاک تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی ہاں.....آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''اس نے بڑی رسان سے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔''وقوعہ کی صبح سے پہلے آخری بار تم چھت پر کب گئے تھے؟''

''شام میں پانی کھولنے میں چھت پر گیا تھا؟''

''شام میں.....مطلب، پانچ بجے؟''

''جی ہاں۔''

''اور تم صرف ایک گھنٹے کے لیے پانی چلاتے ہو۔''میں نے تصدیق طلب انداز میں کہا۔

''ٹھیک چھ بجے تم دوبارہ چھت پر گئے، پانی کے والوز بند کیے، دروازے کو تالا لگایا اور نیچے آ گئے،

ہیں نا؟''

''جی ہاں..... میں نے یہی کیا تھا۔''

''کیا شام کے چھ بجے سے لے کر اگلی صبح کے آٹھ بجے تک تمہیں چھت پر جانے کی ضرورت پیش آئی تھی؟''

''جی نہیں۔ میں شام کے بعد پھر صبح ہی چھت پر گیا تھا۔''

''بلڈنگ کے مکینوں میں سے کسی نے چھت پر جانے کی خواہش ظاہر کی ہو؟''

اس نے ایک مرتبہ پھر نفی میں جواب دیا۔

''یعنی کسی نے بھی تم سے چھت کی چابی نہیں مانگی؟''

''کسی نے بھی نہیں!''

''کیا زینے والے دونوں دروازوں (بلاک اے + بلاک بی) کے علاوہ بھی چھت پر جانے کا کوئی راستہ ہے؟'' میں نے تیکھے لہجے میں دریافت کیا۔ ''میرا مطلب ہے، آس پاس کی کسی بلڈنگ سے کود کر.....؟''

''جی نہیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ ''اس علاقے میں ہماری بلڈنگ سب سے اونچی ہے۔ آس پاس دو اور تین منزلہ عمارتیں ہیں۔ ادھر ادھر سے کود کر ہماری بلڈنگ کی چھت پر آنا ممکن نہیں۔''

''آس پاس سے کود پھاند کر چھت پر پہنچنا ممکن نہیں۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ''اور چھت تک رسائی حاصل کرنے والے بلڈنگ کے دونوں دروازے بھی لاک تھے پھر.....'' میں نے گواہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''پھر قاتل اور مقتول رات کو دو اور تین بجے کے درمیان چھت پر کیسے پہنچے؟''

''مم..... مجھے کچھ پتا نہیں.....!'' وہ خوف زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''تم یہ تو مانتے ہو نا..... قاتل اور مقتول چھت پر گئے تھے؟'' میں نے استفسار کیا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے یہ کہتے ہوئے جرح ختم کردی۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقرر وقت ختم ہوگیا۔

جج نے بیس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کردی۔

آئندہ پیشی سے قبل میں نے اپنے مؤکل کی والدہ عالیہ سے ایک بھرپور ملاقات کی اور اس کے ذمے چند اہم اور ضروری کام لگا دیئے۔ وہ پبلک ڈیلنگ کی عورت تھی۔ ایسے لوگوں کی معلومات اور معلومات حاصل کرنے کے ذرائع بڑے زبردست ہوتے ہیں۔ میں استغاثہ کے گواہوں کی فہرست کا تفصیلی جائزہ لے چکا تھا لہٰذا اس فہرست میں شامل چند کرداروں کے بارے میں بعض خاص قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے عالیہ کی ڈیوٹی لگا دی۔

اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، وکیل صاحب! یہ کام میرے لیے مشکل نہیں۔ میں آپ کی مطلوبہ معلومات اکٹھی کر کے آپ تک پہنچا دوں گی۔''

''لیکن اگلی پیشی سے پہلے.....!''

''جی..... میں سمجھ رہی ہوں۔''

''اور میں آپ کو بھی گواہی کے لیے عدالت میں بلا سکتا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیے گا۔''

''آپ مجھے ہر وقت تیار پائیں گے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''لیکن یہ تو بتا دیں کہ وہ گواہی کس سلسلے میں ہوگی؟''

''سلسلہ ابھی میں نے طے نہیں کیا!'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''لیکن عدالت میں پیش کرنے سے پہلے میں اس گواہی کے سلسلے میں آپ کو بریف کر دوں گا اور ایک حوالے سے آپ اطمینان رکھیں کہ میں کسی بھی مرحلے پر آپ کو غلط بیانی کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔''

''اس بات کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔'' وہ بڑے فخر سے بولی۔ ''میں آپ پر بھروسا کرتی ہوں بیگ صاحب! دن بھر درجنوں لوگوں سے میرا واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کی اتنی پہچان ہے مجھے.....؟'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوئی پھر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔''

اس نے کہا اور..... میں بے فکر ہو گیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا تو میں نے بڑے میٹھے انداز میں جج سے درخواست کی۔

''جناب عالی! اس سے پہلے کہ استغاثہ کا اگلا گواہ پیش ہو، میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، کسی بھی کیس کا انکوائری آفیسر (آئی او) استغاثہ کے ایک گواہ کی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور یہ اس کی ڈیوٹی کا حصہ ہوتا ہے کہ وہ ہر پیشی پر عدالت کے کمرے میں موجود رہے۔ جج نے میری معصوم سی فرمائش پوری کرنے میں کسی پس وپیش سے کام نہیں لیا۔

اگلے ہی لمحے آئی او راؤ امتیاز وٹنس باکس میں کھڑا تھا۔ میں جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد گواہوں والے کٹہرے کے پاس پہنچا پھر انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''راؤ صاحب! آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

''پولیس روزنامچے کے مطابق، اس واقعے کی اطلاع آٹھ اکتوبر کی صبح نو بجے بذریعہ فون دی گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور یہ فون بلڈنگ کے صدر صاحب نے کیا تھا۔''

''آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''ٹھیک ساڑھے نو بجے۔''

''جب آپ وقوعہ پر پہنچے تو وہاں کون کون موجود تھا؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب ہے، بلڈنگ کی چھت پر.....؟''

''بلڈنگ کی چھت والا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔'' آئی او نے بتایا ''اس لیے وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔''

'چھت کا دروازہ کیوں اور کس نے بند کروایا تھا؟''

''صدر صاحب نے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''صدر صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ مقتول اشتیاق کی لاش بلڈنگ کے چوکیدار دلاور خان نے دریافت کی تھی۔'' میرے سوال کے جواب میں تفتیشی افسر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ لاش کو دیکھ کر سیدھا صدر صاحب کے فلیٹ پر پہنچا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ صدر صاحب کا فلیٹ بلاک بی کے تھرڈ فلور پر واقع ہے..... بی سولہ! ملزم کے فلیٹ کے بالکل نیچے.....'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے تھما پھر اپنی وضاحت کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''صدر صاحب کو سوتے میں سے جگایا گیا تھا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے چوکیدار کے ساتھ چھت پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے اشتیاق کی لاش کا معائنہ کیا۔ اس کے بعد ہی انہوں نے اپنے گھر کے فون سے کال کر کے تھانے میں اس واقعے کی اطلاع دی تھی اور چھت کا دروازہ انہوں نے اس لیے بند کروا دیا تھا کہ واقعاتی شہادتیں اور دوسرے ثبوت جوں کے توں رہیں تا کہ پولیس کو اپنے کام میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو۔''

''نورا پارٹمنٹس کے صدر صاحب تو خاصے سمجھ دار معلوم ہوتے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس صورت حال میں چھت کا دروازہ بند کرا دینا ایک عقل مندانہ فیصلہ تھا کیونکہ ایسے مواقع پر لوگ جائے واردات کی طرف دوڑ لگا دیتے ہیں اور بہت سے اہم سراغوں کا خانہ خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔''

''جی ہاں.....'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''راؤ صاحب! آپ نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر مقتول کی لاش کا جائزہ لیا تو آپ کے ذہن میں کیا تاثر قائم ہوا تھا..... میرا مطلب ہے، پہلا تاثر.....؟''

میں رفتہ رفتہ بڑے غیر محسوس انداز میں آئی او صاحب کو اپنے دام میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میرے سوال کا جواب کچھ اس طرح دیا۔

''پہلا تاثر تو یہی قائم ہوا تھا کہ وہ اب زندہ لوگوں میں شامل نہیں۔ اس کی موت واقع ہو چکی ہے۔ بعد ازاں پتا چلا کہ وزنی ہتھوڑے کی ایک کاری ضرب نے اس کی کھوپڑی کا کچومر نکالنے کے بعد اسے موت کی نیند سلا دیا ہے۔''

''بعد ازاں.....'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کب؟''

''آلۂ قتل کی دریافت کے بعد۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہتھوڑے پر لگے ہوئے خون سے یہ بات کھل گئی تھی کہ قاتل نے اسی کی مدد سے مقتول کو موت کے گھاٹ اتارا تھا؟''

''کیا آلۂ قتل یعنی وہ وزنی ہتھوڑا آپ کو بلڈنگ کی چھت پر سے ہی مل گیا تھا؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''آلۂ قتل کی تلاش کے لیے ہمیں بہت سے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔''

''آلۂ قتل آپ کو کہاں سے ملا تھا.....؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''ڈکٹ میں سے.....!'' اس نے جواب دیا۔

دونوں بلاکس کے درمیان، ہوا کی آزادانہ آمدورشد کے لیے ایک ڈکٹ چھوڑ دیا گیا تھا جس کے ساتھ، وہاں کے چند مکین بہت غیر انسانی سلوک کرتے تھے۔ اس سے تازہ ہوا تو لے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں گھر کا کچرا وہاں پھینک دیا کرتے تھے۔

میں نے آئی او سے پوچھا۔ ''آپ نے میرے مؤکل کو کس بنا پر گرفتار کیا تھا؟''

''موقع پر موجود گواہوں کے بیانات اس کے خلاف جاتے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وقوعہ سے چند روز پہلے مقتول اور ملزم میں شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا۔ اس واقعے کی گواہی چوکیدار اور صدر سمیت بلڈنگ کے اور بھی کئی رہائشیوں نے دی ہے۔ اس پھڈے میں ملزم نے مقتول سے پٹنے کے بعد بڑے واضح الفاظ میں اسے خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی۔ ملزم نے بڑے کھلے ڈلے الفاظ میں کہا تھا کہ وہ مقتول کو چھوڑے گا نہیں.....'' لمحاتی توقف کے بعد اس نے اپنی بات کو مضبوطی کے لیے اس طرح اضافہ کیا۔

''مقتول کے ایک قریبی دوست جمشید نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ مقتول اپنی موت سے پہلے بہت خوف زدہ تھا اور اس نے جمشید کو بتایا تھا کہ وہ ملزم کی طرف سے پریشان ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے کہ ملزم کسی بھی وقت اس پر کوئی اوچھا وار کر دے گا.....اور پھر مقتول کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا!''

''ہوں.....!'' میں نے پرمعنی انداز میں گردن ہلائی اور آئی او سے سوال کیا ''کیا مقتول کے اس دوست جمشید کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل ہے؟''

''جی ہاں.....شامل ہے۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

''راؤ صاحب!'' میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ ''آلۂ قتل دریافت ہو جانے کے بعد آپ نے ایف پی میچنگ تو یقیناً کی ہوگی.....میرا مطلب ہے، فنگر پرنٹس.....''

''میں ''ایف پی میچنگ'' کا مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں وکیل صاحب!'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''بہت خوشی کی بات ہے!'' میں نے سرسری انداز میں کہا، پھر پوچھا۔ ''آلۂ قتل کے دستے پر آپ کو ملزم کے فنگر پرنٹس تو مل گئے ہوں گے؟''

''نن.....نہیں۔''

''کیوں؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''وہ بات دراصل یہ ہے جناب کہ.....'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''ہم نے وہ ہتھوڑا ڈکٹ کے اندر سے ڈھونڈ کر نکالا ہے۔اس کے ایک ایک حصے پر کچرا اور دوسری آلائشات لگی ہوئی تھیں۔یوں سمجھیں کہ وہ غلاظت میں لتھڑا ہوا تھا لہٰذا اس کے سرے یا دستے پر سے فنگر پرنٹس اٹھانا ناممکنات میں سے تھا، ایف پی میچنگ تو اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔''

''او کے.....!'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔''آئی او صاحب! آپ میری ایک بات سے تو یقیناً اتفاق کریں گے؟''

''کون سی بات جناب؟'' اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا۔''جس وقت وقوعہ پیش آیا، قاتل اور مقتول دونوں بلڈنگ کی چھت پر موجود تھے؟''

''جی ہاں، اس میں تو کسی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں۔'' وہ بڑے وثوق سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''جبھی تو وہ واقعہ پیش آیا تھا۔''

''آپ کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے اس حصے پر کوئی اعتراض تو نہیں کہ وقوعہ کی رات مقتول اشتیاق کی موت دو اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی؟''

''بالکل، کوئی اعتراض نہیں جناب!''

''کیا آپ مجھے اور معزز عدالت کو سمجھائیں گے کہ رات کے دو تین بجے مقتول بلڈنگ کی چھت پر کیا کر رہا تھا؟''

''وہ.....وہ کسی بھی کام.....کے لیے چھت پر جا سکتا ہے.....'' وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔''مثلاً چہل قدمی کے لیے.....ہوا خوری کے لیے.....!''

''اور ملزم.....؟''

''ملزم یقیناً مقتول کی تاک میں ہوگا.....'' وہ انتہائی نامعقول وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''اسے اپنا کام کرنے کے لیے یہ موقع مناسب لگا اور وہ بھی چپکے سے چھت پر پہنچ گیا اور پھر اس نے مقتول کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

''بہت خوب آئی او صاحب!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔''آپ نے تو چٹکی بجاتے میں کیس حل کر دیا.....؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اپنے مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے، آپ نے چوکیدار اور صدر صاحب کا بیان دھیان سے نہیں لیا۔ بلڈنگ کی چھت پر پہنچنے کے لیے بلاک بی کے زینے والے دروازے سے گزرنا ضروری ہے جو کہ بند رہتا ہے..... بند کا مطلب یہ ہے کہ اس پر تالا لگا رہتا ہے جس کی ایک چابی چوکیدار کے پاس اور دوسری صدر صاحب کے پاس ہوتی ہے۔ چوکیدار صبح و شام ایک ایک گھنٹے کے لیے دروازہ کھولتا ہے اور وہ بھی پانی چلانے کے لیے۔ اس کے علاوہ وہ دروازہ مستقل لاک رہتا ہے.....'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''چوکیدار دلاور خان نے معزز عدالت کے روبرو بتایا ہے کہ وقوعہ سے پہلے والی شام اس نے ٹھیک چھ بجے وہ دروازہ لاک کر دیا تھا، پھر اگلی صبح آٹھ بجے اسی نے دروازہ کھولا اور چھت پر گیا۔ اسی موقع پر مقتول کی لاش دریافت ہوئی تھی۔ جب پوری رات وہ دروازہ بند رہا تو پھر قاتل اور مقتول کیسے چھت پر پہنچ گئے جبکہ چھت تک رسائی کا واحد ذریعہ یہی دروازہ ہے؟''

''ایسا نہیں ہے وکیل صاحب کہ میں نے چوکیدار یا صدر صاحب کا بیان دھیان سے نہ لیا ہو.....'' وہ ایک ایک لفظ پر زور ڈال کر بولا۔ ''چوکیدار کی وضاحت تو عدالت کے سامنے آ ہی چکی ہے۔ جب صدر صاحب بیان دینے آئیں گے تو رہی سہی وضاحت وہ بھی کر ہی دیں گے۔ میں آپ کی تسلی اور معلومات کے لیے یہاں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ صدر صاحب کے مطابق یہ عین ممکن ہے کہ ملزم نے چھت والے تالے کی ایک چابی بنوالی ہو۔ اکثر چوکیدار جب پانی کھولنے چھت پر جاتا ہے تو کھلے ہوئے تالے کو دروازے کی کنڈی ہی میں لگا چھوڑ دیتا ہے۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملزم نے تالے کی ایک چابی بنوالی ہوگی۔''

''میں آپ کی بات کو درست تسلیم کر لیتا ہوں کہ بالکل ویسا ہی ہوا ہوگا جیسا آپ نے ابھی بیان کیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب آپ بھی میری ایک بات مان لیں تو بڑی نوازش ہوگی.....!''

''کون سی بات؟'' اس نے استفسار کیا۔

میں نے بہت میٹھے انداز میں اس کے استفسار کی بھد اڑاتے ہوئے کہا۔ ''ڈپلی کیٹ چابی ہاتھ میں آتے ہی ملزم خوشی سے پاگل ہوگیا ہوگا۔ اس نے بلڈنگ کے اندر اور چھت پر جا کر خوب بھنگڑے ڈالے ہوں گے۔ اس کے بعد وہ مقتول کو دعوت نامہ دینے گیا ہوگا، اس بات کا کہ وہ آٹھ

اکتوبر کی رات دو اور تین بجے کے درمیان چپ چاپ چھت پر آ جائے۔ اس نے اس کی دردناک موت کا بڑا پکا بندوبست کیا ہے۔ اس دعوت نامے پر مقتول بلاچوں و چرا کشاں کشاں چھت پر پہنچ گیا اور اپنے میزبان کی سہولت کا احساس کرتے ہوئے وہ اس کی جانب سے پیٹھ پھیر کر بیٹھ گیا تا کہ اسے ہتھوڑے کا وار کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہو اور.....''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ ''میرے فاضل دوست یہ کس قسم کی فضول باتیں کر رہے ہیں..... کبھی کوئی قتل کی واردات اس طرح بھی ہوا کرتی ہے.....؟''

''بہت بہت شکریہ میرے دوست!'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ کم از کم آپ نے عدالت کے کمرے میں اپنی موجودگی کا احساس تو دلا دیا ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ میڈیکل لیو پر ہیں۔''

''میڈیکل لیو'' کے الفاظ نے زخموں پر نمک اور جلتی پر تیل کا کام دکھایا تھا۔ وہ مجھے ناپسندیدہ نظر سے دیکھنے کے بعد جج سے ملتمس ہوا۔

''جناب عالی! پچھلے پندرہ بیس منٹ سے وکیل صفائی بڑی بے دردی سے معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ ایک ہی جیسے سوالات کو گھما پھرا کر پوچھنے کا فائدہ کیا ہے اور آخر میں تو انہوں نے کسی جاسوسی ناول کا اقتباس پڑھنا شروع کر دیا ہے..... میری معزز عدالت سے بس اتنی سی درخواست ہے کہ وکیل موصوف کو اس قسم کے ہتھکنڈوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔''

جج نے وکیل استغاثہ کے خاموش ہوتے ہی سارا ملبا میرے کندھوں پر ڈال دیا۔ مطلب یہ کہ وکیل استغاثہ کے اعتراضات کے جوابات مجھ ہی کو دینا ہوں گے۔ اس نے عینک کے اوپر سے مجھے دیکھا اور ٹھہرے ہوئے انداز میں مستفسر ہوا۔

''بیگ صاحب! آپ کیا کہیں گے.....؟''

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں نظر گاڑ کر کہنا شروع کیا

''میرے فاضل دوست! پہلی بات تو یہ کہ میں نے آئی او کو جو بات ماننے کے لیے کہا ہے وہ فضول بکواس ہے اور نہ ہی معزز عدالت کے قیمتی وقت کا زیاں ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ایک ہی نوعیت کے سوالات کو گھما پھرا کر پوچھا ہے اور نہ ہی کسی جاسوسی ناول کا اقتباس پڑھ کر سنایا ہے۔ یہ دراصل وہ نتائج ہیں جو میں نے آئی او کے متعدد جوابات سے اخذ کیے ہیں۔ کوئی بھی ہوش مند آدمی اگر آئی او کی توجیہات کا ٹھنڈے دماغ سے جائزہ لے گا تو وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا جہاں میں پہنچا

ہوں لیکن میرے فاضل دوست.....'' میں نے بڑے ڈرامائی انداز میں رک کر حاضرین عدالت پر ایک سنجیدہ نگاہ ڈالی پھر دوبارہ وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے فاضل دوست!'' آپ کو میرے کسی بھی تجزیے پر اعتراض کا حق حاصل ہے لیکن اس صورت میں آپ پر لازم ہوگا کہ میرے ایک سادہ سے سوال کا سادہ سا جواب دیں.....؟''

وہ الجھن بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مثلاً کون سا سوال؟''

''مقتول وقوعہ کی رات چھت پر کیا لینے گیا تھا؟''

''مم..... مجھے کیا پتا.....؟'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

''کیا پتا کر کے بتا سکتے ہیں؟''

''کس سے!''

''کسی سے بھی..... آپ تو ماشاءاللہ وکیل استغاثہ ہیں!''

''اگر مقتول اس وقت زندہ ہوتا تو میں ضرور اس سے پوچھتا.....!''

''کوئی اور ذریعہ.....؟''

''مجھے روحوں سے رابطے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''خوشبو کے ذریعے.....؟'' میں نے مخصوص پراسرار جرح جاری رکھی۔

''کیا مطلب..... کس کی خوشبو؟''

''پیار کی خوشبو!'' میں نے گمبھیر انداز میں انکشاف کیا۔

وہ بیزاری سے بولا۔ ''پتا نہیں، آپ کہاں کہاں کی اڑا رہے ہیں.....؟''

میں نے وکیل استغاثہ کو نظر انداز کرتے ہوئے انکوائری آفیسر کی جانب دیکھا اور خاصے توانا لہجے میں سوال کیا۔

''راؤ صاحب! آپ کا دھیان بھی اس خوشبو کی طرف نہیں گیا..... آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ یہ عشق و محبت کا کوئی چکر بھی ہو سکتا ہے..... مثلاً مقتول کسی لڑکی سے ملنے، کسی بھی طرح چھت پر پہنچ گیا ہو اور قاتل نے اس موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو.....؟''

''ہاں..... واقعی ایسا ہو تو سکتا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن پھر وہی سوال کہ چھت کی طرف جانے والا دروازہ تو لاک.....''

''تو کوئی اور ذریعہ فرض کر لیتے ہیں۔'' میں نے آئی او کی بات مکمل نہیں ہونے دی اور تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''محبت میں تو بہت طاقت ہوتی ہے۔ ہم مقتول اشتیاق اور اس کے محبوب کو ہوا میں پرواز کراتے ہوئے چھت پر پہنچا دیتے ہیں۔''

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!'' میرے انداز پر وکیل استغاثہ بری طرح بلبلا اٹھا۔ ''وکیل صفائی نے ایک مرتبہ پھر معزز عدالت کے قیمتی وقت کے ساتھ مذاق شروع کر دیا ہے۔''

اس مرتبہ جج نے وکیل استغاثہ کے اعتراض کو ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ اس سے، میری باتوں میں جج کی دلچسپی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس نے وکیل استغاثہ کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''بیگ صاحب! آپ نے پیار محبت والا جو ایشو اٹھایا ہے، اس کا پس منظر کیا ہے؟''

''جناب عالی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانا شروع کیا۔ ''میری اب تک کی تحقیق کی مطابق، مقتول خاصا عاشقانہ مزاج واقع ہوا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے ملنے وقوعہ کی رات بلڈنگ کی چھت پر پہنچا تھا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔''

''جب چھت والا دروازہ شام چھ بجے سے اگلی صبح آٹھ بجے تک لاک رہا تھا تو پھر مقتول اور اس کی محبوبہ رات کو دو اور تین بجے کے درمیان چھت پر کیسے پہنچ سکتے ہیں؟'' وکیل استغاثہ نے ایفی شینسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میں اس وقت براہ راست جج سے مخاطب تھا لہٰذا وکیل استغاثہ کا استفسار مجھے سخت ناگوار گزرا۔ میں نے خاصے درشت لہجے میں اسے جواب دیا۔

''میرے فاضل دوست! آپ تو یہ سوال پوچھنے کا حق گنوا بیٹھے ہیں.....!''

''کک.....کیا مطلب.....؟'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سوال تو میں نے اس کیس کے انکوائری آفیسر سے پوچھا تھا اور اس نے جواب میں بتایا تھا کہ عین ممکن ہے، ملزم نے چھت والی چابی کی ڈپلی کیٹ بنالی ہو۔ یہی خیالات آئی او کے مقتول کے بارے میں بھی تھے۔ ثابت یہ ہوا کہ استغاثہ، مقتول اور قاتل کی چھت تک رسائی کے حوالے سے کلیئر ہے۔''

وکیل استغاثہ الجھ کر رہ گیا کہ میری وضاحت کے جواب میں وہ کون سا نیا اعتراض اٹھائے۔ میں نے اس کے تذبذب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور گہری سنجیدگی

سے کہا۔

''یور آنر! آئی ایم شیور.....وقوعہ کی رات دو اور تین بجے کے درمیان قاتل اور مقتول جائے وقوعہ یعنی بلڈنگ کی چھت پر موجود تھے جبھی یہ سانحہ رونما ہوا البتہ.....'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ طے کرنا باقی ہے کہ وہ چھت پر کس طرح پہنچے؟ اور مجھے یقین ہے کہ میں آنے والی ایک دو پیشیوں کے درمیان یہ معاملہ طے کر کے ٹھوس ثبوت اور دلائل کے ساتھ عدالت کے سامنے پیش کر دوں گا۔''

• ''اس کا مطلب ہے بیگ صاحب!'' جج نے خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کو معلوم ہے کہ مقتول کا معاشقہ کس کے ساتھ چل رہا تھا۔''

''ڈیفینیٹلی یور آنر!'' میں نے پراعتماد انداز میں جواب دیا۔

''کیا آپ مقتول کی محبوبہ کا نام معزز عدالت کے سامنے لائیں گے؟''

''ابھی نہیں جناب عالی!'' میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

جج نے پوچھا۔ ''پھر کب؟''

''استغاثہ کے گواہوں کے بیانات مکمل ہو جائیں.....پھر۔''

''اس تاخیر کا کوئی خاص سبب ہے؟''

''جی سر!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا ''مقتول کی محبوبہ کا نام کھل جانے سے استغاثہ کے گواہوں کی شہادتیں متاثر ہو سکتی ہیں۔''

''اٹس او کے.....!'' جج نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔

اس کے بعد عدالت کا مخصوص وقت ختم ہو گیا۔

جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ.....!''

میں نے مقتول کے عشقیہ معاملات کی جو بات چھیڑی تھی، وہ ہوا میں قلعہ تعمیر کرنے کا قصہ نہیں تھا بلکہ میں اس حوالے سے مکمل تحقیق کر چکا تھا۔ ابتدائی معلومات مجھے ملزم کی ماں عالیہ نے فراہم کی تھیں۔ اس کے بعد میں نے دوڑ دھوپ کر کے اپنے مطلب کا مواد جمع کر لیا تھا جو عدالت کے کمرے میں، میں اپنے مؤکل کی حمایت میں استعمال کرنے جا رہا تھا۔ ان سنسنی خیز انکشافات کے

لیے آپ کو بھی جج کی طرح تھوڑا صبر کرنا ہوگا۔ ویسے ایک بات کا میں تہ دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ اگر عالیہ مجھ سے تعاون نہ کرتی تو میرے لیے اچھی خاصی مشکلات کھڑی ہو سکتی تھیں۔

✠ ✠ ✠

عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ استغاثہ کی جانب سے اس پیشی پر مقتول کے بڑے بھائی اشفاق کو گواہی کے لیے پیش کیا گیا۔ اشفاق کی عمر پینتیس پلس رہی ہوگی۔ وہ عام سی شکل و صورت کا مالک ایک معقول انسان تھا۔ اس وقت وہ سیاہ پتلون اور دھاری دار شرٹ میں ملبوس تھا۔

اشفاق نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ جرح کے لیے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ اس جرح میں کوئی اہم بات زیرِ بحث آ سکی اور نہ ہی کوئی چونکا دینے والا پوائنٹ ابھر کر سامنے آیا۔

میں نے اپنی باری پر، ذرا مختلف انداز میں جرح کا آغاز کیا۔ میرا اسٹائل اور سوالات کا زاویہ کچھ اس قسم کا تھا کہ گواہ کو محسوس ہی نہ ہو کہ وہ کسی ٹرائل سے گزر رہا ہے۔ انتہائی دوستانہ انداز میں، میں نے اس سے کہا۔

''اشفاق صاحب! مجھے آپ کے بھائی کی ناگہانی موت کا سخت افسوس ہے اور اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی دکھ ہے کہ آپ کو میرے سوالات کا سامنا کرنے کے لیے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا ہے..... بہرحال، یہ ایک مجبوری ہے کہ آپ کو اس مرحلے سے تو گزرنا ہی ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں وکیل صاحب!'' وہ سرسری سے لہجے میں بولا۔ ''جب اوکھلی میں سر دے دیا ہے تو پھر موسلوں سے کیا ڈرنا؟ میں ٹرائل کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو کر آیا ہوں۔ آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں.....؟''

''آپ نے وکیل استغاثہ کی جرح سے پہلے، اپنا بیان ریکارڈ کرانے سے پیشتر، معزز عدالت کے روبرو سچ بولنے کا حلف اٹھایا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا، پھر پوچھا ''کیا میں امید رکھوں کہ آپ میرے سوالات کے جوابات میں سچ کہیں گے اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہیں گے؟''

''جی ہاں..... بالکل!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا اشفاق صاحب!'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ مقتول آپ کی توقعات پر پورا نہیں اترا تھا؟''

'جی..... کیا مطلب؟'' اس نے چونک کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مطلب یہ کہ..... آپ نے اس کے مستقبل کے حوالے سے جو سنہری خواب بُن رکھے تھے، مقتول نے ان سب پر پانی پھیر دیا تھا۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

جب انسان کے دل کی بات کہی جائے تو وہ جا کر ٹھک سے لگتی ہے۔ وکیل استغاثہ اس بات پر الجھن کا شکار نظر آیا کہ میں نے استغاثہ کے گواہ کو رگیدنے کے بجائے اس سے دلی ہمدردی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ یہ دراصل طوفان سے پہلے کا سکوت اور سناٹا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے وکیل استغاثہ کو عقل و فہم سے نواز رکھا تھا تو اسے فوراً سے پیشتر یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اس خاموشی اور ہمدردانہ جذبات کے بعد میں کس طرف پلٹا کھاؤں گا لیکن..... میں وکیل استغاثہ کو چونکہ فہم و فراست کے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا تھا لہٰذا اس کے نعرۂ مستانہ یعنی ''آبجیکشن یور آنر'' سے پہلے ہی میں گواہ سے ''چمٹ'' کر رہ گیا۔

''آپ کی خواہش تھی کہ مقتول پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنے۔'' میں نے اپنائیت بھرے انداز میں کہا۔

''آپ اپنی فیملی کے حالات کی وجہ سے اچھی تعلیم حاصل نہیں کر سکے تھے لہٰذا آپ کو اپنی محرومی اور تعلیم کی اہمیت کا بہ خوبی احساس تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''تعلیم کی اہمیت سے انکار کرنا تو پاگل پن ہی کہلائے گا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''یہ سچ ہے کہ مجھے قدم قدم پر اس محرومی کا احساس رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ آپ غلط نہیں کہہ رہے۔''

میں نے اس کے مزید قریب ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک عام سا انسان یعنی خطا کا پتلا ہوں لہٰذا مجھ سے کوئی غلطی ہو سکتی ہے چنانچہ آپ پر ایک فرض عائد ہوتا ہے۔''

''کیسا فرض؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''یہ فرض کہ.....'' میں نے ایک ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں جیسے ہی کوئی غلط بات کہوں، آپ مجھے فوراً ٹوک دیجئے گا..... اوکے؟''

اس نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی اور کہا ''اوکے!''

میں تھوڑی سی محنت کے بعد استغاثہ کے گواہ یعنی مقتول کے بڑے بھائی کو ایسے ٹرانس میں لے آیا تھا کہ وہ مجھے وکیل صفائی نہیں بلکہ کوئی کنسلٹنٹ، کوئی اسپریچوئیل ہیلر (spiritual healer) سمجھنے لگا تھا۔ یہ صورت حال وکیل استغاثہ کے لیے لمحۂ فکریہ تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کسی قسم

کی مداخلت کا پروگرام بناتا، میں نے وٹنس باکس میں کھڑے استغاثہ کے گواہ کو مخاطب کیا۔

''اشفاق صاحب! میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا تو بہت دور کی بات ہے، جب آپ کے مقتول بھائی نے بہ مشکل میٹرک کرنے کے بعد ہاتھ کھڑے کر دیئے تو آپ کو ذہنی صدمے سے دوچار ہونا پڑا تھا..... پڑا تھا یا نہیں؟''

''جی ہاں..... اشتیاق کے، پڑھائی چھوڑنے کا مجھے دلی دکھ ہوا تھا۔''

''آپ نے اس کی حوصلہ افزائی کی بہت کوشش کی۔'' میں نے اس کے سیے ہوئے زخموں کو کھولنا شروع کیا ''لیکن وہ کسی بھی مرحلے پر آپ کی دل جوئی کو تیار نہ ہوا اور واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ وہ اب آگے نہیں پڑھے گا۔''

''جی ہاں۔'' وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اشتیاق کے اس فیصلے سے مجھے بہت مایوسی ہوئی تھی۔''

''پھر یہ مایوسی رفتہ رفتہ اذیت میں بدلنے لگی۔'' میں نے اس کے کھلے ہوئے زخموں کو ایٹی سیپٹک لوشن سے صاف کرنا شروع کیا۔ ''مقتول نے تعلیم کو تو خیر باد کہہ ہی دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آوارہ گردی میں بھی پڑ گیا..... ہیں نا؟''

حاضرین عدالت سمیت وکیل استغاثہ، انکوائری آفیسر اور جج بھی بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس عجیب وغریب عدالتی کارروائی کو دیکھ اور سن رہے تھے۔ میں نے عالیہ کی فراہم کردہ اور اپنی جمع شدہ معلومات کو یکجا کر کے استغاثہ کے گواہ اشفاق پر آزمانے کا ''عمل'' جاری رکھا۔

''ہاں.....!'' گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''وہ چھوٹی موٹی نوکریاں بھی کرتا رہا اور اس کے ساتھ ہی آوارہ گردی بھی جاری رکھی۔''

''نوکری کا عرصہ انتہائی قلیل ہوتا تھا۔'' میں نے لقمہ دینے والے انداز میں کہا۔ ''جبکہ آوارہ گردی کا سیشن طوالت پکڑ لیتا تھا۔ مقتول کے انہی رویوں نے آپ کی اذیت کو ذہنی عذاب میں بدل دیا تھا.....؟''

اس نے ایک بار پھر سر کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے میٹھی جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''بالآخر آپ نے اسے ٹائروں کی ایک دکان پر ملازم رکھوا دیا۔ اپنی موت کے وقت تک وہ پلازا والی اسی دکان پر ڈیوٹی دے رہا تھا۔ ایک بہت ہی اہم واقعہ مذکورہ ٹائروں کی اس دکان پر مقتول کی ملازمت کا سبب بن گیا تھا ورنہ وہ

آسانی سے آوارہ گردی کو خیر باد کہنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا.....''

میں نے لمحاتی توقف کر کے سوالیہ نظر سے گواہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ تاہم اس نے زبان کو زحمت دینے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے ہی ہمت دکھائی اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''آپ کے بھائی نے حرکت ہی ایسی کر دی تھی کہ آپ کو اپنی بلڈنگ کے مکینوں کے سامنے خاصی شرمندگی اٹھانا پڑی تھی.....خصوصاً رفیق بھائی کے سامنے.....اس افسوس ناک واقعے کے بعد ہی مقتول اس بات کے لیے راضی ہوا تھا کہ اب وہ ٹک کر کام کرے گا.....!''

''جی.....'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''جی ہاں!''

''کیا میں رفیق بھائی والے معاملے کی تفصیل میں جا سکتا ہوں؟''

''ہاں.....آں.....'' وہ ہچکچاہٹ بھرے انداز میں بولا۔ ''جی ہاں.....''

وکیل صفائی، استغاثہ کے کسی گواہ کا ٹرائل کرنے کے لیے اس سے اجازت طلب کرنے کا محتاج نہیں ہوتا لیکن میرا یہ رویہ ایک خاص مقصد کے حصول کے لیے تھا جو کہ اب سامنے آنے ہی والا تھا۔

''آپ نے مجھے رفیق بھائی کے معاملے میں بولنے کا اختیار تو دے دیا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن دو باتیں اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لیں۔''

''کک.....کون سی دو باتیں.....؟'' وہ متذبذب انداز میں مستفسر ہوا۔

میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''نمبر ایک.....آپ سچ بولنے کا حلف اٹھا چکے ہیں لہٰذا کوئی بھی غلط بیانی آپ کو کسی مصیبت میں ڈال سکتی ہے جبکہ آپ پہلے ہی کچھ کم عذاب میں مبتلا نہیں ہیں.....'' میں نے ڈرامائی انداز میں لمحاتی توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''نمبر دو.....میری شگفتہ آنٹی سے تفصیلی بات ہو چکی ہے جو کہ آپ ہی کے بلاک میں، فلیٹ نمبر اے فور میں رہتی ہیں۔ اگر اس سلسلے میں مجھے محسوس ہوا کہ آپ کسی نوعیت کی دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں تو میں صفائی کے گواہ کے طور پر شگفتہ آنٹی کو آپ کے کسی بھی جواب کی تصدیق یا تردید کے لیے عدالت میں پیش کر دوں گا۔''

وہ بے حد مشکل اور الجھن میں نظر آیا تاہم جی کڑا کر کے اس نے کہہ ہی دیا۔ ''جی ہاں.....

کیوں نہیں..... مجھے منظور ہے..... آپ سوال کریں.....''

میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ آپ کے فلیٹ کے عین نیچے فلیٹ نمبر اے سیون پڑتا ہے؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''ہم اے الیون مین رہتے ہیں اور ہمارے نیچے والے فلیٹ کا نمبر اے سیون ہے۔''

''اور کیا یہ بھی صحیح ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک فلیٹ نمبر اے سیون میں رفیق بھائی اپنی فیملی کے ساتھ رہا کرتے تھے۔'' میں نے گواہ کے گرد پھیلائے ہوئے جال کو رفتہ رفتہ سمیٹنا شروع کیا ''اور رفیق بھائی کی ایک بیٹی کا نام نازیہ تھا.....؟''

''جج..... جی ہاں.....!'' اس نے بہ دقت تمام جواب دیا۔

مجھے یہ تمام تر معلومات اپنے مؤکل کی والدہ عالیہ سے حاصل ہوئی تھیں۔ میں نے عالیہ کو اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار بھی کر رکھا تھا کہ بوقت ضرورت میں اسے گواہی کے لیے عدالت بھی بلا سکتا ہوں لیکن میری حتی الامکان کوشش یہی تھی کہ عالیہ کو ''ملوث'' کیے بغیر ہی یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے جبھی میں نے شگفتہ آنٹی والا کارڈ کھیلا تھا حالانکہ میں اسے جانتا تھا اور نہ ہی کبھی اس سے واسطہ پڑا تھا۔ شگفتہ آنٹی دراصل رفیق بھائی کی بہن اور نازیہ کی پھوپی تھی جو بلاک اے میں گراؤنڈ فلور کے فلیٹ نمبر چار میں رہائش پذیر تھی۔ میں نے جو کارڈ کھیلا تھا وہ ترپ کا اِکا ثابت ہوا تھا۔ شگفتہ آنٹی کے ذکر کے بعد استغاثہ کے گواہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

''رفیق بھائی نور اپارٹمنٹس چھوڑ کر کریم آباد کے کسی پراجیکٹ میں آباد ہو گئے تھے۔'' میں نے سلسلہ جرح کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اور انہیں یہ ہجرت آپ کے بھائی مقتول اشتیاق کے طفیل کرنا پڑی تھی.....؟''

اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے قدرے تیز لہجے میں دریافت کیا ''آپ اس بات سے تو انکار نہیں کریں گے کہ آپ کے مقتول بھائی اشتیاق کا، رفیق بھائی کی بیٹی نازیہ سے پیار محبت کا..... سلسلہ چل نکلا تھا اور وہ دونوں رات کی تاریکی میں بلڈنگ کی چھت پر جا کر خفیہ ملاقاتیں کیا کرتے تھے؟''

''جی..... حقیقت یہی ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔'' گواہ نے صدق دل سے اعتراف حقیقت کرتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

جج سمیت وہاں موجود کوئی بھی سامع اس بات کی توقع نہیں کر رہا تھا کہ میں یوں اپنی جرح کو بریک لگا دوں گا۔ ابھی تو محفل گرم ہوئی تھی، ماحول پر ایک رنگ آنے لگا تھا اور میں نے یہ کہہ کر سامعین، بشمول منصف کا مزہ کرکرا کر دیا تھا کہ..... مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی! یہ تو سامعین پر ایک بجلی گرا دینے کے مترادف تھا۔

افسانے.....عمدہ افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ وہ دھیرے دھیرے بلندی کی جانب بڑھتا ہے..... جب وہ نقطہ عروج پر پہنچتا ہے اور پڑھنے والے کا ذہن و دل اس کے ٹرانس میں آ چکا ہوتا ہے تو مصنف ایک کاری ضرب لگا کر قاری کے دل و دماغ کو جھنجوڑ ڈالتا ہے، تب پتا چلتا ہے کہ افسانہ ختم ہو گیا..... میں نے بھی کچھ ایسا ہی کیا تھا۔

جب محفل شباب پر ہو تو اٹھنے کا جو لطف ہے وہ اس کے اجڑنے کے بعد کہاں!

استغاثہ کی جانب سے اگلی گواہی جمشید کی تھی۔ جمشید، مقتول اشتیاق کا بہت قریبی دوست تھا اور انکوائری آفیسر راؤ امتیاز نے اپنے بیان میں اس کا بہت بڑھ چڑھ کر ذکر کیا تھا۔ اشفاق اپنی گواہی کے اختتام پر عدالت کے کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

جمشید مضبوط کاٹھی کا مالک، ایک پستہ قامت نوجوان تھا۔ عمر میں وہ اشتیاق کے لگ بھگ ہی تھا۔ میں نے اشتیاق کو تو نہیں دیکھا تھا تاہم کیس فائل کے مطابق اس کی عمر چوبیس پچیس سال تھی۔ جمشید کی رنگت سانولی تھی اور وہ لڑائی بھڑائی کا بھی ماہر نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں جنگجویانہ تاثرات پائے جاتے تھے۔ اپنے گھونگریالے بالوں اور مخصوص خدوخال کے باعث پہلی نظر میں وہ کوئی نیگرو دکھائی دیتا تھا۔

جمشید نے حلفیہ بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ مختلف انداز سے اس کی زبانی عدالت کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ مقتول اشتیاق، ملزم کی دھمکی سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ اس کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون چھن گیا تھا۔ اسے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ ملزم اپنی دھمکی پر عمل کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا اور بالآخر ایک روز ایسا ہو کر رہا، وغیرہ وغیرہ.....!

میں نے اپنی باری پر جج سے جرح کی اجازت لی اور وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا پھر میں نے سرتاپا گواہ کا جائزہ لیتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''جمشید! کیا تم کوئی ورزش وغیرہ بھی کرتے ہو؟''

وہ سمجھا کہ میں اس کی مضبوط کاٹھی اور ورزشی بدن سے متاثر ہو گیا ہوں۔ جلدی سے بولا۔ ''جی ہاں..... میں باڈی بلڈنگ کرتا ہوں۔''

''صرف باڈی بلڈنگ یا.....؟''

''باڈی بلڈنگ کے علاوہ مجھے مارشل آرٹس کا بھی شوق ہے۔''

''کیا تم نے کوئی مارشل آرٹس کلب جوائن بھی کر رکھا ہے؟''

''جی نہیں.....'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن عنقریب ایسا کرنے کا میرا ارادہ ہے۔''

''کوئی فائدہ نہیں ہے جمشید.....!'' میں نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جی، کیا مطلب؟'' وہ ہکا بکا ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''جمشید! تم باڈی بلڈنگ، مارشل آرٹس، باکسنگ یا جو کچھ بھی سیکھ لو لیکن اس سے تمہارا کوئی بھلا نہیں ہونے والا کیونکہ تم.....؟''

میں نے دانستہ سنسنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا ''کیونکہ کیا وکیل صاحب؟''

''کیونکہ.....!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک بزدل انسان ہو۔ ایک بلی کا بچہ بھی تم سے زیادہ بہادر ہوتا ہے۔''

''یہ..... آپ کیا کہہ..... رہے ہیں.....؟'' اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں جمشید۔'' میں نے ٹھوس انداز میں جواب دیا۔ ''اگر انسان اندر سے ڈرپوک ہو تو دنیا جہان کا اسلحہ لے کر بھی وہ ایک چیونٹی کو نہیں مار سکتا۔ تمہاری مثال بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔''

''آپ..... آپ بہت..... زیادتی کر رہے ہیں۔'' وہ برہمی سے بولا۔ ''میں کمزور اور بزدل نہیں ہوں۔ میں دس بندوں کا اکیلے مقابلہ کر سکتا ہوں۔''

''سب کہنے کی باتیں ہیں جمشید۔'' میں نے اکسانے والے انداز میں کہا۔ ''میں تمہاری ان شیخیوں سے متاثر ہونے والا نہیں ہوں..... جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔''

''میں گرجتا نہیں بلکہ برس کر بھی دکھا سکتا ہوں۔'' وہ جارحانہ لہجے میں بولا، پھر پوچھا۔ ''آپ نے کس بات سے اندازہ لگایا ہے کہ میں ڈرپوک ہوں؟''

''تمہاری بے وفائی سے.....!''

''بے وفائی!'' وہ منہ بگاڑ کر بولا۔''میں نے کس سے بے وفائی کی ہے؟''

''اپنے جگری دوست اشتیاق سے!''

''یہ تو آپ الٹی بات کر رہے ہیں.....!'' وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تمہاری بات کا مطلب ہے، مقتول نے تم سے بے وفائی کی ہے؟''

''جی ہاں..... بالکل!'' وہ جوش جذبات میں بول گیا۔

میں نے پوچھا۔''وہ کس طرح؟''

''وہ اس طرح کہ.....'' اچانک اس کی آواز بھرا گئی۔''وہ..... مجھے چھوڑ کر چلا گیا، میرا دوست مجھ سے بچھڑ گیا..... میں تنہا رہ گیا ہوں۔''

''میں اپنی بات پر قائم ہوں جمشید!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔''اگر تم نے پیٹھ نہ دکھائی ہوتی تو شاید اشتیاق آج زندہ ہوتا.....!''

''مم..... مگر میں نے.....'' وہ بے حد الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔''میں نے کہاں پیٹھ دکھائی ہے؟''

میں اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔''تم تو اتنے بہادر اور جی دار ہو کہ اکیلے دس بندوں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکتے ہو..... اور تمہارا وہ دوست اس بے چارے نوجوان سے سہم سہم کر زندگی گزارتا رہا۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے اکیوزڈ باکس میں کھڑے اپنے مؤکل اور اس کیس کے ملزم عمران کی جانب اشارہ کیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم نے پہلے پولیس کو اور بعد ازاں عدالت میں حلفیہ بیان دیا ہے کہ مقتول، ملزم کی دھمکی کی وجہ سے بہت خوف زدہ تھا۔ کیا تم اپنے دوست کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے؟ تمہارا یہ سینڈو والا بدن کیا اچار ڈالنے کے کام آئے گا۔ تم دس بندوں کا بہت دلیری سے مقابلہ کرنے کے دعویدار ہوں اور تمہارا عزیز از جان دوست ڈر ڈر کر سانس لیتا رہا۔ یہ تمہارے لیے ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے.....؟''

میرے ان متعدد سوالات نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا اور یہی میرا مطمح نظر تھا۔ ابھی تک میں نے جو جرح کی تھی اس کا صرف اتنا سا مقصد تھا کہ استغاثہ کا گواہ بوکھلا کر رہ جائے تاکہ میں اس کی

زبان سے جو کچھ اگلوانا چاہتا ہوں، اس میں مجھے کسی دشواری کا سامنا نہ ہو اور...... الحمدللہ! میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔

وہ سٹپٹائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اشتیاق کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی...... بہت حوصلہ دیا تھا اسے...... لیکن......''

''مجھے یقین آ گیا جمشید!'' میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روک دیا ''تم مقتول کے سچے دوست تھے۔ تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی بدقسمتی کہ زندگی نے وفا نہ کی اور وہ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا۔''

وہ حیران و پریشان نظر سے میرے بدلے ہوئے تیوروں کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس کا دوست ہوں یا دشمن...... وہ میری بات پر یقین کرے یا میری نیت پر شک؟ وہ ''ہاں'' اور ''نہ'' کی درمیانی پوزیشن میں لٹکا، حیرت اور استعجاب کی ملی جلی کیفیت میں مجھے تکے جا رہا تھا۔ اس کی اس ذہنی حالت کے پیش نظر میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ استغاثہ کا گواہ جمشید اس وقت مکمل طور پر میرے ٹرانس میں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پھریری لے کر میری گرفت سے نکل جاتا، میں نے اپنی ''محنت'' وصول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''جمشید!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''اس بات میں تو کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ تم مقتول کے سچے اور مخلص دوست تھے، اس کے حقیقی خیر خواہ تھے؟''

''جی ہاں...... بے شک۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

''اور وہ بھی تمہارا بے لوث دوست تھا؟''

''بالکل جناب!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی ''میں اسے کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔''

''بھولنا بھی نہیں چاہیے!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''جمشید! دنیا بھر میں اس اصول کو مسلم مانا جاتا ہے کہ سچے اور حقیقی دوست ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے۔ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی شیئر کرتے ہیں۔ کیا تم بھی مقتول کے ساتھ اسی قسم...... کی دوستی نبھا رہے تھے؟''

''جی ہاں!'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''میں نے تو اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ آج میں نے کیا کھایا ہے، کیا پیا ہے اور کس سے کون سی بات کی ہے......''

''اور وہ؟''

''وہ بھی اپنے دل کا احوال مجھے بتا دیا کرتا تھا۔''

''کیا یہ درست ہے کہ کچھ عرصہ پہلے نازیہ نامی ایک لڑکی سے مقتول کا چکر چلا تھا۔'' میں نے قدرے تیز آواز میں پوچھا۔ ''نازیہ پہلے نورا پارٹمنٹس ہی میں رہتی تھی۔ مقتول اور نازیہ بلڈنگ کی چھت پر ملا کرتے تھے۔ اب وہ لوگ کریم آباد کے علاقے میں شفٹ ہو چکے ہیں.....'' میں نے لمحاتی توقف کیا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تنبیہی انداز میں اضافہ کیا۔

''اس سوال کا جواب دیتے ہوئے تمہیں ایک حقیقت کو ذہن میں رکھنا ہوگا اور وہ یہ کہ تم سے پہلے والی گواہی میں معزز عدالت کے روبرو مقتول کا بڑا بھائی اشفاق، اشتیاق اور نازیہ کے چکر کے حوالے سے حقائق کا اعتراف کر چکا ہے۔ اگر تم نے غلط بیانی سے کام لینے کی کوشش کی تو تمہارا بیان، اشفاق کے بیان سے لگا نہیں کھائے گا اور مجبوراً مجھے اشفاق کو دوبارہ عدالت میں بلانا پڑے گا تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو سکے اور یہ حقیقت منظر عام پر آ جائے کہ تم دونوں میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا لہٰذا..... جو بھی بولنا، بہت سوچ سمجھ کر بولنا.....!''

''اگر اشفاق بھائی حقیقت کا اعتراف نہ بھی کر چکے ہوتے تو بھی مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ تھوڑی دیر پہلے اشفاق بھائی نے کیا بیان دیا ہے۔ بہرحال، میں چونکہ معزز عدالت کے روبرو سچ بولنے کا حلف اٹھا چکا ہوں اس لیے دروغ گوئی سے کام نہیں لوں گا اور سچ یہ ہے کہ.....'' اس نے مختصر سا توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر انکشافی لہجے میں بولا۔

''مقتول اور نازیہ میں واقعی پیار و محبت کا معاملہ چل رہا تھا۔''

''جب یہ معاملہ سامنے آیا تو اس پر بہت لے دی ہوئی تھی۔'' میں نے اپنی جرح کو اینڈ پوائنٹ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ ''جس کے نتیجے میں نازیہ کے والد رفیق بھائی وہ بلڈنگ چھوڑ کر کریم آباد شفٹ ہو گئے تھے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں جناب..... آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''ایسا ہی ہوا تھا۔''

''تم اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ انسان کے اندر سے پیار و محبت کے جراثیم آسانی سے کیا..... مشکل سے بھی ختم نہیں کیے جا سکتے.....؟''

''جی ہاں..... یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

''وہ بھی اپنے اندر موجود پیار و محبت کے جراثیم کو کچل نہیں سکا تھا؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب.....!''

''چونکہ سوال پیدا نہیں ہوتا اس لیے مقتول نے جواب پیدا کر لیا تھا؟'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اس نے پیار و محبت کے جراثیم کے نان و نفقہ کے لیے ایک اور آستاں تلاش کر لیا تھا..... ہیں نا؟''

''جج..... جی۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اور یہ آستاں بھی نور اپارٹمنٹس ہی میں واقع تھا.....'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''مقتول کو اپنی بلڈنگ کی ایک اور لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نن..... نہیں!''

''اس کا مطلب ہے، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

''جج..... جی ہاں۔''

''اور ان دونوں کی ملاقاتیں بھی اکثر رات کی تاریکی میں بلڈنگ کی چھت پر ہی ہوا کرتی تھیں؟'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

استغاثہ کے نوجوان گواہ، جمشید نے مقتول کے نئے معاشقے کا اقرار کر کے جو چار انگلا تھا، اس کے ساتھ ہی میرا لگایا ہوا ایک نوک دار کانٹا بھی تھا جو اب اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ اسی کانٹے میں لگے ہوئے چارے کو وہ اگل سکتا تھا اور نہ ہی نگل سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں مختلف تیکھے سوالات کی شکل میں کانٹے کی ڈور کو جو ہلکے ہلکے جھٹکے دے رہا تھا، اس عمل نے گواہ کو ایک نادیدہ اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس کی حالت ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' کا منہ بولتا ثبوت تھی!

''جی ہاں..... بالکل ایسا ہی تھا.....'' اس نے لکنت زدہ انداز میں میرے استفسار کی تصدیق کی۔

''اور مقتول کی محبت کا یہ عمل اس کی موت تک جاری و ساری تھا؟''

گواہ نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''مقتول کی آخری محبوبہ کا تعلق بلاک اے سے تھا یا بلاک بی سے؟''

''بلاک بی سے۔'' اس نے بے دھڑک جواب دیا۔

''مقتول کی آخری محبوبہ کا نام.....؟''

''سونیا.....!''

''کون سونیا؟''

''کیفی صاحب کی بیٹی.....!''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

✠ ✠ ✠

منظر اسی عدالت کا تھا اور وٹنس باکس میں استغاثہ کا ایک اور اہم اور معتبر گواہ اور بلڈنگ کمیٹی کا صدر کھڑا تھا۔ وہ نسواری رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ صدر کی عمر لگ بھگ پچاس سال رہی ہو گی۔ وہ بھاری جثے کا مالک ایک توندیلہ شخص تھا۔ رنگت گندمی اور چہرے کے تاثرات میں ایک خاص قسم کی کرختگی پائی جاتی تھی۔

حلفیہ بیان دینے کے بعد صدر صاحب جرح کے نام پر وکیل استغاثہ کو اور خصوصاً معزز عدالت کو یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف دکھائی دیئے کہ اس کیس کا ملزم یعنی میرا موکل عمران ایک جھگڑالو اور غصہ ور نوجوان تھا اور یہ بھی کہ ملزم کی ماں عالیہ بھی ایک فتنہ پرور اور پھڈے باز عورت تھی۔ ہر کوئی اس کے منہ لگتے ہوئے ڈرتا تھا وغیرہ وغیرہ.....!

میں اپنی باری پر سوال و جواب کے لیے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دانستہ ان ایشوز کو سرسری انداز میں لیا جن پر وکیل استغاثہ نے سیر حاصل جرح کر کے ملزم کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسی طرح میں نے ان امور پر بڑی تفصیلی بات کی جنہیں وکیل مخالف نے چھونے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی اور یہی میری کامیابی کا سبب بھی بنا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گواہ کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کچھ اس طرح کیا ''صدر صاحب! استغاثہ کی جانب سے اب تک مختلف مراحل پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملزم ایک غصہ ور، جھگڑالو اور شر پسند نوجوان ہے۔ اس ذیل میں اس کے جھگڑوں اور پھڈوں کو مثالیں بنا کر بھی پیش کیا گیا۔ آپ اپنی ذاتی حیثیت سے بتائیں کہ آج تک آپ کے ساتھ ملزم کی کتنی مرتبہ لڑائی ہو چکی ہے؟''

''مجھ سے تو کبھی اس کی منہ ماری نہیں ہوئی۔'' وہ اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''اس کے باوجود بھی آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اس بے چارے کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔'' میں نے شاکی نظر سے استغاثہ کے گواہ صدر صاحب کی طرف دیکھا۔ ''وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں آپ نے میرے مؤکل کو دنیا کا براترین انسان ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؟''

''شاید آپ نے میری گفتگو کے زاویے پر غور نہیں کیا.....'' وہ سنبھالا لیتے ہوئے بولا۔ ''اسی لیے آپ مقصد کی تہ تک نہیں پہنچ سکے۔''

''اس میں یقیناً میری کسی کوتاہی کو دخل ہوگا۔'' میں نے عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''برائے مہربانی آپ اپنے زاویے کو اجاگر فرمائیں.....''

''یہ ملزم تو ایک طرح سے آلہ کار کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس کے پیچھے ڈوریاں ہلانے کا کام تو اس کی والدہ کرتی ہیں۔ اصل فساد کی جڑ وہی عورت ہے۔''

اس کی لوز بال پر میں نے سکسر لگانے میں ذرا سی بھی غفلت سے کام نہیں لیا اور سہلانے والے انداز میں پوچھا ''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ استغاثہ کے مطابق ملزم نے اشتیاق کا قتل اپنی والدہ کے ایما پر کیا تھا؟''

وہ گھبرا کر جلدی سے بولا۔ ''میں خاص طور پر اشتیاق کے قتل کی بات نہیں کر رہا ہوں۔''

''لیکن اس وقت تو عدالت میں اشتیاق مرڈر کیس کی سماعت جاری ہے؟''

''میں جانتا ہوں.....'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''پھر؟'' میں نے زچ کرنے والا انداز جاری رکھا۔

''میں آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اصل فتنے کی جڑ ملزم کی ماں عالیہ ہے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''عالیہ کے لاڈ پیار اور بے جا حمایت نے اس لونڈے کا دماغ خراب کر دیا ہے اور یہ بڑا بدتمیز اور جھگڑالو ہو گیا ہے۔ مجھ سے پھڈا کرنے کی تو کبھی اس کی ہمت نہیں ہوئی البتہ، اس کی ماں سے اکثر و بیشتر گرما گرمی ہو جاتی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی سلگانے والی بات کر دیتی ہے اور انسان لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ جب اس مزاج کی ماں اپنے بیٹے کی تربیت کرے گی تو پھر وہ جو بھی طوفان کھڑا کر دے کم ہے.....'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ان حالات کی روشنی میں اس بات کے امکانات بہت واضح ہو جاتے ہیں کہ اس خودسر اور بدتمیز نے اشتیاق کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو۔''

''او کے صدر صاحب! ملزم کے مجرم ہونے کے حوالے سے آپ کا نظریہ بالکل واضح ہو گیا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب ذرا آپ مجھے اس کی والدہ کے بارے میں بتائیں۔''

''مثلاً کیا بتاؤں؟'' الٹا اس مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔

''مثلاً..... کس کس بات پر آپ کی اس سے بدمزگی ہوتی رہتی ہے؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے یہ کوئی گمبھیر معاملہ ہو۔

''کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں نا.....'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''مجھے سب سے زیادہ غصہ تو اس عورت کی ہٹ دھرمی پر آتا ہے۔ اسے دوسروں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بے حسی کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کبھی ہماری بلڈنگ میں آ کر تو دیکھیں.....''

''میں ضرور آؤں گا۔'' میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''کوئی خاص بات ہے؟''

''جب آ کر دیکھیں گے تو پتا چلے گا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میں آپ کو بی بلاک کے ٹاپ فلور پر لے جاؤں گا، ملزم کے گھر کے دروازے کے سامنے۔ آپ دیکھ سکیں گے کہ ان لوگوں نے اپنے دروازے سے لے کر چھت والے دروازے تک کیا کیا کاٹھ کباڑ جمع کر رکھا ہے۔ آنے جانے والوں کا راستہ بالکل بند ہو کر رہ گیا ہے۔ اس عورت نے گویا اپنے گھر کے اندر اور باہر ایک چھوٹا سا کارخانہ قائم کر رکھا ہے جہاں کھٹے آلو، کھٹے چنے، چپس اور جانے کون کون سے آئٹمز تیار ہوتی رہتی ہیں۔ میں ان کے فلیٹ کے عین نیچے رہتا ہوں۔ رات گئے تک اوپر ایسی ایسی آوازیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ انسان ایک لمحے کے لیے بھی سکھ سے سو نہ سکے۔ پتا نہیں یہ ماں بیٹا رات گئے کن کارروائیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ دیکھنے میں تو یہ دو افراد ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے، میرے سر کے اوپر ایک پورا اصطبل آباد ہو۔''

''واقعی..... یہ تو بہت ہی غلط بات ہے۔'' میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ ''انسان کو اپنے پڑوسیوں کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔''

''کوئی انسان ہو تو نا!'' وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ ''میں تو سوچ رہا ہوں، اس عورت کے خلاف اوپری سطح پر شکایت کر دوں کہ اس نے ایک پرامن رہائشی آبادی میں فیکٹری کھول رکھی ہے تا

کہ اس سے باز پرس کی جائے۔ یا تو یہ گھر کو گھر کی طرح استعمال کرے اور یا پھر اپنا ٹین ڈبا لے کر کسی انڈسٹریل ایریا میں شفٹ ہو جائے۔''

''یہ کام تو آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے جوش دلانے والے انداز میں کہا۔ ''آپ تو بلڈنگ کمیٹی کے صدر ہیں جناب.....!''

''ہماری بلڈنگ کے دونوں بلاکوں میں کل ملا کر چالیس فلیٹس ہیں۔'' وہ بڑے دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ ''الحمد للہ! ان میں ایک کو چھوڑ کر باقی سب مجھے صدر تسلیم کرتے ہیں۔ صرف یہی ایک عورت مجھے کچھ نہیں سمجھتی حتیٰ کہ یہ تو اپنی بدمعاشی سے ماہانہ مینٹی نینس بھی نہیں دیتی۔''

''یہ کیا قصہ ہے صدر صاحب؟'' میں نے چونکنے کے انداز میں پوچھا۔

اس کیس میں، میں وکیل صفائی کا کردار ادا کر رہا تھا لیکن استغاثہ کے گواہ کے ساتھ میری اس گفتگو کو سن کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں گواہ کا ٹرائل کر رہا ہوں۔ یوں ہی محسوس ہوتا تھا جیسے دو ہم خیال دوست آپس میں باہمی امور پر بات چیت کر رہے ہوں لیکن یہ حقیقت نہیں بلکہ میری ایک چال تھی۔ میں صدر صاحب جیسے کائیاں آدمی کو اپنے دام میں لانے کے لیے یہ جذباتی اور خیر خواہانہ اداکاری کر رہا تھا۔ بس، کوئی لمحہ جاتا تھا کہ میں صدر صاحب کو اپنی غیر محسوس گرفت میں جکڑنے ہی والا تھا۔

''قصہ کچھ اس طرح ہے جناب.....'' وہ میرے استفسار کے جواب میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جب یہ بلڈنگ بنی تھی تو شروع میں یہاں آ کر آباد ہونے والوں میں ایک عورت یہ بھی تھی اور ان دنوں یہ نئی نئی بیوہ ہوئی تھی لہٰذا اس وقت کی بلڈنگ کمیٹی نے ترس کھاتے ہوئے اس کی مینٹی نینس معاف کر دی تھی۔ تب میں اور اب میں زمین آسمان کا فرق آ چکا ہے۔ آج کل ماشاءاللہ! یہ عورت اٹھارہ گریڈ کے آفیسر سے بھی زیادہ کما رہی ہے۔ اس کی دکان دھڑا دھڑ چل رہی ہے۔ علاوہ ازیں پراپرٹی ایجنٹ کے طور پر بھی اچھا خاصا کما رہی ہے۔ مہینے میں دو تین پارٹیوں کو بھی آپس میں ملا دے تو اس کا کمیشن کھرا ہے۔ اس کے گھر میں ٹی وی، فریج، ٹیپ ریکارڈر، وی سی آر، گیزر اور ضرورت کی ساری اہم چیزیں موجود ہیں لیکن جب مینٹی نینس دینے کی باری آتی ہے تو یہ فوراً بیوہ بن جاتی ہے۔'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے ٹھہرا، پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

''بہت سی شوہروں والیاں بڑی رشک کی نگاہ سے اس بیوہ کو دیکھتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں کچھ اس قسم کے جذبات چمک رہے ہوتے ہیں کہ.....اگر بیوگی کے یہ مزے ہیں تو اللہ.....!''

صدر صاحب نے بڑے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو مجھ سمیت عدالت میں موجود ہر شخص اس جملے کے ان کہے آخری لفظ تک پہنچ گیا۔ میں ایک خاص مقصد کے پیش نظر صدر صاحب کا دکھڑا سن رہا تھا، سو وہ مقصد پورا ہو چکا تھا۔

''اس فضول قصے پر مٹی ڈالیں جناب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی بلڈنگ کی چھت کا کچھ ذکر کرتے ہیں..... اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو؟''

''نہیں جناب! مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''آپ کہیں، کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک، آپ کی بلڈنگ کی چھت تک رسائی کے لیے دو دروازے استعمال کیے جاتے تھے۔ ایک بلاک اے کی طرف سے اور دوسرا بلاک بی کی جانب سے.....؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ایسا ہی تھا۔''

''پھر بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر بلاک اے والے چھت کے دروازے کو مستقل طور پر لاک کر دیا گیا۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اور اب صرف بلاک بی والے دروازے ہی سے چھت پر پہنچا جا سکتا ہے..... اور اس دروازے کی ایک چابی آپ کے پاس رہتی ہے اور دوسری چابی چوکیدار دلاور خان کے پاس..... بلڈنگ کا کوئی رہائشی آپ دونوں کی مرضی یا اجازت کے بغیر چھت پر نہیں جا سکتا؟''

''یہ سب تو ٹھیک ہے۔'' وہ اپنا دامن بچاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اگر کوئی فتنہ پرور انسان عیاری سے اس تالے کی ڈپلی کیٹ چابی بنوا لے تو اس کا کیا، کیا جا سکتا ہے۔''

''ڈپلی کیٹ چابی کا ذکر ہم تھوڑی دیر کے بعد کریں گے۔'' میں نے بہت رسان سے کہا۔ ''پہلے اس سے بھی زیادہ اہم معاملے نمٹا لیں۔''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ اس نظر سے جھلکتے سوال کو میں نے بہ آسانی پڑھ لیا۔ صدر یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ ''اہم معاملہ'' کون سا ہے۔

''صدر صاحب! جن ناگزیر وجوہ کی بنا پر بلاک اے کے چھت والے دروازے کو مستقلاً لاک کر دیا گیا تھا، اس کا تعلق مقتول ہی سے تھا نا؟''

''جی ہاں!'' اس نے مختصر سا جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''مقتول اور اس کی محبوبہ نازیہ سے؟''

اس نے ایک بار پھر اثبات میں جواب دیا۔

''صدر صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مقتول اور نازیہ کی محبت کا معاملہ جب کھل کر سب کے سامنے آ گیا تو رفیق بھائی کو بڑی شرمندگی اٹھانا پڑی تھی اور پھر..... جلد ہی وہ نورا پارٹمنٹس کو خیر باد کہہ کر کریم آباد شفٹ ہو گئے تھے۔ اگر میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں تو برائے مہربانی آپ مجھے ٹوک دیجیے گا۔''

''نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعہ بہ عین ایسے ہی پیش آیا تھا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''رفیق بھائی بہت ہی شریف النفس انسان ہے۔ بیٹے کا معاملہ بہت نازک تھا۔ وہ اسی ندامت اور خفت میں ہماری بلڈنگ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔''

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں صدر صاحب۔'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بیٹیوں کے معاملات واقعی بہت نازک اور حساس ہوتے ہیں۔ انسان غیرت میں کچھ بھی کر بیٹھتا ہے..... لیکن.....!''

میں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی تو وہ اضطراری لہجے میں پوچھ بیٹھا ''لیکن کیا وکیل صاحب.....؟''

''لیکن یہ کہ.....'' میں نے سسپنس برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں رفیق بھائی بہت ہی بزدل آدمی تھا جیسا کہ عموماً ہر شریف انسان ہوتا ہے۔ اسے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔''

''مثلاً..... وہ کیا کرتا؟'' وہ پوچھ بیٹھا۔

''وہ مقتول کو ایسا سبق سکھاتا جیسا کہ..... جیسا کہ.....'' میں نے ڈرامائی انداز میں لکنت کا مظاہرہ کیا پھر سرسری انداز میں کہا۔ ''خیر چھوڑیں صدر صاحب! اس بحث میں پڑ کر ہم اصل موضوع سے دور ہو جائیں گے۔''

وہ یک ٹک خاموش نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''صدر صاحب!'' میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جب رفیق بھائی کریم آباد شفٹ ہو گئے تو پھر آپ کو چھت والا دوسرا دروازہ بھی کھول دینا چاہیے تھا کیونکہ چھت کے ''غلط استعمال'' کا خطرہ تو ٹل گیا تھا؟''

''یہ خطرہ تو ٹل گیا تھا.....'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''لیکن میں نے اس خیال سے وہ دروازہ مستقلاً لاک کروادیا کہ اس مثال سے حوصلہ پکڑ کر کوئی اور نوجوان جوڑا مقتول اور نازیہ کی تاریخ کو دہرانے کی کوشش نہ کرے۔'' وہ لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''دودھ کا جلا، چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے جناب.....!''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں صدر صاحب! لیکن کیا آپ کو یقین ہے، آپ کی اس پیش بندی کے بعد یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے رک گیا تھا؟''

''جی ہاں، مجھے یقین ہے۔''

''نہ تو کسی اور نوجوان جوڑے کی ایسی ہمت ہوئی تھی اور نہ ہی مقتول نے کوئی نیا کھاتا کھولا تھا؟''

''اگر ایسا کوئی کام ہوا ہوگا تو میرے علم میں نہیں اور نہ ہی ایسے معاملات کی خبر رکھنا میرے فرائض کا حصہ ہے۔'' وہ قدرے اکھڑ لہجے میں بولا۔ ''ہاں، اس بات کی میں گارنٹی لے سکتا ہوں کہ اس کے بعد سے بلڈنگ اس قسم کی ملاقاتوں کے لیے استعمال نہیں ہوئی۔''

''یعنی جب سے آپ نے بلاک اے والے دروازے کو پکا لاک کر دیا تھا؟''

''جی ہاں، میرا یہی مطلب ہے۔''

''صدر صاحب! آپ بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہیں۔''

''یہ ایک حقیقت ہے جناب.....''

''صدر صاحب! میری ٹھوس معلومات کے مطابق، مقتول نے نازیہ والے معاملے کے بعد ہمت نہیں ہاری تھی۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''بلکہ بلاک بی کے ایک بینک میں نیا کھاتا کھول لیا تھا.....!''

''آپ.....اتنی بڑی بات.....کس بنا پر کہہ رہے ہیں.....؟'' وہ ہل کر رہ گیا۔ ''اس سلسلے میں آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے؟''

''صدر صاحب! اول تو یہ بات میں نہیں کہہ رہا بلکہ پچھلی ایک پیشی پر استغاثہ کے ایک گواہ اور مقتول کے جگری دوست جمشید نے معزز عدالت کے روبرو یہ سنسنی خیز انکشاف کیا تھا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور جہاں تک ٹھوس ثبوت مہیا کرنے کی بات ہے تو میں آئندہ پیشی پر دونوں کو عدالت میں طلب کرنے کے احکامات صادر کروا دیتا ہوں۔''

''دونوں کو..... کیا مطلب؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''جمشید کو اور بی بلاک کی اس لڑکی کو جس سے ملاقات کے لیے مقتول اپنی موت تک راتوں کو چھپ چھپ کر بلڈنگ کی چھت پر جایا کرتا تھا.....؟''

''یہ آپ بڑی عجیب بات بتا رہے ہیں۔'' وہ مصنوعی الجھن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''جب چھت کی چابی میرے اور چوکیدار کے سوا اور کسی کے پاس نہیں تو پھر کوئی چھت پر کیسے جا سکتا ہے.....''

''مقتول اشتیاق کو بلڈنگ کی چھت پر بڑے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔'' میں نے قدرے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ وقوعہ کی رات چھت پر گیا تھا۔ بند دروازوں والی چھت پر کیسے گیا تھا، اس معاملے کو بعد میں بھی طے کیا جا سکتا ہے..... گیا تھا تو یقیناً وہ اپنی محبوبہ سے ملاقات کے لیے وہاں پہنچا ہوگا لیکن ممکن ہے، محبوبہ سے پہلے اس کا باپ وہاں پہنچ گیا ہو..... یا عین ممکن ہے کہ محبوبہ کا باپ پہلے سے وہاں، کسی تاریک کونے میں گھات لگائے بیٹھا ہو..... اسے جیسے ہی موقع ملا، اس نے مقتول کی بے خبری میں وزنی ہتھوڑے کا وار کر کے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا..... ٹائیں ٹائیں فش!''

''کہانی اچھی ہے.....'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''لیکن وکیل صاحب! یہ سب کچھ جو آپ نے بیان کیا ہے، عملاً ممکن نہیں.....''

''صدر صاحب! کمال کر رہے ہیں آپ!'' میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''ایسا غضب نہ کریں۔ یہ سب تو عملاً پیش آ چکا..... لیکن مجھے ایک بات پر سخت حیرت ہے صدر صاحب.....!''

''کس بات پر؟''

''اس بات پر کہ آپ نے ابھی تک اس لڑکی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جس سے ملاقات کی خواہش میں بے چارہ مقتول اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''کیوں صدر صاحب..... ایسا کیوں؟''

''اگر..... میں نے نہیں..... پوچھا تو آپ ہی..... بتا دیں۔'' وہ گڑبڑا کر بولا۔

''آپ کو بار بار ''صدر صاحب'' کہتے ہوئے مجھے بڑا عجیب سا لگ رہا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں صدر پاکستان سے مخاطب ہوں.....''

''تو میں اس سلسلے میں آپ کی..... کیا مدد..... کر سکتا ہوں؟'' وہ خاصی رکھائی سے بولا۔

''بس، آپ مجھے اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں ''صدر صاحب'' کے بجائے آپ کے اصل نام سے مخاطب کر سکوں۔'' میں نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔ ''آپ کی اس اجازت سے میرا مسئلہ..... بلکہ اس عدالت کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے حالانکہ عدالت پہلے سے آپ کا نام جانتی ہے۔ یہ تو میری ہی کوتاہی ہے کہ میں اب تک ''صدر صاحب'' کی رٹ لگائے ہوئے ہوں، ایک مرتبہ بھی میں نے آپ کو آپ کے نام سے نہیں پکارا۔''

''تو یہ شوق اب پورا کر لیں۔'' بادل نخواستہ اس کی زبان سے نکلا۔

''کفایت اللہ عرف کیفی صاحب!'' میں نے ایک ایک لفظ پر سنسنی خیز دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کو اس بات کا کب احساس ہوا کہ مقتول نے آپ کی صاحب زادی سونیا کو اپنی محبت کے سنہرے جال میں پھانس لیا تھا.....؟''

میرے اس انکشاف انگیز استفسار سے عدالت کے اندر گمبھیر سناٹا طاری ہو گیا۔ ہر شخص کی نظر وٹنس باکس میں کھڑے کیفی المعروف بہ ''صدر صاحب'' کے ہونٹوں پر لگی ہوئی تھی کہ دیکھیں وہاں سے کیا جواب آتا ہے۔

چند لمحات تک کیفی سکتے کی کیفیت میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں کسی خوف ناک زلزلے کے آثار نمودار ہوئے، پھر اس کے لب تھرتھرا اٹھے اور ان کے کپکپاتے ہوئے لبوں سے چیخ سے مشابہ آواز خارج ہوئی۔ وہ میری جانب انگلی اٹھاتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''وکیل کے بچے..... میں تمہاری..... زبان کو گدی سے..... کھینچ نکالوں گا..... تم جانتے نہیں ہو کہ میں..... کہ میں.....!''

کف اڑانے والے انداز میں اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی اور بے ساختہ وٹنس باکس سے باہر نکل آیا۔ اس کے دھمکی دار خطرناک الفاظ کی روشنی میں مجھ سمیت، عدالت کے کمرے میں موجود ہر شخص یہی سمجھا کہ وہ مجھ پر حملہ آور ہونے آ رہا ہے۔ میں ذہنی طور پر ہر ایمرجنسی کے لیے تیار ہونے کے ساتھ ہی احتیاطاً ایک محفوظ گوشے کی جانب سرک گیا لیکن ایسا کچھ بھی پیش نہ آیا جس کی ہم سب لوگ توقع کر رہے تھے۔

استغاثہ کا گواہ کفایت اللہ عرف کیفی یعنی بلڈنگ کا صدر وٹنس باکس سے باہر آنے کے بعد،

عجلت میں عدالت کے دروازے کی سمت لپک گیا۔ یہ فرار کی ایک کھلم کھلا کوشش تھی۔ اگلے ہی لمحے مخصوص عدالتی عملہ فوراً حرکت میں آ گیا۔

اس سے پہلے کہ کیفی عدالت کے کمرے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو پاتا، متذکرہ بالا عملے نے فوری ہنگامی کارروائی کر کے اسے دبوچ لیا، پھر عدالت کے حکم پر اسے باقاعدہ گرفتار کر لیا گیا۔

✠ ✠ ✠

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا۔

جب اصل مجرم پولیس کی کسٹڈی میں پہنچ جاتا ہے تو اس سے اقبال جرم کرانے میں ہینگ اور پھٹکری کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیفی نے جس انداز میں عدالت سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی وہ انداز اس کے مجرم ہونے کی روشن دلیل تھا۔ میں نے غیر محسوس طریقے سے جرح کی چھری کی مدد سے اسے جس صفائی سے حلال کیا تھا اس پر وہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا اور اسکے اسی حقیقی ردعمل نے جج کو بھی اس کی گرفتاری پر اکسایا تھا۔ جب کیفی نے پولیس کی مہمان داری کے دوران میں اشتیاق کے قتل کا اقرار کر لیا تو پھر میرے مؤکل کی قید کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی بے گناہی ثابت ہوتے ہی عدالت نے اسے رہائی کی نوید سنا دی۔

کیفی نے اپنی گرفتاری کے بعد، اقبال جرم کرتے ہوئے پولیس کو جو بیان دیا اس کے مطابق وہ اشتیاق اور اپنی بیٹی کے معاملے سے واقف ہو گیا تھا لیکن اس نے اشتیاق یا سونیا کو سمجھانے کا تکلف نہیں کیا۔ وہ اشتیاق کی سابق ہسٹری سے واقف تھا لہٰذا بدنامی کی کوئی صورت حال پیدا ہونے سے پہلے ہی اس نے اشتیاق کا کانٹا صاف کرنے کا پروگرام طے کر لیا۔

وہ یہ تحقیق کر چکا تھا کہ سونیا نے اس کی چھت والی چابی چرا کر اشتیاق کی مدد سے اس کی ڈپلی کیٹ چابی بنوالی تھی جو کہ اشتیاق کے پاس رہتی تھی۔ انہیں جب بھی ملنا ہوتا تھا، رات کی تاریک میں اشتیاق چپکے سے چھت پر پہنچ جاتا تھا، اور تھوڑی دیر کے بعد سونیا بھی اس کے پاس ہوتی۔

کیفی نے ان کے معمولات کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور وقوعہ کی رات کو اپنے فیصلے پر عمل کے لیے چن لیا۔ اس کی تحقیق کے مطابق، اس رات اشتیاق اور کیفی کی بیٹی سونیا کو چھت پر ملاقات کرنا تھی۔ وہ ان کے ملن کے وقت سے پہلے ہی چھت پر پہنچ گیا اور وزنی ہتھوڑے سمیت ایک تاریک اور محفوظ گوشے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جیسے ہی اشتیاق وہاں پہنچ کر پرانی چارپائی پر بیٹھا، کیفی نے اس کے سر پر وزنی ہتھوڑے کی ضرب لگا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ مقدمہ ایک آدھ پیشی تک مزید چلا۔ پھر کیفی عدالت کے منصفانہ فیصلے کے بعد، ایک لمبی سزا پا کر جیل چلا گیا۔ اس روز جب وہ مجھے سخی حسن کے قبرستان کے باہر نظر آیا اور وہ بھی مست الست حالت میں تو میں اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

میں اپنے تجسس کی تسکین کے لیے اگلے روز نورا پارٹمنٹس بھی گیا تا کہ یہ جان سکوں کی کیفی جیل سے کب باہر آیا اور اس کی ایسی حالت کا سبب کیا ہے؟ لیکن مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ نورا پارٹمنٹس سے مجھے جو معلومات ملیں، ان کے مطابق کیفی کے جیل چلے جانے کے بعد سونیا کی خالہ اسے اپنے ساتھ حیدر آباد لے گئی تھی۔ نورا پارٹمنٹس والے فلیٹ کو فروخت کر دیا گیا تھا اور سونیا نے اپنی خالہ صفیہ کے ساتھ حیدر آباد رہنا شروع کر دیا تھا۔ اس واقعے سے کافی عرصہ پہلے سونیا کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ باپ کے جیل چلے جانے کے بعد وہ اکیلی تو رہ نہیں سکتی تھی لہٰذا اس کی خالہ کا فیصلہ درست تھا۔ پھر کبھی وہ نورا پارٹمنٹس کی طرف نہیں آئی اور نہ ہی وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ جانتے تھے۔ میں مایوس ہو کر وہاں سے واپس لوٹ آیا تھا۔

میں اگر یہ ٹھان ہی لیتا کہ مجھے کیفی کی حیدر آباد والی سالی کا ایڈریس ڈھونڈ کر ہی دم لینا ہے تو یہ کوئی ایسا ناممکن کام بھی نہیں تھا لیکن مکروہات زمانہ نے مجھے اس بکھیڑے میں پڑنے کی اجازت نہیں دی تھی اور میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

میں تو خاموش ہو کر بیٹھ گیا ہوں لیکن آپ..... خصوصاً کراچی والے قارئین اپنی آنکھیں کھلی رکھیے گا۔ کیفی میری گاڑی پر دو ہنٹر اور ٹھڈا رسید کرنے کے بعد تو ایک طرف بڑھ گیا تھا۔ میرے سوال کا جواب دینے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی مگر ہو سکتا ہے، آپ اس سے کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اگر وہ ننگا فقیر آپ کو کراچی کی کسی سڑک پر دکھائی دے تو آپ اسے روک کر یہ سوال ضرور کیجیے گا۔

اس طرح ممکن ہے، آپ اس کہانی کا آخری باب پڑھنے میں کامیاب ہو جائیں جو ہو سکتا ہے، پوری کہانی سے زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز ہو..... اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ کے کسی سوال کے جواب میں کیفی بھڑک کر وہ خطرناک تجربہ براہ راست آپ ہی پر کر ڈالے، جو اس نے میری گاڑی پر کیا تھا۔

آپ کو جو بھی کرنا ہے، اپنے رسک اور صوابدید پر کرنا ہے.....!